بسمہ
رضیہ بٹ
ACADEMY

رات اتر آئی تھی......

کوٹھی کے ماتھے پر سجے رنگا رنگ قمقموں کے جھومراب بھی چمک رہے تھے۔ لان میں درختوں اور پودوں کے گرداگرد روشنیوں کی لڑیاں اب بھی نورانی اجالے بکھیر رہی تھیں...... لیکن کئی دنوں سے جو مسرور کن ہنگامہ بپا تھا۔ اب معمولی سی ہلچل میں بدل گیا تھا۔ ڈھولک کی تھاپ چپ ہوگئی تھی۔ اور لڑکیوں بالیوں کے پاؤں میں بندھے گھنگھروؤں کی کھنک خاموش ہوگئی تھی۔ لاؤڈ سپیکروں پر چیخنے والے خوشی کے نغمے بھی غنودگی میں ڈوب گئے تھے......

کوئی مہینہ بھر سے شادی کا ہنگامہ بپا تھا۔ روزانہ رات کو رشتہ کی بہنیں بھابیاں اور ہمسایہ میں رہنے والی لڑکیاں بالیاں جمع ہوجاتی تھیں۔ ڈھولک بجتی، گانے گائے جاتے۔ ہنسی مذاق ہوتا اور پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر ناچنے کی مشق باقاعدگی سے کی جاتی......

شعیب کی شادی بڑے دھوم دھڑکے سے ہورہی تھی۔ ماں کا اکلوتا بیٹا اور دو بہنوں کا راج دلارا۔ پھر روپے پیسے کی کمی بھی نہ تھی۔ ارمان نکالنے کا حق بنتا تھا رشتہ داروں کا پیارا دوستوں کا عزیز تھا۔ ہنس مکھ، ملنسار اور پر خلوص شعیب سے سبھی کو پیار تھا۔ اسی لئے اس کی شادی کی خوشی میں ہر کوئی پورے خلوص اور محبت سے شریک تھا......

پچھلی رات تو جاگتے ہی گزری تھی۔ رسم حنا تھی۔ پہلے لڑکی والے شعیب کے لئے مہندی لے کر آئے۔ پھر شعیب کے عزیز و اقارب لڑکی والوں کے ہاں گئے۔ دو اڑھائی بجے ان رسوم سے نجات ملی تو برات میں شرکت کی تیاریوں کا مرحلہ شروع ہوگیا......

جھلملاتے جوڑے نکالے گئے۔ ایک دوسرے کو دکھائے گئے۔ زیورات کا انتخاب کیا گیا۔ کپڑوں کے ساتھ میچ کرتے ہوئے زیور ایک دوسرے سے لے کر برابر کئے گئے......

چار ساڑھے چار بجے تھکے ہارے لوگوں نے چند لمحے اونگھنا چاہا تو بھابی ہما کو شرارت سوجھی۔ ذکیہ کو ساتھ ملایا۔ دونوں نے ڈھولک اٹھائی اور ایک ایک مہمان کے سرہانے کھڑے ہو کر ڈھنڈورے کی طرح پیٹنی شروع کر دی۔ اتنا شور مچایا، اتنا مسرور سا ہنگامہ ہوا

کہ بچے بھی اٹھ گئے اور بڑوں کی نیند بھی اڑ گئی......

انہوں نے تو شعیب بیچارے کو بھی سونے نہ دیا۔ وہ اپنے کزنوں اور دوستوں کے ساتھ ڈرائینگ روم میں قالین پر ہی صوفے کی گدیاں سرہانے بنا کر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈم ڈم کرتی ہما اور ذکیہ آگئیں۔ اس ٹولے میں اب شوخ وشنگ نئی بیاہی دلہنیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ جو قہقہے لگا رہی تھیں اور مسلسل تالیاں پیٹ رہی تھیں......

اونگھتے جاگتے مرد اور لڑکے چیخ اٹھے......

"خدا کے لئے اب تو بخشو!" سلیم نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے......

"بھئی دو گھڑی چین لینے دو!" عرفان بولا......

"ہما بھالی پلیز!" دبلے پتلے خوبرو سے کلیم نے ہاتھ باندھ دیئے......

"اس بیچارے کو تو دو گھڑی آرام کر لینے دو" صوفے کی گدی پر سر تلے دونوں ہاتھ رکھے چت لیٹے نوی نے شعیب کی طرف اشارہ کیا......

جو ان عورتوں کے کمرے میں آتے ہی اٹھ بیٹھا تھا......

"کیوں جی۔ ان کو کیوں آرام کرنے دیا جائے" ذکیہ نے نوی سے ہنس کر کہا......

"سرخاب کے پر ابھی لگے تو نہیں ان میں" ہما نے قہقہہ اچھالا......

"البتہ کل ضرور لگ جائیں گے" نوخیز سی دلہن ریما نے کہا......

"کل دیکھیں گے ...... آج ہمارے ہاتھ میں ہے کل دلہن صاحبہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس لئے ہم اپنے ہاتھ میں آئے آج سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ ہما نے ڈم ڈم کرتے ہوئے اعلان کیا۔ قہقہوں کی پھوار پھوٹ پڑی......

اب ڈرائینگ روم میں چند لمحے نیند کا لطف اٹھانے والے بیدار ہوگئے۔ ہما ڈھولک سمیت شعیب کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے اردگرد خواتین نے جگہ بنالی۔ نوجوان شعیب کے آگے پیچھے سرک آئے......

"اب ہوئی نا بات" ہما نے ڈھولک پر تھاپ دی......

"فرمایئے!" زین نے ہنس کر کہا۔ "اس تکلیف دہی کی ضرورت کیوں پیش آئی......

"دیکھو بھیا!" ہما اپنی طلائی چوڑیوں سے بھری کلائی چھنکاتے ہوئے بولی......

"ہوں!" کئی آوازیں آئیں......

"آج کی رات ہمارے لئے یادگار رات ہے" ہما نے کہا......

"واقعی......" "کل شعیب ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا" منصورہ نے کہا......

"آج شعیب کا کوئی امتحان لینا مقصود ہے......" شوخ شوخ آنکھوں والا ریحان اپنی نئی

نویلی دلہن سارہ کو تکتے ہوئی بولا......

"بالکل!" سارہ اٹھلائی......

"بھئی بات یہ ہے کہ اس وقت شعیب کی بہنیں اور بھابیاں یہاں جمع ہیں" ہما بولی......

"پھر...... شعیب نیند سے پٹی آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا......

"ابھی فیصلہ ہو جانا چاہیئے" ہما نے کہا......

"کس بات کا......" شعیب نے پوچھا......

"کل تم دولہا بنو گے"

"ہاں......!"

"بھابیاں اور بہنیں اس مبارک موقعہ پر نیگ لیں گی۔ کیا دو گے؟"

"اوہ یہ بات۔"

"ہاں۔"

"جو مناسب ہوگا ' مابدولت تقسیم فرمادیں گے" شعیب نے اک شان بے نیازی سے کہا......

"جی ہاں ......" ریما بولی" ماشااللہ ہم اپنی مرضی سے لیں گے۔ ذہن میں رکھئے گا یہ بات۔"

"کمی کس بات کی ہے" ذکیہ بولی۔ ماشااللہ جیبیں بھری ہیں۔ روپیہ ڈالر ریال...... سب کچھ ہے ماشااللہ......"

اس نے اس انداز سے کہا کہ سب ہنس پڑے۔ ریحان بولا!

"بھئی ان عورتوں کی نظر میں ہے سب کچھ۔"

کیوں نہ ہو۔ ماشااللہ کاروبار اندرون ملک بیرون ملک پھیلا ہوا ہے"

شعیب مسکرا کر بولا۔ "سب آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"پھر دعائیں رنگ لائیں نا کل۔"

"ضرور...... ضرور......"

شعیب کی بات پر سب نے خوب تالیاں بجائیں۔ شعیب زندہ باد کے نعرے اتنی زور سے لگائے کہ دوسرے کمروں میں اونگھنے والے بھی جاگ اٹھے۔ کافی دیر سب چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہے اب نیند آنکھوں سے اڑ چکی تھی...... پھر بھی کلیم نے کہا۔ "بھئی تم نے تو رت جگا مناؤ۔ شعیب بیچارے کو تھوڑی دیر کے لئے سو لینے دو۔"

"کیوں!" احتجاجی آوازیں آئیں۔

"بھئی صبح بارات ہے - پتہ ہو دولہا میاں سسرال جا کر آنکھیں موندتے پھریں ......

"ہاں انہیں سونے دیا جائے۔" زین نے سفارش کی -

"اوں ہوں" ہما نے کہا اور پھر بڑی بے ساختگی سے بولی "کل رات سو لے گا۔"

سب اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑے......

"ویسے اس کی یہی سزا ہونا چاہیے" رفیعہ بولی "اتنی شان سے جو حجلہ عروسی خفیہ طور پر سجاتا رہا ہے نا.... وہاں جاتے ہی اسے نیند آجانا چاہیے -"

"اچھی سزا ہے -".... شکیل ہنسا۔

"اور کیا...." ذکیہ شاکی تھی۔

شعیب مسکراتا رہا....اور بہنیں بھابیاں حجلہ عروسی کی باتیں کرنے لگیں کوٹھی کا ماسٹر بیڈ روم حجلہ عروسی تھا جسے شعیب نے اپنے دو دوستوں اور تین کزنوں کی مدد سے سجایا تھا....لیکن یہ تزئین و آرائش اس طرح کی تھی کہ گھر کے کسی فرد یا مہمانوں میں سے کسی کو بھی کمرہ دیکھنے نہیں دیا تھا بے تکلف بھابیوں اور بہنوں نے بہتیری کوشش کی لیکن شعیب نے ہر بار یہی کہا "جب دلہن کو لے کر اس کمرے میں آئیں گی تو دیکھ لیجئے گا"۔

"بڑا میسنا گھنا ہے۔" عظمیٰ نے پیار سے شعیب کو دھکا۔

"سسپنس...." ریحان نے ہنس کر کہا......

"واقعی !" سارہ بولی۔ " سجاوٹ تو وہی ہوگی جو عام طور پر ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح تجسس بہت بڑھ گیا ہے۔"

"ہاں جی !" ہما نے مذاق سے منہ بنایا۔" ابھی سے جورو کے غلام بن گئے صاحبزادے۔"

"وہ کیسے؟" کلیم نے پوچھا۔

"جورو قدم رکھے گی کمرے میں تو دوسرے دیکھ سکیں گے اس سے پہلے نہیں...."ذکیہ نے مذاق سے منہ بنایا۔

شعیب کی آنکھوں میں تصورات کی سکرین پر چھائیاں رنگ بکھیر رہی تھیں - وہ ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا خوشیاں عروج پر تھیں دل شاد تھا......

ہما کے پاس ہی کچھ لڑکیاں بھی بیٹھی تھیں - ادھر شعیب کے پیچھے بن بیاہے نوجوان بھی تھے شوخی اور ہنسی مذاق سے یہ لڑکیاں شرما رہی تھیں - جب بے تکلف مذاق اور بڑھنے لگے تو سنیلا جلدی بولی "ہما بھابی چھوڑیں نا یہ باتیں کوئی گانے وانے گائیں۔"

"بالکل....بالکل...."لڑکے بول اٹھے۔

"ٹھیک ہے۔" ہما نے ڈھولک چنکی کی طرف بڑھائی......

"نہیں بھابی۔" چنکی سمیر کی آنکھوں کی شوخی سے کٹی جا رہی تھی......

"بجاؤ نا....۔" رفیعہ بولی "تم ہی تو سب سے اچھی ڈھولک بجاتی ہو۔"

اس نے بار بار انکار کیا......

"بجایئے نا....۔" سمیر نے فرمائش کی......

پھر شعیب نے بھی کہا۔ چنکی شرمائی لجائی بیٹھی تھی۔ سب کے اصرار پر اسے ڈھولک بجانا پڑی اسے چھوڑتا بھلا کون......

"واہ وا...."سمیر نے بے خودی سے داد دی چنکی کی آنکھوں میں حیا کے ڈورے لہرا گئے

"چلو بھئی اب گلو بھی کچھ -" ریما نے ڈھولک کے سنگ تالیاں بجاتے ہوئے کہا....۔

"ہما بھابی آپ پہل کریں۔" کلیم نے کہا۔

"توبہ کرو....۔ میرا تو گلا بیٹھ گیا ہے گا گا کر...."۔

"آوازیں تو سب کی بوجھل ہیں۔ اتنے دنوں سے جو گلے پھاڑ رہے ہیں۔" سارہ بولی....۔

"میں نے تو آج دوائی بھی لی بہت خراش کرنے لگا تھا گلا۔"

ہما بولی......

"یہ شادی یادگار شادی ہے -"

"واقعی!"

"اتنی خوشی اور جوش و خروش کبھی کسی شادی پر نہیں دیکھا۔"

"ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔"

"جوان تو جوان بوڑھے بھی پیچھے نہیں رہے۔ کل اماں جی نے تھوڑا شغل کیا۔"

"اور چچی سلمیٰ نے جو ڈانس کیا......"

"ہائے بڑا ہی مزا آیا......"

"شعیب تم بہت خوش قسمت ہو۔ ایمان سے خدا تمہیں یہ خوشیاں راس لائے محبتوں اور چاہتوں کے ایسے اظہار ہم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے۔"

شعیب سب کی باتوں سے بے حد متاثر تھا۔ بڑی گمبھیر آواز میں بولا - "مجھے احساس ہے میں آپ سب کی محبتوں کے بوجھ تلے اپنے آپ کو دبا پاتا ہوں۔"

"میں نے کہا نا خوش قسمت ہو -"

"بالکل خدا کرے ہمیشہ شاد و آباد ہو نئی زندگی کی خوشیاں اسی طرح سمیٹو۔"

"آمین......"

سنیلا بور ہونے لگی تھی۔ ایک دم بولی۔ "یہ کیا بڑے بوڑھوں والی باتیں شروع ہو گئیں گانا ہے تو گائیے ورنہ محفل برخاست......"

"نہیں بھئی گاتے ہیں......"

"آپ سنائیں پہلے۔"

"میں تو سنانے سے رہی۔ ہاں ان لڑکیوں نے بہت کم گایا ہے۔"

"چلو تم سب سناؤ گانا۔"

"شعیب سے سنیں۔"

"ٹھیک ہے چلو شعیب سناؤ۔"

"شعیب سٹپٹا گیا...... میں کیا گاؤں۔"

"گیت، ٹپے، غزل جو کچھ بھی آتا ہے۔" سب نے شور مچا دیا......

"بھئی مجھے نہیں آتا گانا وانا" شعیب نے احتجاجاً ہاتھ اونچے کر دیئے......

"یہاں کونسا موسیقی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ سب تمہارے جیسے ہی ہیں چلو شروع ہو جاؤ۔"

"پلیز......"

"پلیز ولیز نہیں چلے گا' سناؤ گانا!"

سب شعیب سے گانا سننے کے خواہاں تھے۔ پنکی کو ہما اور ذکیہ نے اپنے درمیان بٹھا لیا ذکیہ اور ہما تالیاں بجانے لگیں۔ باقی لڑکیاں اور خواتین بھی ڈھولک کے سنگ تالیاں پیٹنے لگیں......

"ہوں۔"

"بھئی مجھے نہیں آتا...... سب گائیں میں بھی ساتھ گلا پھاڑ لوں گا۔"

شعیب نے کہا......

"ٹھیک ہے ٹپے گاتے ہیں لڑکے ایک طرف لڑکیاں ایک طرف۔"

"ٹھیک ..... ٹھیک۔" اک شور سا مچا..... پھر ٹپے گائے جانے لگے......

لڑکیاں خاصی تیز تھیں۔ لیکن جوان بھی کچھ کم نہ تھے۔ زین اور کلیم تو اچھا گا لینے والوں میں سے تھے۔ باقی سب بھی ساتھ دے رہے تھے۔

خوب محفل جمی کچھ معصوم معصوم شوخیاں بھی ہوئیں۔ کنواری آنکھوں میں پسند کی ریں بھی اٹھیں۔ سمیر نے تو پنکی کے حق میں پوری طرح ہتھیار ڈال دیئے۔ سنیلا کو پہلے ہی

نومی پسند کر چکا تھا۔ عمران نے چھوئی موئی سی ریما پر دل نثار کر دیا......

ٹپے گانے کے بعد بولیاں گائی گئیں۔ جو کچھ کسی کو یاد تھا۔ سر اور لے سے بے نیاز گائے جا رہا تھا۔ یہ واقعی موسیقی کی محفل نہ تھی۔ صرف خوشی کے لہراتے جذبوں کا اظہار مقصود تھا۔ عقیدتوں کا نیارا رنگ تھا۔ جو شعیب پر نچھاور کیا جا رہا تھا۔ خوبرو اور وجیہہ شعیب اپنے عزیزوں دوستوں اور رشتہ داروں کے اس اظہار سے مرعوب و متاثر ہو رہا تھا......

یہ محفل شاید دن چڑھے تک بجی رہتی۔ لیکن صبح کی اذانیں بلند ہونا شروع ہو گئیں نمازی مرد اور عورتیں اٹھ کھڑے ہوئے۔ شعیب کی ماں جی بھی نماز کے لئے اٹھ گئیں۔ ڈرائنگ روم میں دھما چوکڑی ہو رہی تھی۔ وہ ادھر ہی گئیں خلوص اور پیار کے مظاہرے نے انہیں بھی گرویدہ کیا ہوا تھا۔

ان کے آنے پر محفل برخاست ہوئی۔

"بچو اب تو اٹھ جاؤ۔ تم لوگوں نے تو تھکا ڈالا اپنے آپ کو خدا تم سب کو خوش رکھے۔ میری خوشی میں تم لوگ اتنے پیار سے شریک ہوئے ہو مجھے کسی کمی کا احساس نہیں رہا...شعیب کے ابو کی کمی بھی محسوس نہیں ہو رہی۔" ماں جی کی آواز فرط جذبات سے بھرا گئی۔ انہوں نے دامن پھیلایا۔ اور خوشی کے ان شریک کاروں کو دل سے دعائیں دینے لگیں۔"

محفل برخاست ہو گئی۔ ہما کو اپنی دو سالہ بچی کا خیال آیا جو دادی ماں کے پاس سوئی تھی رضیہ بھی اپنے بچوں کی خبر لینے کو اٹھی سارہ کا بیٹا بھی اٹھ گیا تھا۔

سب بکھر گئیں نوجوان وہیں ٹانگیں پسار کر پڑ گئے۔ کچھ نماز کے لئے اٹھے۔ اب نیند آنے کا سوال کہاں تھا۔ بارات گیارہ بجے تک روانہ ہو جانا تھی۔ باراتیوں نے ناشتہ بھی کرنا تھا۔ اس لئے جن جن کے ذمہ ڈیوٹیاں تھیں وہ تو اٹھ ہی گئے......

شعیب بھی لیٹ نہ سکا۔ اس کے کچھ دوست صبح کی ٹرین سے آنے والے تھے۔ انہیں لینے سٹیشن جانا تھا۔

سارا دن ہلا گلا ہی گزرا تھا۔ بارات بڑی دھوم دھام سے گئی تھی۔ شعیب پر تو اتنا حسن اور ایسا نکھار آیا تھا۔ کہ ماں جی نے صدقے اتارے تھے۔ خیرات بانٹی تھی۔ بہنوں نے نظر اتاری تھی۔ بھابیوں نے پیار کیا تھا۔

شام دھندلا رہی تھی۔ جب شعیب کسی فاتح کی طرح سرخ و سنہری کپڑوں میں لپٹی طلائی زیوروں سے لدی پھولوں اور خوشبوؤں میں بسی دلہن کو گھر لے آیا تھا۔

جہیز سے لدے پھندے دو ٹرک بھی ساتھ آئے تھے۔

دلہن کو ڈرائنگ روم میں بنائی گئی سنہری مسند پر بٹھایا گیا تھا۔ عورتیں اور بچے اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سلامی کی رسم ادا کرنے میں گھنٹے لگ گئے تھے۔

لیکن یہ مسرور کن سی ہلا گلا جلد ہی ختم ہو گیا۔ رات اتر رہی تھی۔ اور دنوں کی تھکی ماندی بہنیں بھابیاں جہاں جگہ مل رہی تھی گرتی پڑتی تھیں۔ ہما اور ذکیہ تو لاؤنج میں بغیر بستر کے قالین پر صوفے کی گدیاں تکئے بنا کر پڑ گئی تھیں۔ سارہ اور رفیعہ بھی آڑی ترچھی لیٹی تھیں کسی کے اوپر کمبل تھا کسی پر رضائی......

کمروں میں مہمان بھرے تھے...... کچھ لڑکیاں بالیاں تو ٹیرس پر رضائیوں میں دبک کر جا سوئی تھیں۔ برابر والی دونوں کوٹھیوں کے بیڈ روم بھی لئے گئے تھے۔ وہاں مرد حضرات نے ڈیرے جمائے تھے۔

شعیب اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کی ماں جی اور بڑی بہن زاہدہ آپا چند دوسری عورتوں اور مردوں کو ساتھ لگائے جہیز کا سامان کمرے میں رکھوا رہی تھیں۔ صبح ولیمہ تھا لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے سارا سامان بحفاظت کمرے میں رکھوانا ضروری تھا اتنا زیادہ اور ایسا قیمتی سامان جہیز میں آیا تھا۔ کہ عورتیں اور خود زاہدہ آپا تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں......

ماں جی خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں۔ مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے ان کا دبلا پتلا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

"بڑی خوش قسمت ہو بہن .... چاند سی بہو کے ساتھ ڈھیروں جہیز بھی ملا ہے۔"

"بہت اچھے خاندان میں رشتہ ہوا ہے خدا یہ بندھن مبارک کرے۔"

"بھئی وحید صاحب ہمارے جانے پہچانے ہیں جواب نہیں ان کا شعیب کو سمجھو سسر نہیں مشفق باپ مل گیا۔"

"خدا کرے بیٹی کی عادات بھی ماں پر ہوں۔ ان کی ماں تو بہت ہی مخلص اور ملنسار عورت ہے۔ بڑی سیانی بڑی ہنس مکھ۔"

"ہاں آج تو بچھی جا رہی تھیں سمدھیوں کے آگے۔"

"بڑی عزت کرتی ہیں۔"

"خدا شاد و آباد رکھے۔"

"آمین۔"

"جہیز تو ثانوی چیز ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ لڑکی اچھی ہو یہی سب سے بڑا جہیز ہے۔ باقی یہ چیزیں تو اپنی حیثیت کے مطابق ہر کوئی دے ہی دیتا ہے۔"

"خوش بختی تو یہی ہے کہ ان بیش قیمت چیزوں کے ساتھ اتنی حسین اور پڑھی لکھی اچھے خاندان کی لڑکی بھی مل گئی۔"

"بالکل بالکل بت خوبصورت اور پیاری ہے ماشاءاللہ دلہن..... کچھ سنجیدہ سی لگتی ہے پتھرائے ہوئے بت کی طرح بیٹھی ہے۔"

"ہائے ہائے پتھرائے ہوئے بت کی طرح تو خود ہی بیٹھے گی چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے ماں باپ کی لاڈلی گھربار چھوڑنا آسان تو نہیں ہوتا۔"

"ہر لڑکی چھوڑ کے ہی آتی ہے گھربار۔"

"ہاں میں نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے کہ سنجیدہ چہرہ ہے اسکا۔"

"ویسے لاڈلی بیٹی ہے اس نے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہوگا بچھڑنے کا۔"

"ہمارے شعیب کو دیکھے گی .... تو بھول جائے گی بچھڑنا میکے والوں کا۔"

"ماشاءاللہ شہزادہ لگ رہا تھا آج۔"

"نظر بد دور۔"

"ہاں جی.... خدا آپ کے بیٹے بہو کو نظر بد سے بچائے صدقے کا ایک بکرا کل بھی ضرور دے دیں۔"

"ہاں بہن اور یہ جہیز تو کسی کو بھی نہ دکھائیں۔ لوگ نظروں میں لے آتے ہیں۔"

"یہ کمرہ بند ہی رہے گا۔ خود ہی دلہن سجائے گی۔"

"سجانا کیا ہے شعیب نے تو پورا گھر اپنی مرضی سے سجایا ہے۔ ہر شے نئی خریدی ہے اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اس کے پاس .... میں نے تو دلہن والوں کو منع بھی کیا تھا کہ یہ سب کچھ نہ دیں لیکن وہ مانے ہی نہیں۔"

"ان کی بھی تو ایک ہی بیٹی تھی ارمانوں اور چاؤ سے بیاہی ہے۔" سامان رکھتے رکھاتے عورتیں زاہدہ اور ماں جی سے باتیں بھی کئے جا رہی تھیں وہ کہہ تو رہی تھیں کہ سامان لوگوں کو دکھایا نہ جائے۔ لیکن خود ہی دل چاہ رہا تھا کہ ایک ایک چیز کھول کر دیکھیں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی گھر کی استعمال کی چیزیں موجود تھیں۔ نایاب اور نادر قسم کی اشیاء بھی تھیں۔ لیکن رات اتر رہی تھی سامان سمیٹنا تھا اس لئے کوئی عورت بھی برملا چیزیں دیکھنے کی فرمائش نہ کر سکی۔

☆ ☆ ☆

"آپ یہاں ہیں۔"
"کیوں کیا ہوا؟ یہ سامان سنبھالنا تھا۔ برآمدوں میں کھلا پڑا رہنے دیا جاتا؟"
"لیکن زاہدہ آپا ماں جی یا چاچی جی یہ کام کرواسکتی ہیں۔ آپ تو اندر آئیں۔"
"کیوں؟"
"زاہدہ آپا خدا کے لئے گیارہ بجنے والے ہیں ۔اور دلہن ابھی تک ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھی ہے۔ اسے کمرے میں تو پہنچا آئیں ۔"

شاہدہ کی بات پر زاہدہ کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ ماں جی چاچی اور دوسری عورتیں بھی اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ سب حیران ہو رہی تھیں ۔ کچھ کہنے کو تھیں کہ پینتیس سالہ زاہدہ الجھنے کے انداز میں بولی۔ "حد کرتی ہو شاہدہ یہ کام بھی ضروری تھا۔ کہ میں ہی کروں اس بے چاری کو ابھی تک کسی نے کمرے میں بھی نہیں پہنچایا۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ میں تو اپنی ساس اور جٹھانی کے پاس بیٹھی تھی ۔ابھی اٹھ کر آئی تو دیکھا دلہن نڈھال سی صوفے پر گردن ڈالے پڑی ہے۔ اردگرد لڑکیاں بالیاں ہی بیٹھی ہیں۔"
"وہ حنا ہما اور ذکیہ کہاں گئیں۔؟"
"وہ تو سب سوگئی ہیں۔"

ماں جی زاہدہ کے غصیلے تیور دیکھ کر بولیں۔ "تھکی ماندی تھیں سب۔ کئی دنوں سے رت جگے منارہی تھیں ۔گرتی پڑتی تھیں ۔ جسے جہاں جگہ ملی ہے سوگئی۔"
"جاؤ تم اسے شعیب کے کمرے میں چھوڑ آؤ" چاچی نے زاہدہ اور شاہدہ سے کہا۔
"یہ کام شعیب کی بھابیاں ہی کریں گی ابھی جگاتی ہوں انھیں ۔" زاہدہ نے دال کا ڈبہ فریزر کے اوپر رکھ دیا۔ اور کمرے سے نکل گئیں ۔جاتے جاتے کہہ گئیں چاچی جی آپ

بھاری بھاری سامان رکھوائیں میں ابھی آتی ہوں ۔"

دونوں بہنیں آگے پیچھے برآمدے سے ہوتیں لاؤنج میں آگئیں۔پوری لاؤنج عورتوں اور بچوں سے بھری تھی ۔ آڑے ترچھے بے ترتیب ہو کر سبھی خراٹے لے رہے تھے۔ صوفوں کی گدیاں سروں تلے تھیں ۔ کسی نے چادر لپیٹ کر رکھ لی تھی ۔ کسی کے اوپر کمبل تھا' کسی نے رضائی گھسیٹ لی تھی۔صوفوں پر بھی کچھ مہمان سورہے تھے۔ لاؤنج میں سوائے خراٹوں کے کوئی آواز نہ ابھر رہی تھی۔

زاہدہ کو ہنسی آگئی ۔اس نے سب پر نگاہ ڈالی ایک کونے میں ہما کا چہرہ نظر آیا۔ صوفے کے آدھی نیچے آدھی باہر۔ حنا پر بھی نظر پڑ گئی۔ ذکیہ یہاں نہیں تھی اور سارہ بھی نظر نہ آئی۔

"اس ہما کی بچی کو ابھی جگاتی ہوں ۔" زاہدہ نے اپنا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس نے تو آکر کپڑے تک نہیں بدلے تھے۔
"ہائے زاہدہ آپا۔" شاہدہ کو بے بے خبر سوتی ہما پر ترس آگیا۔ بڑی تھکی ہوئی ہے ہما!۔
"کافی نیند نکال لی بہت شوق تھا نا اسے شعیب کو خواب گاہ دیکھنے کا اب وقت آیا تو مردار ہوگئی ہے۔"
"شعیب بھی تو ادھر نہیں آیا ابھی تک دوستوں میں بیٹھا گپیں ہانک رہا ہے۔"
"تم اسے بلاؤ کمرے کا دروازہ تو کھول دے۔"
"ہما ہی کھلوائے گی۔"
"کیوں تمہیں کیا ہوا ہے۔"
"دیور بھابی اچھے لگتے ہیں مذاق کرتے۔"

زاہدہ مسکرائی سنبھل کر سوئے ہوئے بچوں اور عورتوں کے درمیان سے گزرتی ہما تک پہنچی۔
"ہما۔" اس نے آواز دی۔
"اے ہما۔" اس نے اس کے ٹس سے مس نہ ہونے پر جھک کر پھر کہا۔ وہ تو گھوڑے بیچ کر سوئی تھی ۔
زاہدہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا
" ہوں۔" وہ کروٹ بدل کر پھر سوگئی۔ اور سوتے میں کمبل اوپر اوڑھنے کے لئے ہاتھ ہوا میں چلانے لگی اب خنکی بڑھ گئی تھی۔ وہ سکڑی سمٹی جارہی تھی شاہدہ کو بیچاری پر بڑا

ترس آرہا تھا......

زاہدہ نے اس کے تراشیدہ بالوں میں مٹھی بھری اور اس کے سر کو ہولے ہولے جھٹکے دیئے، تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی......

"کیا ہے، کیا ہے" اس نے نیند سے بھری آنکھیں کھولتے بند کرتے ہوئے کہا صوفے پر لیٹی ممانی کی آنکھ بھی کھل گئی۔ "حنا کو بھی جگاؤ شاہدہ!" زاہدہ نے کہا کیا مزے سے سوگئی ہیں۔ دلہن بے چاری ابھی تک ڈرائینگ روم ہی میں بیٹھی ہے۔"

"ہائے ہائے" ممانی نے اٹھتے ہوئے کہا "واقعی"

"ممانی جان آپ سو جائیں یہ ذمہ داری ان دلہنوں کی ہے جو گھوڑے بیچ کر سوگئی ہیں۔"

شاہدہ نے حنا کو بھی جگایا۔ وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھی اتنے زوروں کی نیند آرہی تھی کہ جی چاہتا تھا پھر سے لیٹ جائے......

لیکن

زاہدہ آپا سر پر سوار تھیں ان کا رعب اور دبدبہ تھا۔ پیار اور خلوص تھا اٹھتے ہی ہما نے ایک زور دار جمائی لی۔ ہاتھ اوپر اٹھائے پھر نیچے گراتے ہوئے پلکیں جھپک جھپک کر بولی۔ "خدا قسم ہوش ہی نہیں رہا بچی کو لے کر لیٹی تو......"

"خود بھی مردار ہوگئی" زاہدہ آپا ہنسیں......

"حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا آج تو ہم نے شعیب کو قابو کرنا تھا۔" وہ شوخی سے بولی......

"اٹھو پھر بلا لاؤ اسے۔" زاہدہ نے کہا۔

"ذکیہ اور سارہ وہ رفیعہ سب سوگئیں۔"

"اور نہیں تو کیا......"

"تو پہلے انہیں جگاتے ہیں۔"

"انہیں جگاؤ یا نہ جگاؤ ہما اب یہ کام تمہارے ذمہ ہے۔ شعیب کو بلا کر کمرہ کھلواؤ اور دلہن کو وہاں پہنچاؤ۔"

"آپ......"

"میں تو ابھی تک جہیز ہی رکھوا رہی ہوں ماں جی بھی ادھر ہیں۔"

"بہت بڑا جہیز دیا ہے۔"

"ہاں! خدا نصیب کرے۔ صبح دیکھیں گے......"

"صبح کی صبح کو دیکھ لینا...... اب پہلے دلہن بے چاری کو کمرے میں لے جاؤ۔"

"اچھا زاہدہ آپا آپ جائیں بے فکر رہیں اب۔ میں پوری طرح ہوش میں آگئی ہوں۔"

"ہما نے اپنے تراشیدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے کہا۔ دو ایک اور معمر عورتیں بھی ان کی باتوں سے جاگ گئی تھیں۔ کچی نیند سے جاگنے کی بیزاری ان پر مسلط تھی ہڑبڑاتے ہوئے کسی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا کسی نے روشنی آنکھوں میں پڑنے کی وجہ سے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔"

"بتی تو گل کردو" ایک عورت بولی "ابھی بچے اٹھ گئے نا تو سب کو بیزار کردیں گے۔"

"شاہدہ نے جلدی سے فانوس کی بتیاں گل کردیں اور ایک طرف لگے دودھیا بلب کو روشن کردیا۔"

زاہدہ ان سب کو پھر سے دلہن کو کمرے میں لانے کی تاکید کر کے باہر چلی گئی......

کچھ ہی دیر میں ذکیہ رفیعہ حنا سارہ اور ہما اکٹھی ہوگئیں۔

"تم جاؤ شعیب کو بلا لاؤ۔ حنا نے ہما سے کہا۔"

"شعیب کو بلاؤں یا چابیاں لاؤں پہلے؟"

"چابیاں لے آؤ دلہن کو بٹھا کر شعیب کو اندر بھیجیں گے۔"

"ٹھیک۔"

ہما چابی لینے چلی گئی شاہدہ بھی چل دی شعیب اس سے کافی چھوٹا تھا اس لئے اسے مذاق کرتے جھجک آتی تھی۔ اس نے سارا کام ان نوبیاہتا بھابیوں اور کزنوں پر چھوڑ دیا اور خود سامنے والے کمرے میں گھس کر سونے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگی۔

ہما شعیب سے چابی لے آئی۔ سب کھنکتی ہنسیوں اور دبے دبے قہقہوں کے ساتھ شعیب کی خواب گاہ کی طرف بڑھیں......

کچھ عورتیں، چچ، چچ، کھچ کھچ ہنسی سے ڈسٹرب ہوگئی تھیں۔ بڑی بیزاری سے انہوں نے کہا۔

"خود نہیں سونا دوسروں کو تو آرام کرنے دو۔ پہلے ہی کونسی بے آرامی کم ہے، پلنگ نہ چارپائی۔"

"ہونہہ۔ دوسری نے کروٹ بدلی "کچھ خیال کرو ہم لوگوں کو ہنسنا ہنسانا ہے تو دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔"

"میرا بچہ جاگ اٹھا تو قیامت بپا کر دے گا پلیز شور نہ مچائیں کسی نے ڈانٹا کسی نے ملائمت سے کہا۔ لیکن وہ بھلا کسی کی کب سننے والی تھیں۔ اب تو نیند بھی نکل لی تھی خوب تازہ دم تھیں شوخی و شرارت ان کی انگ انگ میں مچل رہی تھی۔"

ہما دروازے تک پہنچی......

اس نے لاک میں چابی لگائی چابی گھمائی اور اللہ کا نام لے کر دروازہ آہستہ سے کھولا......

"مابدولت کا قدم مبارک پہلے پڑے گا اندر۔" اس نے کہا اس سے پہلے زکیہ نے دھکیل کر دروازہ کھولا اندر داخل ہوتے ہوئے قہقہہ لگایا پھر بولی "کیسا؟"

"بہت خراب ہوا ہما نے بتیاں روشن کر دیں"

"خراب نہیں اچھی کہو ہما بی بی ماشاءاللہ سہاگن ہوں اور گود میں چاند ایسا بیٹا ہے شگن اچھا رہے گا۔ زکیہ شان سے بولی۔

سب نے اس کی بات اور بات کرنے کے انداز پر قہقہہ لگایا......

سب اندر گھس گئیں......

کمرہ واقعی دید کے قابل تھا۔ سنہرا سا غبار تھا جو سرخیوں میں گھل مل گیا تھا۔ دیواریں رنگ رنگ پھولوں سے بھری تھیں۔ چھت سے زرتار لڑیاں پورے کمرے میں لٹک کر ہلکورے لے رہی تھیں چھپر کھٹ پر پھول ہی پھول تھے سنہرے سرخی مائل غبار میں پھولوں کی مہک کنوارے سپنوں کی طرح بچی تھی......

"واہ واہ" سارا نے کمرے کی آرائش و زیبائش دیکھ کر کہا!

"ادھر تو دیکھو" حنا نے سب کو متوجہ کیا

"یہ قالین سے بیڈ تک پھولوں کا راستہ۔"

"واقعی......"

"ہائے ہائے ہم نے تو پہلے دیکھے ہی نہیں۔ اندر آتے ہی کتنے پھول مسل ڈالے۔"

سارہ نے ادھر ادھر بکھر جانے اور پاؤں سے لگ لگ کر قالین پر منتشر ہونے والے پھولوں کو ٹھیک طرح سجا دیا......

ہما شوخی میں آئی تھی۔ بڑے عریاں مزاق کرنے لگی۔ زکیہ سارہ رفیعہ اور حنا کے ہنستے ہنستے پیٹوں میں بل پڑ گئے......

"بھئی اب بس کرو یہ کمرہ ہمارے لئے تو نہیں۔" سارہ نے کہا۔

"اس بیچاری کو تو لاؤ جو دل میں خدا جانے اس گھر والوں کو کس کس طرح کوس رہی ہوگی۔"

"واقعی۔"

"تم بلاؤ زکیہ ساتھ رفیعہ کو لے جاؤ۔"

دونوں کمرے سے نکل گئیں۔ ہما سارہ اور حنا کمرے کی آرائش و زیبائش کو دیکھ دیکھ کے شعیب کے شوق اور جوش مسرت کا اندازہ کرنے لگیں......

ہما نے مذاق کیا تینوں کے ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا......

اسی اثنا میں زکیہ اور رفیعہ دلہن کو سہارا دیئے لے آئیں۔ دلہن واقعی بے حال ہو رہی تھی اتنا بھاری جوڑا اس پر سرتاپا زیور سے لدی پھندی تین چار گھنٹے سے صوفے پر اکڑی بیٹھی تھی۔

ہما نے دلہن کو بھی چھیڑا۔ "کوئی بات نہیں نازیہ رانی یہ وقت سب پر ہی آتا ہے ایسا خوبصورت اور جوان شہزادہ ابھی تمہیں ملے گا ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

"دور ہو جائے گی یا اور" زکیہ نے آنکھیں نچاتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا سب کھی کھی کر کے دانت نکال رہی تھیں۔

لیکن

دلہن پتھرائے ہوئے انداز میں تھی۔ چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ خواتین ایک دوسرے کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کرنے لگیں۔

انہوں نے دلہن [illegible] بیڈ [illegible] اوپر بٹھانا چاہا۔ لیکن وہ صوفے پر جا بیٹھی ہما نے ہلکا سے قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک ہے شعیب کی ڈیوٹی ہم خواہ مخواہ ہی سنبھال رہے ہیں۔"

سب ہنس دیں۔ دلہن کے چہرے پر اب بھی ہنسی کی رمق نہ تھی۔

زکیہ حنا سے کہنے لگی "بہت تھک گئی ہے اور۔"

اور شاید غصہ بھی آرہا ہے ہم سب پر۔" رفیعہ نے آہستگی سے کہا۔ "ان کی سہاگ رات کے اتنے حسین اور قیمتی لمحے ہم لوگوں نے ضائع کر دیئے ہیں۔"

سارہ نے بھی ہولے سے اثبات میں سر ہلایا......

وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھیں۔ کہ زاہدہ نے چھوٹا سا سوٹ کیس گھر کی ملازمہ پوشی کے ہاتھ اندر بھجوایا......

پوشی دلہن کو دیکھ کر بلائیں لینے لگی۔

"اس میں کیا ہے۔" ہما نے پوچھا......

"دلہن بی بی کے رات کے کپڑے ہیں۔ زاہدہ بی بی نے بھجوائے ہیں۔"

ہما نے سوٹ کیس صوفے کے قریب رکھ دیا اس میں نائٹیٹی ایک پلین جوڑا اور برش چپل وغیرہ تھے......

"چلو بھئی چلیں بہت وقت ہو گیا شعیب کو بلاؤ۔" ہما نے کہا۔

"تم ہی لے کر آؤ اسے" ذکیہ نے کہا۔

ہما کمرے سے باہر نکل گئی اس کے پیچھے باقی سب بھی کمرے میں سے آگئیں......

شعیب کو دوستوں سے پیچھا چھڑانے اور چھیڑ چھاڑ سے محفوظ ہوتے کچھ وقت لگا۔ہما نے زبردستی اسے پکڑ کر گھسیٹا اور باہر لے آئی ......

سارہ فیعہ حنا اور ذکیہ تو جیسے انتظار میں کھڑی تھیں۔ سب اس کے گرد جمع ہو گئیں۔

"لللہ آج تو نرے شہزادے لگ رہے ہو۔"

"شکریہ نوازش۔"

"بھئی بہت رنگ روپ نکلا ہے نظر بددور۔"

"آداب۔ آداب عرض۔"

"دلہن بھی ماشااللہ بیحد پیاری ہے۔"

"واقعی۔"

"چلو ہٹو جیسے جانتے نہیں۔"

"سنا ہے دیکھی تو نہیں۔"

"جھوٹ!"

"خدا قسم۔"

"نہیں مانتے ہم۔"

"بھئی جس کی چاہے قسم لے لو۔"

"واقعی تم نے اسے پہلے نہیں دیکھا۔"

"نہیں اب اجازت دیں جاکر دیکھ لوں۔"

"اب تو دیکھو گے ہی ذرا صبر سے کام لو۔ ساری عمر اب اسے دیکھنا ہے۔ یہ شوق و تجسس ختم ہوجائے گا چند مہینوں میں۔ سب نے قہقہہ لگایا"

"ہماری طرف دیکھو تو عبرت ہوگی ہما نے منہ بنا کر۔"

سب ہنس دیں......

"میاں صاحب کو ہوش ہی نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ہنسی مذاق ہوتا رہا۔

شعیب بے حد خوش تھا آنکھوں میں نشہ ڈول رہا تھا جسم لہرا رہا تھا......

سب اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ ہما بھابی تو بہت ہی بے تکلف تھی بڑے فضول اور بکواس سے مذاق بھی کر رہی تھی......

شعیب کا چہرہ کبھی اس کی باتوں سے دمک اٹھتا اور کبھی شرم سے لال لال ہوجاتا......

دس منٹ اور گزر گئے شعیب نے گھڑی دیکھی بارہ بجنے والے تھے......

"اللہ اللہ یہ بے تابی۔" ذکیہ نے آوازہ کسا۔

"اب آپ جان چھوڑیں گی یا۔" شعیب نے حنا کے کندھے پر ہاتھ مارا......

"چلو بھئی چھٹی دو اسے اب۔" ذکیہ نے کہا۔

"چھوڑ آئیں کمرے تک۔" ہما پوچھا۔

"جی نہیں شکریہ۔"

"بیوی کے لئے پریزنٹ کیا لیا ہے۔"

"صبح وہ دکھا دے گی آپ کو۔"

"شعیب نے ہنستے ہوئے کہا۔"

پھر سب کو شب بخیر کہا۔ سب نے خلوص دل سے اسے ازدواجی مسرتوں کی دعا دی......

وہ اپنی سنہری کمخواب کی شیروانی کے گلے کے بٹن کھولتے ہوئے سب پر مسکراتی نظریں ڈالتا اندر چلا گیا......

اور وہ سب بھی شعیب کے شوق و مستی کی باتیں کرتی لاؤنج میں آگئیں......

شعیب نے دھک دھک کرتے دل۔ اور ابلتے مچلتے جذبات کو بمشکل قابو میں کئے۔اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا ہی تھا۔ کہ بھابیوں کا ملا جلا قہقہہ کانوں میں پڑا فوری طور پر گھوم کر اس نے دروازہ بند کرکے لاک کیا اور اضافی چٹخنی بھی چڑھا دی......

پھوٹ پھوٹ پڑتی مسکراتوں کو ہونٹوں میں چھپائے آنکھوں میں طوفانی اور جذباتی ولولے لئے وہ مڑا......

دلہن بیڈ پر نہیں تھی......

اس کی نگاہ پلٹی......

اس نے دیکھا۔

دیوار کے ساتھ لگے صوفے پر وہ بیٹھی تھی......

لیکن۔ لیکن۔

شعیب کا دل ایک لمحے کو بجھ سا گیا۔ روایتی دلہنوں والی وہاں کوئی بات نہ تھی۔ شرگیں جھکی جھکی نگاہیں اور حیا آلود نمی بسے چہرے کو گھونگھٹ کی اوٹ سے زبردستی شوخی اور کھینچا تانی سے دیکھنے کا تصور بے موت مر گیا......

وہ ہلکے پیلے رنگ کے بالکل سادہ سے جوڑے میں بیٹھی تھی۔ عروسی جوڑا چھوٹے صوفے پر پڑا تھا اور سارے زیورات میز پر ڈھیر تھے۔ اس نے تو شاید میک اپ بھی اتار دیا تھا اسی لئے تو چہرے پر کھنڈی زردی اور سپید پڑتے ہونٹ نمایاں تھے۔ اس نے شعیب کو دیکھا آنکھیں چوپٹ کھلی تھیں۔ اس کا دل شاید بے حد تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ یہ دھڑکن قمیض میں ہلکا سا زیروبم بھی پیدا کر رہی تھی......

شعیب کا شوق تو بے موت مر گیا پھر بھی وہ مسکراہٹیں بکھیرتا آگے بڑھا......

لیکن۔

اس کے صوفے کے قریب پہنچتے ہی وہ خوف سے زرد سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا وجود کانپ رہا تھا اور وہ اپنے خشک ہونٹوں کو دانتوں سے مسلسل کاٹے جا رہی تھی......

شعیب حیرت زدہ سا اسے تکنے لگا اک لحہ کو اسے یوں لگا۔ جیسے وہ کسی چٹان تلے کھڑا ہے اور اوپر سے ہزاروں من وزنی پتھر لڑھکتا ہوا آ رہا ہے۔ یہ پتھر عین اس کے سر پر گرنے والا ہے۔ کوئی بہت بڑی بات ضرور تھی......

گھبرا کر اس نے صوفے کی پشت کو تھام کر سہارا لیا......

"کیا بات ہے" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا......

اور

جو

بات تھی

وہ جب نازیہ نے بتائی......

تو

شعیب کو یوں لگا جیسے وہ منوں وزنی پتھر عین اس کے سر پر آن کر گرا ہے۔ اس کی

آنکھوں میں سائے سے لہرائے دل اچھل کر حلق میں آ گیا......

کئی لمحے......

اسے ہوش نہ آیا......

☆ ☆ ☆

وہ رات بڑی بھیانک اور خوفناک تھی۔ بڑے زوروں کا طوفان آیا تھا۔ زمین تا آسمان ساری فضا دھول اور مٹی سے بھر گئی تھی۔ کھڑکیوں دروازوں کے کواڑ بج بج کر کئی شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ کئے گھروں کی بالائی منزلوں کے پردے گر گئے تھے۔ چھوٹی موٹی جھونپڑی نما کوٹھڑیاں اور گھر تو چھپروں سے محروم ہو گئے تھے۔ بڑے بڑے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے تھے۔ پھیلی بیلیں ایک دوسرے میں الجھ گئی تھیں - اور پھلدار درختوں کے کچے پھل پھول تو جھڑ ہی گئے تھے....۔

طوفان قدرے تھما تو زوروں کی بارش اتر آئی۔ چیختے چنگھاڑتے سیاہ بادل آسمان پر مست ہاتھیوں کی طرح دندناتے پھر رہے تھے۔ بجلیوں کے خنجر ان کے سینے میں پیوست ہوتے تو خوفناک سی گڑگڑاہٹ جیسے چیخوں کی صورت فضا کو تھرا دیتی....۔

ان دنوں شعیب ایف ایس سی کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے ابو کو بہت شوق تھا کہ ایک اکلوتا بیٹا ڈاکٹر بنے....۔

"بھئی آخری عمر میں ہمیں کوئی نہ کوئی بیماری تو گھیرے ہی گی۔ اپنا بیٹا ڈاکٹر ہوگا تو ڈاکٹروں کی بھاری بھاری فیسوں کی بچت ہوجائے گی۔ "وہ ہنس کر کہتے....۔

"تو کیا صرف اپنے لئے اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں ابو جی۔" زاہدہ جو ان دنوں بی اے کر چکی تھی کہتی....۔

"ایک پنتھ دو" کاج وہ خوش دلی سے جواب دیتے "ڈاکٹروں کی بہت کمائی ہے آج کل۔ بیٹا پیسے بھی کمائے گا اور ماں باپ کا علاج بھی کرے گا۔"

"گویا ماں باپ نے بیمار ضروری ہونا ہے۔" ماں جی پیار سے بیٹے کو دیکھ کر کہتیں....۔

"تمہارے سانس کچھ زیادہ ہی ہیں۔" حسیب احمد اپنی دبلی پتلی بیگم کو دیکھ کر مذاق کرتے ....۔

"اللہ نہ کرے وہ بھی مسکرا کر کہتیں۔"

"پھر کچھ جان بناؤ اپنی .... سوکھتی جارہی ہو دن بدن۔" وہ چھیڑتے ....۔

"موٹی تازی کب تھی۔ ہاں اپنا خیال رکھا کریں۔"

"ماشاءاللہ آپ تو ابھی تازہ دم ہیں۔ نیک بخت اتنی عمر میں ایسا صحت مند آدمی دیکھا ہے کوئی۔"

"اب اتنی بھی تو عمر نہیں آپ کی ابو جی۔" زاہدہ اپنے گورے چٹے مضبوط جسم اور چھ فٹ قد کے باپ کو پیار سے دیکھ کر کہتی۔

"ساٹھا پاٹھا ہو رہا ہوں۔"

"اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"تمہاری ماں کی نظر لگ جائے۔ باقی خیر خیریت ہے۔"

"میری نظر نہیں لگتی۔"

"نہ ہی لگے۔"

"اتنی مدت ہوگئی شادی کو کبھی لگی نظر....۔"

"لگی تو نہیں اب نہ لگ جائے۔ اسی لئے تو چاہتا ہوں شعیب ڈاکٹر بن جائے نظر بد لگے۔ بیمار ہوئے۔ سنبھال تو لے گا۔"

"جی بالکل۔ ماں جی مسکرا دیتیں۔"

حسیب احمد اور زہرہ بیگم کوئی چالیس سال پہلے ازدواجی بندھن میں جکڑے گئے تھے۔ متوسط طبقے کے لوگ تھے۔ حسیب احمد کی ہارڈویر کی دکان تھی۔ گزر اچھی ہوتی تھی گھر اپنا تھ۔ ایہ گھر جہاں اب نئی کوٹھی کی عمارت شعیب نے اٹھائی تھی۔ انہی کا تھا یہ پرانے طرز کی کوٹھی تھی۔ جس کے چاروں طرف کنال کنال بھر کے چمن تھے۔ یہ وراثت میں ملی تھی۔ لیکن ٹوٹی پھوٹی تھی۔ بیشمار کمرے تھے۔ جن میں سے بہت سے اکثر بند کر دیئے گئے تھے۔ حسیب احمد کے دادا اپنے وقت کے بہت بڑے آدمی تھے۔ چونکہ ان کے دو ہی بیٹے تھے۔ اس لئے جائداد بٹی تو ہر بیٹے کو کافی جائداد حصے آئی لیکن حسیب احمد کے تین بھائی اور ایک بہن تھی اس لئے بٹوارے میں یہی کوٹھی ان کو ملی باپ چونکہ کم عمری ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ اس لئے اور دکان کھول لی۔

دکان سے اتنی آمدنی ضرور ہوجاتی تھی کہ سفید پوشی کا بھرم رکھا جا سکتا لیکن اتنی نہیں تھی کہ دادا کی سی شان و شوکت ہوتی اس معیار کو قائم رکھ سکتے۔ اسی لئے دل میں اک کڑی سی خواہش تھی کہ جو کام ان سے نہیں ہو سکا ان کا بیٹا انجام دے....۔

تعلیم کی اہمیت ان پر واضح تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ معیار زندگی بلند کرکے جو طمانیت حاصل ہوتی تھی۔ اس کے وہ شدت سے خواہاں تھے۔ اسی لئے وہ شعیب پر امیدیں لگائے تھے....۔

شعیب جو انکا ایک اکلوتا سا بیٹا اور تقریباً بڑھاپے کی اولاد تھا۔ یوں تو ان کے آٹھ اولادیں ہوئی تھیں۔ لیکن پانچ بچے پیدا ہوتے ہی چل بسے اس کے بعد زہرہ ایک طویل عرصہ بیمار رہیں اور پھر بڑی منتوں مرادوں کے بعد اولاد کا منہ دیکھنا نصیب ہوا....۔

زاہدہ سے تین سال چھوٹی شاہدہ اور اس سے تین سال چھوٹا شعیب تھا۔ شعیب کا لاڈلا ہونا فطری امر تھا....۔

لیکن

اس لاڈ پیار نے اسے بگاڑا نہیں تھا۔ وہ اپنے ابو کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود ہی کوشاں تھا۔ یہ ٹوٹی پھوٹی پرانی کوٹھی جس کے کئی حصے مرمت اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے گرتے جا رہے تھے۔ اس کی نظر میں تھی وہ اس کوٹھی کی شان کے قصیدے بچپن سے سنتا چلا آرہا تھا۔ ابو کے دادا کے زمانے میں یہ کوٹھی لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز تھی اس کے ابو اس کوٹھی کی پھر ویسی شان دیکھنا چاہتے تھے....۔

اور

ان کی یہ خواہش شیبی کی بھی دلی خواہش بنتی جا رہی تھی....۔

اسی لئے وہ اپنی پڑھائی کی طرف پوری پوری توجہ دے رہا تھا....۔

میڈیکل کالج میں داخلہ کے لئے یہ آخری معرکہ تھا۔ ایف ایس سی میں اسے پوزیشن لینا تھی....۔

لیکن

اس کی سوچوں اور تقدیر کی سوچوں میں مطابقت نہ تھی۔ کاتب تقدیر نے کچھ اور ہی لکھ رکھا تھا۔ ہمت اور کوشش کی طنابیں بیشک انسان کی ہاتھ میں ہیں۔ لیکن تقدیر کی طنابوں پر قابو پانے سے وہ قاصر ہے۔ بعض اوقات غیر متوقع طور پر تقدیر اتنی مہربان ہو جاتی ہے کہ یقین کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اور بعض طور پر تقدیر اتنی نامہربان اور ایسی ظالم بن جاتی ہے۔ کہ سوچیں بکھر جاتی ہیں۔ اور عقل انسانی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے....۔

وہ ہیبت ناک سی رات تقدیر کے ایسے ہی ستم کے نشانے کی رات تھی شعیب اوپر و[illegible] منزل میں اپنے کمرے میں لیٹا تھا طوفان رعد برق سے برقی روشنی چلی گئی تھی اس ۔

کتابیں سرہانے رکھ دی تھیں۔ روشنی نہ جاتی تو اک دو بجے تک اس نے پڑھتے رہنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بجلی کو کوس رہا تھا۔ کہ ابو لالٹین لئے اوپر آگئے۔

"شعیب بیٹے۔" انہوں نے کمرے میں آتے ہی پکارا....۔

"جی ابو....۔"

"سونے لگے ہو۔"

"بہت پڑھنا تھا ابو لائٹ چلی گئی۔"

"لالٹین سے کام چلے گا۔"

"مشکل ہی ہے۔"

وہ بستر میں اٹھ بیٹھا۔ ابو نے لالٹین میز پر رکھ دی۔ شعیب بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مسکرایا "ابو جی آپ کو میری پڑھائی کا فکر کچھ زیادہ ہی ہے۔"

"وہ کیسے۔"

"بتی بند ہوئی تو فوراً لالٹین لے آئے آپ۔"

"پگلے یہ تو اس لئے لایا ہوں کہ تو اندھیرے میں ڈر نہ جائے بہت خوفناک سا موسم ہے۔ تمہاری ماں تو کہہ رہی ہے نیچے ہی آجاؤ۔"

"نہیں ابو جی میں ڈرپوک تھوڑا ہی ہوں۔"

"ماں کا لاڈلا ہے نا۔ وہ کہہ رہی ہے ۔ تو ڈر رہا ہوگا۔"

ماں کے لئے شعیب کے سینے میں عقیدت و احترام کے جزبات موجزن تھے۔ ابو بھی اسے بہت پیارے تھے....۔

"ابو جی اب میں بڑا ہوگیا ہوں۔ آپ مجھے بچہ ہی سمجھتے ہیں۔"

"ماں باپ کے لئے بچے بچے ہی رہتے ہیں۔ خواہ بوڑھے ہی ہوجائیں۔"

ابو نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا پھر بولے۔ "لیٹ جا بتی تو اب رات بھر نہیں آنے کی۔"

"آپ بھی آرام کیجئے نا امی نے خواہ مخواہ آپ کو بستر سے نکال کر اوپر بھیجا۔"

حسیب احمد نے دیواروں اور چھت کو دیکھا پھر بولے "پرانی بلڈنگ ہے اوپر کا حصہ تو قابل اعتماد بھی نہیں رہا۔ اسی لئے تمہاری ماں کہتی تھی تم نیچے ہی چلے آؤ۔"

"ٹھیک ٹھاک ہے ابو ۔" شعیب نے بھی چھت اور دیواروں پر نگاہ ڈالی۔ جن کی قلعی جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھی۔ چھت کی کئی لکڑیاں بھی کرم خوردہ تھیں۔ اور کہیں کہیں

دیواروں میں پانی بھر رس آیا تھا۔

"ٹھیک ٹھاک تو نہیں لگتا ہے۔ ان بارشوں میں اس کمرے کو بھی تالا ڈالنا پڑے گا۔"

شعیب کچھ نہیں بولا.....

وہ خود ہی بڑ بڑائے۔" مرمت کی تو ہمت نہیں۔ دکھ بھی ہوتا ہے کہ ایسی عظیم الشان کوٹھی گرتی چلی جارہی ہے۔"

ابو کی غمزدہ سی ٹوٹی آواز شعیب کے دل میں نشتر کی طرح اتر گئی۔ وہ بستر سے نکل کر ابو کے برابر کھڑا ہوگیا۔ ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بڑے لاڈ سے بولا۔" ابو جی آپ کا یہ بیٹا ایک شاندار کوٹھی کی عمارت اٹھائے گا۔"

"وہ مسکرا دیئے۔ سر آہستگی سے دو تین بار ہلایا اللہ کرے گا میرے بچے میری دلی خواہش ہے۔ میں زندہ نہ بھی رہا تو بھی اس کوٹھی کو ضرور .ضرور۔"

" خدا آپ کو زندہ رکھے گا۔" شعیب نے بڑے یقین سے کہا۔" انشاء اللہ آپ سب کچھ دیکھیں گے بس پانچ دس سال کی پھیر ہے۔"

انہوں نے پھر اسی انداز میں سر ہلایا.....

بجلی کہیں زور سے چمکی۔ اور چند لمحوں بعد دل ہلا دینے والی گڑگڑاہٹ ہوئی.....

"ابو آپ جا کر سو جائیں رات کافی گزر گئی ہے۔"

"اس موسم نے میری تو نیند اچاٹ کر دی ہے۔ تیری ماں تو گھوڑے بیچ کر سو گئی ہے۔ مجھے حکم دیا کہ لالٹین تمہیں دے آؤں اچھا تمہیں بھی نیند آرہی ہو گا تا چلتا ہوں میں تو سو جا۔"

شعیب نے ابو کی طرف دیکھا انہوں نے نیچے جانے کے لئے قدم اٹھایا.....

لیکن

قدم آگے نہیں اٹھا.....

وہ چند لمحوں کے لئے چپ کھڑے رہے .....

"ابو!" شعیب ان کے قریب آکر بولا .....

"ہوں۔"

"کیا بات ہے ابو۔"

" کچھ نہیں ۔ پتہ نہیں کیا ہوا چکر سا آیا نہیں چکر بھی نہیں آیا۔"

شعیب نے جلدی سے ابو کو پکڑ لیا ان کا ہاتھ نم آلود سا لگا۔ انہیں چھوڑ کر جلدی سے

میز سے لالٹین اٹھائی اور ان کی چہرے کے برابر کرتے ہوئے بولا۔" آپ کو پسینے آرہے ہیں۔"

"ہاں پتہ نہیں کیوں۔"

"آیئے اوپر بیٹھ جایئے۔"

"نہیں میں چل کر بستر میں لیٹتا ہوں۔"

"آیئے میں نیچے لے چلوں۔"

"نہیں نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک ہوں خود ہی چلا جاؤں گا۔"

وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھے۔ اور وہاں سے نکل کر زینے کی طرف آئے چوبی جنگلے کو پکڑ کر وہ پھر اسی انداز میں رکے شعیب لالٹین لئے دوڑا آیا.....

"پھر کچھ۔"

انہوں اثبات میں سر ہلایا شعیب گھبرا گیا.....

چند لمحوں بعد انہوں نے زینے پر قدم رکھا۔" تم سو جاؤ بیٹے رات بڑی بھیانک ہے ڈرتے ہو تو نیچے ہی آجاؤ۔"

انہوں نے زینہ اترتے اترتے شعیب سے کہا.....

"آپ کی طبیعت خراب لگتی ہے ابو۔"

"نہیں بھئی ٹھیک ہوں۔ دو تین دن سے جانے کیا ہو رہا ہے۔"

"دو تین دن سے ؟"

"ہاں یہاں کچھ ہوتا ہے۔" انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

شعیب کا دل دھک سے رہ گیا بے تابی سے بولا" دو تین دن سے ؟ اور آپ نے کسی کو بتایا نہیں ڈاکٹر کو ہی دکھا دیتے۔"

انہوں نے ہلکا سے قہقہہ لگایا" چھوٹی موٹی تکلیف کی میں پرواہ نہیں کرتا۔ تیرے ڈاکٹر بننے تک شاید کوئی بڑی بیماری پال لوں آخر تجھ سے علاج بھی تو کروانا ہے۔ بیماری نہ پالی تو علاج کس کا کرو گے۔"

شعیب گھبرا کر ان کا چہرہ تک رہا تھا۔ لالٹین کی روشنی میں بھی ان کے چہرے کی بدلی رنگت اور پیشانی پر چمکتا پسینہ نظر آرہا تھا.....

"ابو ۔" اس نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا ہاتھ جو پسینے سے گیلا ہو رہا تھا۔"

اس نے جلدی سے ابو کو بازو کا سہارا دیا۔ دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی بڑی مشکل

سے وہ ابو کو ان کے کمرے تک لایا امی واقعی بے خبر سو رہی تھیں....۔
بستر میں لٹا کر اس نے لالٹین سرہانے والی میز پر رکھ دی پھر جلدی سے ابو پر جھکا ان کی آنکھیں بند تھیں اور حلق سے آوازیں نکل رہی تھی۔ جسے خراٹے لے رہے ہوں۔
وہ بے حد نروس ہو گیا۔ لیٹتے ہی ابو کو اتنی گہری نیند آگئی؟ گھبرا کر اس نے انہیں زور سے پکارا۔ "ابو جی ۔"

اس کی چیخ نما آواز سن کر ماں جی بھی اٹھ بیٹھیں۔ آنکھیں ملتے ہوئے شعیب کو دیکھا۔

"کیوں شعیب؟"

شعیب نے باپ کا جواب نہ پاکر جلدی سے ان کا کندھا ہلا دیا ان پر جھک گیا۔ "ابو جی .... ابو .... ابو ....۔"

"کیا کر رہا ہے ۔" ماں کی نیند پوری طرح نہیں ٹوٹی تھی ۔ وہ قدری بیزاری سی بولیں ....۔

"ابو جی ابو جی" وہ انہیں جھنجھوڑے جا رہا تھا۔ ماں جی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے باپ بیٹے کو دیکھا۔ حقیقت کا احساس ہوتے ہی تھر تھر کانپنے لگیں....۔
"انہیں انہیں کیا وہ جملہ پورا نہ کر سکیں انکے پلنگ کی پٹی پر آبیٹھیں جھک کر ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پسینہ جیسے بہہ رہا تھا۔ انہوں نے بھی دوسرا کندھا ہلایا۔
جواب نہیں ملا۔ تو انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا" بے ہوش ہیں گر تو نہیں گئے تھے .... تمہیں لالٹین دینے۔"

"ماں" شعیب چلایا۔" ابو .... بس ....۔ ہیں .... ابو ....۔

ماں جی چیخیں....۔

اور

ماں بیٹے کی چیخیں سن کر زاہدہ شاہدہ ننگے سر ننگے پاؤں بستروں سے نکل بھاگیں کسی کو کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ کیا ہوا ہے....۔
"ڈاکٹر بلاؤ ڈاکٹر لاؤ۔" ماں جی بے ساختہ چلائیں اور شعیب ڈاکٹر لانے کو اٹھ دوڑا۔
اس نے سائیکل باہر نکالی بارش اب بھی پڑ رہی تھی۔ ہوائیں طوفانی تھیں ۔ گرج چمک سے دل دہلا جاتا تھا۔
لیکن

اس نے پیڈل پر پیر رکھا اور کوٹھی کی اینٹوں والی خاصی لمبی سڑک عبور کر کے بیرونی سڑک پر آگیا جہاں پانی ندی کی صورت بہہ رہا تھا۔
گھبراہٹ میں اسے کچھ سوجھ بوجھ نہ رہا تھا کہ کیا۔ کرے تایا جان اور ماموں جان کا گھر یہاں سے میل بھر دور تھا۔ قریب کوئی ڈاکٹر نہ تھا۔ اس وقت تو اسے ہواؤں کے دوش پر اڑ کر ڈاکٹر لانے کی ضرورت تھی۔ سائیکل تو اتنے پانی میں چل ہی نہ رہی تھی....۔
کوئی سو گز پر جا کر وہ رک گیا یہاں اک نئی کوٹھی تعمیر ہوئی تھی۔ اور اس کی پورچ میں اس نے اکثر گاڑی کھڑی دیکھی تھی....۔
وہ تیزی سے اس کوٹھی کیطرف بڑھا۔ بتی بند ہونے کی وجہ سے بیل نہ ہو سکتی تھی۔ وہ بند گیٹ کو چند لمحے تکتا رہا۔ بجلی جب چمکتی تو گاڑی نظر آجاتی۔ وہ سائیکل زمین پر گرا کر گیٹ پر چڑھا تیزی سے اندر گیا۔ اور اندرونی دروازوں کیطرف بڑھا....۔
سائیڈ والی گلی میں جو چوڑی کھڑکی تھی۔ اسے اس نے زور زور سے پیٹ ڈالا کئی لمحے پیٹتا رہا....۔

پھر اندر کچھ ہلچل ہوئی شاید نیند سے بیدار ہونے والے ڈر گئے تھے۔ وہ دیوانہ وار کھڑکی کی پیٹے گیا....۔
کچھ دیر بعد کسی نے کھڑکی کا پٹ کھولا اور جالی کے اندر سے بولا "کون ہے۔"
شعیب نے ایک ہی سانس میں اپنی روئیداد سنا ڈالی خدا کے لئے میرے ابو کی جان بچا لیجئے۔ آپ کے پاس گاڑی ہے۔ کسی ڈاکٹر کو جلدی سے بلا دیجئے۔ یا انہیں ہوسپٹل پہنچا دیجئے۔"

"تم ہو کون۔" اندر سے آواز آئی....۔
شعیب گھبراہٹ اور آنسوؤں سے بھر آئی آواز میں بولا ۔ "میں شعیب ہوں وہ جو سڑک کے اس پار پرانی کوٹھی ہے ہم اس میں رہتے ہیں وہ ہماری ہے۔"
ایک دم بجلی زور سے چمکی۔ شعیب نے آستین سے پانی اور آنسو جو مسلسل بہہ رہے تھے پونچھے....۔
اندر والوں کو اس کی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ شاید کچھ پس و پیش کے بعد انہوں نے ٹارچ جلائی اور دروازے کی طرف بڑھے....۔
ان کی ہچکچاہٹ اپنی جگہ صحیح تھی۔ لیکن شعیب کی تو جان پر بنی تھی۔ جانے کیا کچھ کہے جا رہا تھا۔ منتیں کئے جا رہا تھا۔ گاڑی اس وقت کتنی بڑی ضرورت تھی اسے شدید احساس ہو رہا تھا۔

"میں کچھ نہ کر سکا ابوجی! میں کچھ نہ کر سکا- آپ کے لئے ڈاکٹر بھی نہ لا سکا آپ نے انتظار ہی نہ کیا....-"

باپ کے سینے سے لپٹ لپٹ کر شعیب نالہ و شیون سے دوسروں کے دل بھی دہلا رہا تھا- گاڑی والے لوگ ڈاکٹر لے کر آ بھی گئے تھے- لیکن حبیب احمد ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے- دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا- جس بیماری کو بیٹے کے ڈاکٹر بننے کے انتظار میں پال رہے تھے- اس نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ بیٹا ڈاکٹر ہی کو لے آتا....-

زاہدہ اور شاہدہ پچھاڑیں کھا رہی تھیں- زہرہ بیگم پر تو سکتے کی سی کیفیت تھی- رشتہ دار عزیز جمع ہو گئے تھے- کمرہ لوگوں سے بھر گیا تھا- اس اچانک افتاد پر آنسو کوئی بہا رہا تھا- کوئی تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہا تھا- کوئی سینہ پیٹ رہا تھا- تو کسی نے گھمبیری چپ سادھ لی تھی....-

انسان اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اظہار جن جن طریق سے ممکن تھا کر رہا تھا....-

حبیب احمد بھرے پرے کنبے قبیلے کے فرد تھے- عادت اچھی تھی ملنسار بھی تھے- سب کی خوشی غمی میں ہمیشہ شریک ہوتے تھے- اس لئے ان کی اچانک موت کی خبر جس نے بھی سنی دوڑا چلا آیا- اپنے تو اپنے غیر بھی دلوں میں درد کی لہریں اٹھتی محسوس کر رہے تھے- زاہدہ شاہدہ اور شعیب کو دیکھ دیکھ دل مسلے جا رہے تھے سولہ سترہ برس کے شعیب کے سر پر آن پڑنے والی بھاری اور کڑی ذمہ داری کا سب کو احساس تھا- دن نکلنے تک سارا خاندان جمع ہو گیا تھا....-

"خدا کو یہی منظور تھا-" لوگ سر جوڑے کہہ رہے تھے....-

"وہی حافظ و ناصر ہے-" حبیب احمد کے پسماندگان کی باتیں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے....-

"پر بیچارے بچے پر افتاد بہت بڑی آن پڑی ہے-"

"زہرہ بیچاری تو پہلے ہی اتنی ناتواں سی ہے-"

"حبیب احمد نے سارا بار اپنے کندھوں پر ہی اٹھایا ہوا تھا- بیوی بچوں کو تو پتہ ہی نہ تھا- کہاں کہاں سے آتا ہے- بزنس بھی تو کوئی خاص نہیں ابھرا تھا-"

"ہاں سفید پوشی کا بھرم تو نبھ رہا تھا- زہرہ بیگم یا ان کے بچے خاندان والوں سے کسی طرح کم حیثیت کے کبھی نظر نہ آئے-"

"یہ زہرہ بیگم کا حسن نظام تھا- بھرم انہوں نے ہی بنا رکھا تھا- بچوں کو اچھا پہنایا اچھا کھلایا آئے گئے کی خاطر مدارات میں کبھی کمی نہ کی- خود بھی جہاں گئیں جس سے ملیں آن بان قائم رکھی-"

"اب کیا ہوگا ان کا....-"

"اللہ مالک ہے-"

"زاہدہ ہی کی شادی کر گئے ہوتے-"

"پتہ نہیں بات طے ہوئی تھی یا نہیں-"

"نہیں ہوئی تو اب ہو جائیگی بہن بھائیوں میں تکلف کیسا قمر حبیب احمد کی بہن ہے بھتیجی کو گلے لگانے کی تو اب ضرورت ہے-"

"گھر بار بھی اچھا ہے- لڑکا انجینیئر بن گیا ہے- سنا ہے ابو ظہبی میں اس کے چچا ملازمت دلانے کی کوشش کر رہے ہیں-"

"سنا ہے"

"اور کیا چاہیے اتنی بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں باہر کے ملکوں میں-"

"رشتہ ہو ہی جائے گا-"

"گھر کی بات نکاح پڑھوادیں بس- جہیز کی چکروں میں پڑیں ہی نہ-"

"یہ بات تو نہیں نا ہو سکتی- اپنے کنبے برادری کا پتہ نہیں تمہیں-"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب ان کے حالات-"

میت کو غسل دے کر کفنایا جا رہا تھا- رشتے برادری کی عورتیں ٹولیوں میں بٹی بیٹھی تھیں- باتیں ہو رہی تھیں- قیافے لگائے جا رہے تھے- باتوں کا سلسلہ ایک دم رک گیا- کفنانے کے بعد پھولوں سے لدی میت آخری دیدار کے لئے برآمدے میں رکھ دی گئی تھی- پھولوں کی مہک میں عود و لوبان کی ماتمی خوشبو رچ گئی تھی- کافور کی باس پھیل رہی تھی-

لوگ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے حبیب احمد کے چہرے پر نگاہ ڈال رہے تھے- جو

بچوں کی چیخ و پکار بیوی کی تڑپ اور عزیزواقارب کے بے اختیار بہتے آنسوؤں سے لاتعلق مالک حقیقی سے تعلق کی ڈوریاں جوڑے مسکراتے دکھائی دے رہے تھے....۔

جنازہ اٹھا تو ایک قیامت بپا ہوگئی۔ کہرام مچ گیا۔ بچھڑنے کا یہ منظر اتنا رقت انگیز تھا کہ اپنے پرایوں کی آنکھیں نم تھیں....۔

کئی دن گھر میں ہنگامے کی سی صورت رہی۔ زاہدہ روتے روتے بے ہوش ہو گئی ہے۔ تو شاہدہ نے رونا دھونا شروع کر دیا ہے۔ اسے چپ کرانے کی کوشش کارگر ہوئی ہے۔ تو شعیب دھاڑیں مار مار کر رونے لگا ہے۔ عزیزواقارب بچوں کو پیار کرتے فاتحہ پڑھتے پسماندگان کو صبر کی تلقین کرتے....۔

لیکن

صبر کی تلقین کرنے والوں کی باتوں سے تو صبر اور بے صبر ہو جاتا ہے۔ اس کا مداوا تو وقت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وقت جو کاری سے کاری زخموں کو بھی بڑی پرکاری سے بھر دیتا ہے۔ یہ صدمہ تو الاؤ کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں پوری تنومندی سے ایندھن جل رہا ہوتا ہے۔ اس کی تپش سے فرار ممکن نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ یہ ایندھن خود ہی جل جل کر راکھ ہوتا جاتا ہے۔ تپش کم ہوتی جاتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ جب راکھ میں دبی چنگاریاں بھی بجھ جاتی ہیں۔ تو تپش بھی بجھ جاتی ہے۔ صرف اور صرف الاؤ میں جلنے والی آگ اپنا نشان چھوڑ دیتی ہے۔ اس نشان پر جب نگاہ پڑے تو تپش اور جلن کا احساس لمحاتی طور پر ذہن میں جاگ اٹھتا ہے۔

لیکن یہ وقت کے دھارے پر بہتا ہوا ایک طویل بھی ہے صبروضبط کی تلقین اسی لئے تو بے کار ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو صبروضبط کی تلقین سے صبروضبط کے بند ٹوٹ جاتے ہیں

چالیسویں کے بعد جب رشتہ دار زہرہ بیگم اور بچوں کو اللہ کے حوالے کرکے اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے....۔

تو شعیب تایا ابو سے لپٹ گیا۔" ہمارے سروں پر ہمیشہ ہاتھ رکھئے گا تایا ابو۔ ہم بے سہارا ہیں آپ کا اخلاقی سہارا ہمارے لئے کافی ہوگا۔"

تایا ابو نے اسے لپٹا لیا۔ آنسو ان کا چہرہ تر کرنے لگے۔ کمرے میں جتنے لوگ بھی تھے۔ آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

" بیٹے! خدا وسیلہ ساز ہے۔ اس نے تم سے جو سہارا چھینا ہے۔ اس کا بدل بھی مہیا کر دے گا۔ میں اپنی زندگی میں تو تم پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گا۔ میرا گھر تمہارا گھر ہے۔ تمہاری خبر گیری میرا فرض ہے۔ دل چھوٹا نہ کرو خدا بہتر کرے گا۔" ایسی ہی تسلی و تشفی

ننھیال والوں نے دی۔ حمید ماموں تو بہن کے گھریلو اخراجات کی ذمہ داری بھی لینے پر آمادہ تھے....۔

لیکن زہرہ بڑی غیور تھیں۔ انہیں کچھ ٹھیک سے پتہ نہیں تھا کہ دکان کا اثاثہ کیا ہے اور اس کو اب چلائے گا کون۔ لیکن پھر بھی انہوں نے بھائی کی پیش کش کمال محبت سے مسترد کر دی۔

"تم لوگوں کو اپنے اردگرد محسوس کرنا ہی ہمارے لئے بہت ہے۔ شعیب ابھی چھوٹا ہے اس کی خبرگیری ہی کرتے رہو گے۔ تو تمہاری مہربانی ہوگی۔ باقی مرحوم اتنا ضرور چھوڑ گئے ہیں کہ ان کے پسماندگان کی کفالت ہو سکے۔"

لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ ماں جی نے ان کی ہمدردیاں سمیٹیں لیکن ایک باہمت اور غیور خاتون کی طرح انہوں نے عزم کر لیا کہ اب جو کچھ ہوگا۔ وہ خود ہی اس سے نپٹے گی۔

انہوں نے تو قمر بیگم کو زاہدہ کے رشتے کے لئے بھی اشارہ نہیں کیا۔ کیا عجب کہ بھائی کے مرنے کے بعد ان کی آنکھوں میں وہ خلوص اور مروت نہ رہے....۔

لیکن ایسا نہیں ہوا....۔

تیسرے مہینے ہی قمر بیگم اپنے بڑے بھائی اور بھاوج کو لے کر آگئیں۔ حسیب احمد کو یاد کرکے آنسو بہاتی رہیں۔ پھر آنے کا مدعا بیان کیا۔

کمرے میں یہ سب بزرگ بیٹھے تھے۔ زاہدہ جس کی تقدیر کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ چائے بنانے میں مصروف تھی۔ شاہدہ کمرے کے اردگرد منڈلا رہی تھی۔ اسے پتہ تھا کیا باتیں ہو رہی ہیں جو بات بھی کان میں پڑتی بھاگی آتی اور زاہدہ کے کان میں سرگوشی کر جاتی زاہدہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی....۔

قمر پھپھو کا بیٹا انجم انجانا تو نہیں تھا رشتے کی اڑتی اڑتی بات تو اک عرصے سے اس کے کانوں میں پہنچی ہوئی تھی۔ اس لئے تو اس کو انجم سے خواہ مخواہ شرم آنے لگی تھی اور بھی۔ تو ڈھیر سارے کزن تھی۔ ان سے وہ پوری بے تکلف تھی لیکن انجم سے حجاب آلود سا تکلف خود ہی پیدا ہو گیا تھا....۔

زاہدہ چائے کی ٹرے لئے اندر آگئی۔ تو اس کا جسم کپکپی کی زد میں تھا۔ اس نے جلدی سے ٹرے میز پر رکھ دی۔ واپس مڑنے کو تھی کہ ماں جی نے پکارا....۔

" زاہدہ ۔"

" جی!"

"ادھر بیٹھو میرے پاس۔" پھپھو نے اسے اپنی طرف بلایا.....

زاہدہ بات کی تہہ کو پہنچ گئی تھی۔ ماں جی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

تایا ابو نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔ اور پیار دیتے ہوئے بولے۔ "خدا تمہیں سدا سکھی رکھے۔"

"آمین قمر بولیں۔"

"ماں جی کا دل بھر بھر آرہا تھا۔ جب قمر بیگم نے اپنا بٹوہ کھولتے ہوئے زہرہ بیگم سے پوچھا بھائی اجازت ہے۔"

"بسم اللہ۔" تایا ابو بولے۔ "شگن کر دو قمر بیگم۔ مجھے حسیب احمد ہی کی جگہ سمجھو۔" تایا ابو نے زہرہ کی رضامندی لے لی ہوئی تھی اس لئے بے دھڑک بولے.....

قمر نے بٹوے میں سے سو سو روپے کے پانچ نوٹ نکالے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لے کر زاہدہ کے ہاتھ پر رکھ دیئے.....

"مبارک ہو قمر بیگم۔" تایا ابو بولے "زاہدہ ایسی بیٹی پانا تمہیں مبارک ہو۔"

شاہدہ بھی دروازے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ اور شعیب بھی تایا ابو کے صوفے کے پیچھے کھڑا تھا۔

مبارک سلامت ہوئی۔ تو زہرہ کے بیگم کے صبروضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے سہارا محسوس کیا ہزار جتن کئے لیکن آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے.....

زاہدہ کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس موقع پر ابا کی یاد آنا ہی تھی شاہدہ بھی آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔ دم بھر میں سب ہی کی آنکھیں اشکبار تھیں پھر تایا ابو نے سب کو دلاسہ دیا۔ "یہ خوشی کا موقعہ ہے بی بی دعا کرو بچی ہمیشہ شاد و آباد رہے۔ حسیب احمد ہوتے تو خوشی کا رنگ ہی اور ہوتا۔ پھر بھی صد شکر ہے تمہارے سر سے بہت بڑا بار اتر گیا۔"

انہوں نے زاہدہ کو پیار کیا تو وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ شعیب کیطرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بھی سرخ انگارہ تھیں۔

"میاں کوئی منہ میٹھا تو کراؤ۔ جاؤ بھاگ کر مٹھائی ہی لے آؤ۔" تایا ابو نے شعیب سے کہا۔

"ہاں بیٹے تم ہی جاؤ۔" قمر بولیں اور پھر پیسے نکال کر شعیب کی طرف بڑھائے.....

"نہیں پھپھو میں خود ہی لے آتا ہوں۔" شعیب نے انگلی کی پور سے آنکھوں کے گوشے پونچھے.....

"اے واہ .... مٹھائی تو میں نے منگوائی ہے۔ ابھی تو منہ میٹھا کرنے کے لئے لے آؤ۔ گھر جا کر مٹھائی منگواؤں گی بانٹنے کی لئے۔"

شعیب نے پیسے لے لئے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

قمر نے چینی دان ٹرے سے اٹھایا اور چمچ میں چینی بھر کر بھائی کی طرف بڑھائی "بھائی جان بسم اللہ کیجئے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ آپ نے میری مدد کی مجھے یہ رشتہ دلایا۔"

زہرہ بیگم نے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔ "آپ کی اپنی بچی ہے قمر" اور آپ جانتی ہیں ان کے ابو کی بھی یہی خواہش تھی۔

خدا بھائی جان کو پہلو پہلو جنت نصیب کرے۔ ہمیشہ مجھے یہی کہا کرتے تھے کہ زاہدہ تمہاری ہوئی۔

"چلو شکر ہے ان کی یہ خواہش تو پوری ہوگئی۔"

بڑے باتیں کرنے لگے۔ زاہدہ اٹھ کر باہر آگئی۔ برآمدے ہی میں شاہدہ کھڑی تھی۔ زاہدہ سے لپٹ گئی۔ زاہدہ آپا مبارک ہو۔"

اس نے زاہدہ کو گدگدا کر ہنسانے کی کوشش کی۔
لیکن
اسے ہنسی نہ آئی .... شاہدہ اسے ہنسانے کی کوشش میں خود بھی بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی....

☆ ☆ ☆

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے ۔نیلا آسمان دھندلا گیا تھا اور چمکتے ستاروں کی لو پھیل رہی تھی ۔

بازاروں میں بڑی گہما گہمی تھی ۔روشنیوں کے غبار تھے ۔کاروباری مراکز میں لوگوں کا رش تھا۔ خریداری کے لئے لوگ آجا رہے تھے کچھ فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے تھے ۔

شعیب دکان سے نکلا۔ منشی امیرالدین نے دن بھر کا حساب کتاب اسے دکھایا تھا اور آج کی سیل بھی اس کے حوالے کر دی تھی ۔حبیب احمد کے ساتھ امیرالدین پندرہ سولہ سال سے کام کر رہا تھا۔ آدمی ایماندار تھا لیکن بزنس کی سوجھ بوجھ نہ تھی ۔دکان کی رکھوالی خوب کرتا تھا اور جو گاہک اس نیت سے آئے کہ سامان خرید کر لے جائے گا وہی لے کر جاتا تھا عام طور پر وہ کسی گاہک کو مرعوب و مغلوب نہ کر سکتا تھا ۔

غنیمت تھا کہ ایماندار آدمی تھا اور مالک کے آنکھیں موند جانے کے بعد خود آنکھیں نہ پھیرلی تھیں ۔شعیب اب دکان پر آنے لگا تھا۔ان دنوں وہ سنجیدگی سے دکان میں دلچسپی لینے لگا تھا۔یہ بات امی کو معلوم تھی نہ زاہدہ شاہدہ کو ۔

وہ منشی جی کو صبح کے لئے کچھ ہدایتیں دے کر باہر نکلا ۔بغلی دروازے میں رکھا سائیکل اٹھایا اور گھر کی جانب چل دیا ۔

بازاروں کی رونق اور گہما گہمی سے اسے جیسے کوئی سروکار نہ تھا۔دیر ہو گئی تھی ۔ماں جی کی ڈانٹ اور زاہدہ کے غصے سے ڈر رہا تھا ۔

وہ پر رونق بازاروں سے ہوتا بیرونی سڑک پر آگیا۔اس سڑک پر نسبتاً ٹریفک کم تھی چوڑی سرمئی سڑک کے کنارے کھمبوں پر دودھیا رنگ کی مرکری ٹیوب جل رہی تھیں ۔کبھی کبھی کوئی گاڑی زن سے گزر جاتی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بھی اس وقت بہت کم لوگ تھے ۔

وہ سائیکل پر چلا جا رہا تھا کہ سڑک کے کنارے کھڑی گاڑی پر اس کی نگاہ پڑی اسے پہچانتے دیر نہ لگی ۔وہی گاڑی والے صاحب اور ان کی بیگم تھیں ۔

ابو کے مرنے کے بعد وہ ان سے ملا نہیں تھا۔انہیں دیکھ کر وہ دل ہی دل میں شرمندہ سا بھی ہوا۔ کم از کم ان کا شکریہ ادا کرنے ان کے گھر تو اسے جانا چاہئے تھا۔ بیچارے اس رات جانے کن مشکلوں سے ڈاکٹر کو لائے تھے ۔یقیناً فیس بھی خود ہی دی ہوگی ۔ پھر تین دن دونوں افسوس کے لئے بھی آتے رہے تھے۔

"ہیلو ۔" پچاس پچپن سالہ باوقار سے مرد نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا وہ سائیکل سے اتر کر گاڑی کے قریب آگیا مودبانہ دونوں کو سلام کیا ۔

" ٹھیک ٹھاک ہو نا۔" سلام کا جواب دیتے ہوئے رشید صاحب بولے ۔

" جی شکریہ ۔"

" امی اور بہنیں کیسی ہیں۔" ان کی بیگم نے محبت سے پوچھا ۔"

" اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔" اس نے مودبانہ انداز میں جواب دیا ۔"

" بھئی ۔کیا نام ہے تمہارا۔" رشید صاحب بالوں کو کھجاتے ہوئے مسکرائے ۔"

" شعیب ۔ سب شعیب کہتے ہیں ۔"

" ہم تمہارے قریب ہی رہتے ہیں کبھی آجایا کرو ۔"

" اپنی امی باجیوں سے بھی کہنا" ان کی بیگم نے کہا۔" قریب ہی تو ہیں کبھی آجاکریں ۔"

رشید صاحب مسکرا کر بولے ۔" اصل شعیب ہم دونوں اکیلے ہیں جی چاہتا ہے آس پاس کے اچھے اچھے لوگوں سے ملا جلا کریں۔"

"شکریہ انکل ۔" وہ بولا " مجھے بہت پہلے آپ کے پاس آنا چاہئے تھا آپ کو اس طوفانی رات میں میں نے تکلیف دی شکریہ ادا کرنے ۔"

" اوہ جانے دو شعیب میاں مجھے افسوس ہی رہا کچھ دیر پہلے پہنچ جاتے تو شاید ۔"

"لیکن خدا کو منظور نہیں تھا نا۔" بیگم بولی " تین ڈاکٹروں کے پاس تو گئے تھے اس خوفناک سمے کوئی گھر سے نکلنے پر آمادہ ہی نہ تھا وہ تو ڈاکٹر افضل کا خدا بھلا کرے ۔کہ آگئے ۔"

" آنٹی ۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں" شعیب نے ایک لمبی سانس لی ۔

" کوئی بات نہیں بیٹے انسان ہی انسانوں کے کام آتے ہیں ۔"

" آپ کو بہت تکلیف دی تھی میں تو اتنا حواس باختہ تھا کہ ۔"

" ہاں بیٹے ۔ افتاد ہی ایسی آن پڑی تھی خیر ۔کیا کر رہے ہو آج کل ۔"

"کچھ بھی نہیں ۔"

"پڑھتے ہو۔"

"ایف ایس سی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ابو کے مرنے سے امتحان نہ دے سکا اب سپلیمنٹری میں اپیر ہو رہا ہوں۔"

"شاباش خوب دل لگا کر پڑھو۔"

وہ چپ ہو گیا۔

"آؤ ہمارے، ہاں ہم ابھی گھر ہی جا رہے ہیں۔"چند لمحوں بعد رشید صاحب بولے۔

"جی شکریہ" شعیب چونکا۔"دیر ہو گئی ہے۔"

"کہاں سے آ رہے ہو۔"

"دکان سے۔"

"دکان بھی ہے تمھاری۔"

"ابو کی دکان تھی۔"

"کون چلا رہا ہے اب۔"

"ابو کے وقت ہی کا ملازم ہے پندرہ سولہ سال سے ان کے ساتھ کام کر رہا ہے۔"

"ایماندار ہوگا۔"

"جی ہے تو۔لیکن سپرویژن کرنا پڑتی ہے۔"

"ہائے بیچارہ بچہ۔" بیگم رشید دونوں کی باتیں سن کر بولیں "کتنے بار آن پڑے ہیں بیچارے پر۔"

"کم عمری میں بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔"

"بیچارہ۔"

"بیچارہ نہیں آصفہ بیگم۔" رشید صاحب مسکرا کر بولے "بچہ ذہین ہے سمجھدار ہے اس عمر میں حالات کا احساس ہو گیا تو زندگی سنور جائے گی۔"

"ناسمجھی میں غلط راہوں پر بھی تو قدم اٹھ سکتے ہیں۔"

"بے شک۔ رہنمائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

دونوں باتیں کر رہے تھے۔شعیب کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔اس لئے بولا" اچھا انکل۔"

"جا رہے ہو۔"

"جی۔"

"آنا ضرور۔"

"ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔"

اس نے دونوں کو سلام کیا اور پیڈل پر پیر رکھ دیا۔

بیگم رشید اسے جاتا دیکھ کر بولی "بہت پیارا سا ہے۔"

"ذہین بھی کافی ہے۔"

"بیچارے کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں ابھی۔لیکن بڑے بار آن پڑے اچانک۔"

"بچے کی ذہانت اور سمجھداری بتاتی ہے کہ بطریق احسن نمٹ لے گا سب ذمہ داریوں سے۔"

ملازم لڑکا گاڑی کی طرف آیا تو رشید صاحب نے گاڑی سٹارٹ کردی۔سڑک کے پار والی تیسری کوٹھی میں انھوں نے پارسل دے کر ملازم لڑکے کو بھیجا ہوا تھا۔ یہ پارسل ان کی وساطت سے انھیں پہنچنا تھا۔

پچھلی سیٹ پر لڑکا بیٹھ گیا۔ بیگم رشید نے پوچھا "گھر پہ کون تھا۔"

"بیگم صاحبہ!" اسنے جواب دیا۔

"پارسل انہی کو دیا۔"

"جی۔"

گاڑی چل دی۔ رشید صاحب شعیب ہی کے متعلق سوچ رہے تھے۔پارسل کی بات ختم ہوئی تو بیگم رشید بھی شعیب کی باتیں کرنے لگی۔اس کے خاندان کے متعلق انہیں بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔حبیب احمد کے قتل تک وہ ان کے ہاں جاتی رہی تھیں اور خاندان کی عورتوں سے ملتی رہی تھیں۔

☆☆☆

" سارا سارا دن غائب رہتے ہو کہاں جاتے ہو ۔"

" کہاں جاسکتا ہوں ۔"

" یہ آوارگی ۔"

" زاہدہ آپا!"

" ہاں ہاں بہانہ بنادو ۔تایا ابو کے پاس گیا تھا۔ماموں حمید کے ہاں بیٹھا تھا۔عمر بھائی نے زبردستی روک لیا تھا۔ثمرہ بھابی نے ۔"

" میں اچھی طرح سے جانتی ہوں تو نے غیاث اور شوکت سے بھی ملنا چھوڑ دیا ہے ۔کتنے پھیرے لگا چکے ہیں وہ ۔ تیری نیت جو ہے نا ۔"

" بڑی نیک ہے ۔"

"بکواس بند کر ۔ تیری زبان بھی بہت تیز ہوتی جارہی ہے ۔ابو کے مرنے کے بعد تو اپنے آپ کو بالکل ہی آزاد سمجھ بیٹھا ہے ۔لکھائی پڑھائی چھوڑ ہی دی ہے ۔ امتحان نہیں دے سکا تو چلو کوئی وجہ جواز تھی ۔لیکن اب تجھے ۔"

" میں امتحان نہیں دوں گا ۔"

"کیوں ۔کیا کہا ۔شعیب تو نے پھر ایسی بات زبان سے نکالی تو میں تیرا سر پھوڑ دوں گی ۔"

" زاہدہ آپا میں نہیں پڑھ سکتا ۔"

"کیوں ۔"

" بس ۔ میرا دماغ منتشر سا رہتا ہے ۔"

" دماغ کو ٹھکانے ہی پہ رکھ ۔ اور آوارہ لڑکوں کی صحبت چھوڑ دے ۔"

" آپا آپ کیوں زیادتی کر رہی ہیں ۔کس نے کہہ دیا آپ سے کہ میں آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا ہوں ۔"

زاہدہ کو اس پر بے حد غصہ تھا۔کئی دنوں سے اس کے انداز دیکھ رہی تھی ۔بڑی دیر

گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔اور کتاب تو شائد کبھی پکڑ کر بھی نہ دیکھی تھی امتحان سر پر تھے ۔

زاہدہ نے خوب خوب ڈانٹا۔اس کی مدد کو شاہدہ بھی آگئی ۔وہ تو امی شاید ماموں کے ہاں گئی تھیں ۔ورنہ ان کا ساتھ دینے وہ بھی آجاتیں ۔

" تو دھیان پڑھائی کی طرف کیوں نہیں دیتا"شاہدہ صوفے کے بازو پر بیٹھ گئی ۔زاہدہ میز کے قریب کھڑی تھی ۔اور شعیب کے قدم اندر رکھتے ہی ڈانٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔اس لئے وہ دروازے ہی کے قریب کھڑا تھا ۔

" میں پوری دل جمعی سے نہیں پڑھ سکتا"شعیب نے دونوں بہنوں کی ڈانٹ کھانے کے بعد کہا ۔

زاہدہ کو سخت غصہ آیا۔اس نے ہاتھ میں پکڑا اخبار میز پر زور سے پٹخا۔خود کرسی پر بیٹھتے بولی " تمہارا مطلب کیا ہے آخر ۔"

" زاہدہ آپا!" شعیب سنجیدگی سے بولا۔ پھر آگے بڑھا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے جھک کر بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا ۔

" شعیب!" شاہدہ نے کہا" تمہیں شرم آنی چاہئے تمہاری بہنوں نے بی اے کر لیا۔تم ایف اے ہی میں لڑھک رہے ہو ۔پھر تمہیں یہ بھی احساس نہیں کہ ابو کی کتنی زبردست خواہش تھی تمہیں ڈاکٹر بنانے کی ۔"

" ہاں۔" شعیب نے گہری سانس لی ۔ پھر جھکے جھکے بولا " ڈاکٹر بننا تو ممکن ہی نہیں رہا ۔"

"کیوں ؟" زاہدہ نے تلخی سے کہا ۔

" حالات" وہ بولا ۔

" حالات ۔" زاہدہ نے دہرایا ۔

" ہاں زاہدہ آپا ابو کی ڈیتھ نے سارا کچھ الٹ پلٹ کر دیا ہے ۔میں ان کی موت کے بعد پڑھ نہیں سکا۔ڈاکٹری میں داخلہ کہاں ملتا ہے۔میں اب بھی امتحان دینے کے قابل نہیں ہوں ۔"

وہ اتنی سوگواری سے کہہ رہا تھا کہ زاہدہ شاہدہ کا دل بھی دکھ گیا۔پھر بھی شاہدہ بولی " وہ تو ٹھیک ہے پر تمہیں امتحان تو دینا چاہئے ۔"

" دے دوں گا ۔لیکن کوئی پوزیشن نہیں آئے گی ۔"

" نہ آئے ۔"

" فائدہ -"

" چلو ڈاکٹری میں داخلہ نہ ملے بی ایس سی کر لینا - تعلیم اپنی جگہ پر اہم ہے -"

" اچھا -"

" آج سے باہر گھومنا پھرنا بند کردو - اور سنجیدگی سے امتحان کی تیاری کرو - دن ہی کون سے رہ گئے ہیں -"

" آپا میں بیکار نہیں گھومتا پھرتا -"

" کیا کرتے ہو -"

" دکان پر جاتا ہوں -"

دکانداری کا شوق چرایا ہے -"

" شوق نہیں چرایا ضرورت ہے - منشی امیرالدین کے بس کا روگ نہیں ہے دکان سنبھالنا -"

" تم تو بڑے تمیس مار خان ہونا - تایا ابو دیکھ بھال کر ہی رہے ہیں نا -"

" ہو نہ -"

" ہو نہ کیا ؟ -"

" آپا ہفتے میں ایک دن دکان پر چلے جانے سے دیکھ بھال ہوجاتی ہے ؟"

وہ بہنوں کو دکان کے متعلق بتانے لگا - زاہدہ اور شاہدہ خاموشی سے سنتی رہیں - وہ جو کچھ کہہ رہا تھا - غلط نہیں تھا - پھر بھی دونوں مصر تھیں کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھے میڈیکل کرنا ان حالات میں ممکن نہ تھا پھر بھی وہ بی اے ایم اے کر سکتا تھا -

" باقی آپ کا جو خیال ہے - میں آوارہ گردی کرتا ہوں -"

" اچھا چھوڑو اب - پڑھائی کی طرف متوجہ ہوجاؤ -"

" امتحان تو دوں گا ضرور -"

" بس یہی ہم چاہتے ہیں کم از کم بی اے تو کرلو اس کے بعد پلین کر لینا کہ تمہیں کیا کرنا ہے"

" وہ تو ابھی سے کررہا ہوں -"

" شعیب کی بات سے زاہدہ کو پھر چڑ لگی - وہ کچھ کہنے کو تھی کہ وہ بولا " میں اپنا کچھ وقت انکل رشید کے پاس گزارتا ہوں آپا - وہ مجھے گائیڈ کرتے ہیں - ان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس ہے -"

زاہدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا -

شاہدہ بولی " ان سے اتنی دوستی کس خوشی میں گانٹھ لی ہے تم نے - عمر کا جوڑ ہے نہ ذہن کا - وہ آنٹی آصفہ بھی اس دن تمہاری باتیں کر رہی تھیں -"

" میں ان کے ہاں جاتا آتا رہتا ہوں - بہت اچھے لوگ ہیں -"

" شاہدہ مسکرا کر آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے بولی " کوئی اور چکر تو نہیں -"

" اور چکر ؟" وہ گھبرا گیا -

" کوئی بیٹی ویٹی تو نہیں ان کی -"

" ہے -"

" اچھا ؟؟"

شاہدہ نے شوخی سے سر ہلایا - شعیب جلدی سے بولا -

ان کی بیٹی شادی شدہ ہے دو بچے بھی ہیں - اس کے امریکہ میں رہتی ہے - دو بیٹے ہیں انکل رشید کے ایک جرمن میں ہے - دوسرا یو کے میں -"

شاہدہ جلدی سے بولی " یہاں یہ دونوں اکیلے ہی رہتے ہیں -"

" ہاں - اس دن آپ دونوں گئی نہیں تھیں - کون تھا اور وہاں -"

شاہدہ شعیب پر سوال پہ سوال کئے گئی - زاہدہ اٹھ کھڑی ہوئی ملامت سے بولی " خیر وہ اچھے لوگ ہیں - شعیب کو غلط راہ پر نہیں لگائیں گے -"

" واہ آپا -" شعیب شیر ہو کر بولا - اتنے ہمدرد ہیں وہ - بزنس کی ٹریننگ لے رہا ہوں میں ان سے بی اے کے بعد یہی کام شروع کروں گا - ہزاروں لاکھوں ہیں اس کام میں -"

" چل چل - پہلے دھیان دے پڑھائی کی طرف بی اے کرے گا تو پھر دیکھ لیں گے -"

شعیب نے اس دن کی ڈانٹ ڈپٹ سے یہ اثر ضرور لیا کہ پڑھائی کی طرف متوجہ ہو گیا - لیکن دکان کی دیکھ بھال بھی جاری رکھی چھوٹی عمر میں جو بار اس کے کندھوں پر آن گرا تھا - اس کے گراں ہونے کا اسے شعور و احساس تھا - گھر کا خرچہ تو دکان نکال رہی تھی لیکن زاہدہ کی شادی کرنا تھی - اس کے بعد شاہدہ کا نمبر تھا - یہ ساری ذمہ داریاں پورا کرنا تھیں -

ایف ایس سی کا امتحان اس نے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کر لیا - میڈیکل کا خیال دل سے نکال دیا تھا - غنیمت یہی تھا کہ سال ضائع نہ ہوا - پھر اس نے بی اے میں داخلہ لے لیا - اور وقت کا دھارا بہتا چلا گیا -

بی اے کے آخری سال میں تھا - کہ زاہدہ کی شادی ہوگئی اس شادی کے سلسلہ میں اس

کا وقت ضائع ہوا۔ لیکن پھر بھی اس نے بی اے پاس کر ہی لیا۔

اب اس کا زیادہ وقت رشید صاحب کی معیت میں گزرتا تھا۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے آرڈر کی سپلائی اس کے ذمہ ڈال دی تھی۔ جسے وہ بڑی اچھی طرح سے نبھاہ رہا تھا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ شعیب نے ایم اے میں داخلہ بھی لے لیا۔ اور رشید صاحب کے ساتھ کام بھی جاری رکھا۔ دکان کی دیکھ بھال بھی خود کرتا تھا۔ اپنے آپ کو اس فرائض اور ذمہ داریوں کے تانے بانے میں بری طرح الجھا لیا تھا۔

اب تو زاہدہ جب بھی سسرال سے آتی یہی کہتی۔

"شعیب اتنا کام نہ کیا کرو یا تو صرف پڑھائی جاری رکھو یا بزنس سنبھالو۔ دن رات تم مشین کی طرح کام کر رہے ہو۔"

وہ مسکرا دیتا۔ پھر بڑی ذمہ داری سے کہتا۔ "زاہدہ آپا ابھی تو ابتداء ہے۔ مجھے تو بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی شاہدہ آپا کی شادی نئی کوٹھی کی تعمیر۔ اعلیٰ تعلیم میرے ابو کے خواب پورے ہوں گے۔ بے شک میں ڈاکٹر نہیں بن سکا۔ لیکن میں ایم اے ضرور کروں گا ابو چاہتے تھے نا۔"

زاہدہ بھائی کا حوصلہ اور مضبوط ارادے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔

وقت کا چکر چلتا رہا۔ شعیب نے ایم اے کر لیا۔ شاہدہ کی شادی بھی ہو گئی۔ اس شادی کے لئے اسے خاصی دوڑ دھوپ کرنا پڑی۔ شاہدہ کے سسرال والے ذرا لالچی قسم کے لوگ تھے۔ لڑکا چونکہ اچھا تھا۔ اس لئے رشتہ طے کر دیا تھا۔ لڑکا وسیع القلب تھا۔ وسیع النظر تھا۔ لیکن ماں باپ کی تسکین و تسلی بڑے جہیز سے ہو سکتی تھی۔ شعیب نے کہاں کہاں سے جہیز اکٹھا کیا کہاں کہاں سے پیسہ جمع کیا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ لیکن اپنے اور ماں جی کے سر کا بوجھ اس نے اتار ہی پھینکا تھا۔ اتنی دھوم دھام سے بہن کا ڈولا اٹھوایا تھا کہ اہل خاندان چرچے کرنے لگے تھے۔ اس کی مثالیں دی جانے لگی تھیں۔

لیکن۔

وہ جو حالات میں جکڑا گیا تھا۔ جو الجھاؤ اپنے گرد پھیلا لئے تھے۔ ان سے نکلنے کے لئے اسے انتھک محنت اور دن رات کام کرنا تھا۔

☆☆☆

شعیب نے کال بیل پر انگلی رکھی۔

ٹرران۔ ٹرران۔ رن۔ رن۔ بیل کی آواز گھر میں گونج گئی۔ لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھی سمہ نے گردن موڑ کر داخلی دروازے کی طرف دیکھا پھر وہ پروگرام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

بیل پھر بجی۔

کچن سے کوئی نوکر باہر نہیں نکلا شائد کوئی ادھر تھا ہی نہیں۔ آنٹی آصفہ کی آواز بھی نہ آ رہی تھی۔

بیل تواتر سے بجی۔

تو

وہ اٹھی۔ تراشیدہ ریشمی بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

اور

ہولے سے دروازہ کھول دیا۔

شعیب کی نگاہ اس پر پڑی۔ سمہ نے شعیب کو دیکھا۔ ایک لحہ کو دنوں کی نگاہیں ایک دوسرے کی گرفت میں تھیں۔ دل بڑے خوبصورت انداز میں دھڑک اٹھے۔ شعیب کے لبوں پر حسین سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"انکل رشید۔" جب شعیب کو گھمبیر سی خاموشی کا احساس ہوا تو کچھ بولنے کی خاطر وہ بولا۔

"وہ۔ وہ تو جی پنڈی گئے ہیں۔" جوانی کی ہر ادا حسین ہوتی ہے۔ یہ الفاظ بھی یوں لگے جیسے موتی جھڑ رہے ہیں۔ اور آواز پر بھی نقرئی گھنٹیوں کی کھنک کا گمان ہوا۔

"اوہ۔" اس نے سکوٹر کی چابی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں رکھتے ہوئے سر اٹھایا

"لور۔ آنٹی ؟"

"آنٹی آصفہ ؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جی ہاں یقیناً آنٹی آصفہ ہی کا گھر ہے۔"

" شعیب نے بڑی مسحور کن مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے شوخی سے کہا۔اٹھارہ انیس سالہ حسینہ کے گالوں پر شفق پھوٹ پڑی۔جلدی سے بولی " وہ گھر پہ ہیں ۔ شاید اوپر گئی ہیں ۔"

" میں نے ان سے ملنا ہے ۔"

وہ قدرے ہچکچائی پھر بولی۔ " میں ڈرائنگ روم کھولتی ہوں ۔"

" تکلف کی ضرورت نہیں ۔ میں ادھر ہی ان کا انتظار کرتا ہوں ۔" شعیب نے لاؤنج کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دروازے سے پرے ہٹ گئی ۔شعیب اندر آگیا۔

" بیٹھیے میں انھیں اطلاع دیتی ہوں ۔"

سمہ نے شعیب سے کہا۔ وہ ایک دیوار گیر پینٹنگ کے سامنے کھڑا ہوگیا تھا۔

" آپ تکلیف نہ کیجیے ۔"اس نے سر ہولے سے گھما کر سمہ کو دیکھا۔"وہ خیرو چچا ۔ ناظر۔ بھلا سب کہاں ہیں ۔"

سمہ کو شعیب کی بات سے یہ اندازہ کرتے دیر نہ لگی۔ کہ وہ اس گھرانے کا کوئی بے تکلف دوست کوئی قریبی عزیز یا اچھی خاصی جان پہچان والا ہے ۔تینوں ملازم تھوڑی دیر پہلے تو کچن میں ہی تھے ۔اب جانے کہاں گئے تھے ۔

" آپ بیٹھیے میں آنٹی کو بلاتی ہوں ۔"

" وہ ہیں کہاں ؟"

" شاید اوپر۔"

" آپ۔"

" میں ابھی بلا کر لاتی ہوں ۔"

سمہ نے لاؤنج کے کونے میں بنی گولڈن ریلنگ والی سیڑھیوں کی طرف جانے کو قدم اٹھایا۔

" وہ جی ۔" شعیب نے مڑ کر جھجکتے ہوئے کہا۔

" ہوں ۔" وہ بھی مڑ کر تکنے لگی ۔

" بھلا آنٹی سے کہیں گی کیا؟"

" اوہ ۔"

شعیب نے سینے پر انگلی رکھی ۔شوخ نگاہوں سے سمہ کو دیکھا اور بولا

"شعیب۔"

وہ کچھ کہے بنا مڑی اور تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھ گئی ۔

وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹی وی آن تھا۔اور کوئی انگریزی فلم چل رہی تھی ۔

شعیب نے درمیانی میز پر پڑا میگزین اٹھالیا۔اس دوران کچن میں کچھ کھٹ پٹ ہوئی۔ غالباً کوئی ملازم ادھر آگیا تھا ۔شعیب آواز دینے کو تھا کہ خیرو چاچا ادھر آگیا ۔

" شعیب صاحب سلام ۔"

" اوں ہوں ۔خیرو چاچا شعیب صاحب نہیں شعیب بیٹے ۔"

معمر خیرو مسکرانے لگا۔شعیب اس کی بہت عزت کرتا تھا۔خیرو چاچا اسے بہت دعائیں دیا کرتا تھا ۔

" انکل کب گئے پنڈی ۔"

" آج ہی ۔"

" خیریت ۔"

" جی پتہ نہیں کام ہی ہوگا کوئی ۔"

" بائے ایئر گئے ہیں یا گاڑی میں ۔"

" گاڑی میں گئے ہیں ناظر ساتھ گیا ہے ۔"خیرو چاچا نے ڈرائیور کا بتایا۔وہ خیرو چاچا سے خوش گپیوں میں مصروف ہوگیا۔

" جیتے رہو بیٹے جیتے رہو۔دل خوش کر دیتے ہو خدا تمھیں زندگی دے ۔مالا مال کرے ۔"

" اور ایک عدد اچھی سی۔" شعیب کچھ کہتے کہتے چپ ہوگیا۔ آصفہ آرہی تھی ۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ کافر ادا حسینہ چلی آرہی تھی ۔

شعیب اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ خیرو کچن میں چلا گیا۔

آنٹی کو دیکھتے ہی زور دار سلام مارا۔ وہ لاشعوری طور پر شائد سمہ پر اپنے بے تکلفانہ روابط کا اظہار کرنا چاہتا تھا ۔

" آؤ بیٹے کیا حال ہے ۔" آصفہ اس کی طرف آتے ہوئے بولی ۔

" انکل سے ملنے آیا تھا۔" وہ اپنی نگاہیں آصفہ کے کندھے پر سے لے جاتے ہوئے

پیچھے کھڑی ،بسمہ پر ڈالتے ہوئے بولا -

" وہ تو پنڈی گئے ہیں -"

" خیریت -"

" ہاں خیریت ہی ہے کچھ خاندانی مسئلے تھے اپنے کزن سے ملنا تھا انہیں -اور رابعہ نے کچھ چیزیں ہمارے لئے بھیجی ہوئی تھیں کسی کے ہاتھ تو وہ بھی لانا تھیں اب -"

" بیٹھو۔"

" آپ تشریف رکھئے -"

آصفہ صوفے کی طرف بڑھی - بسمہ نے بھی اس کی تقلید کی -وہ صوفے پر آنٹی کے پہلو میں بیٹھ گئی -

" ان سے تعارف ہوا" آصفہ نے بسمہ کی طرف دیکھتے ہوئے شعیب سے کہا -

" جی نہیں-" وہ مودبانہ بولا -

" یہ رشید کے کزن کی بیٹی ہے بسمہ -"وہ اسکے بال چہرے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے مسکرائی -

" بسمہ -" شعیب کے منہ سے نکلا -

" یونیک سا نام ہے نا-"

" جی - جی-"

"اردو زبان میں بسمہ کو مسکراہٹ کو کہتے ہیں -"

شعیب زیرلب مسکرا دیا-وہ چاہتا تھا یک دم کہہ دے کتنا خوبصورت اور کیسا پیارا نام ہے -نام والی پر بالکل فٹ بیٹھتا ہے -لیکن آصفہ کے سامنےوہ کسی ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا جسے چھچھورے پن سے تعبیر کیا جائے -

بسمہ چپ چاپ بیٹھی رہی -اب اس کے چہرے پر ایک گھمبیری سنجیدگی اور چپ تھی-چند لمحے پہلے جو شعیب سے چند باتیں ہوئی تھیں -اور لبوں پر مسکراہٹ نے لو دی تھی پہلو میں دل دھڑکا تھا-اور آنکھوں میں شوخ کرنیں مچلی تھیں -وہ معدوم ہوگئی تھیں- آصفہ نے شعیب کے متعلق سرسری سا بسمہ کو بتایا -

اس نے کسی جذبے کا ردعمل ظاہر نہ کیا- وہ اجنبی تھا-وہ بھی اجنبیوں کی طرح بیٹھی تھی -آصفہ شعیب سے باتیں کرنے لگی -

ان دنوں وہ اپنی فرم کی رجسٹریشن کے چکر میں تھا-امپورٹ ایکسپورٹ اب اپنی فرم کے نام پر شروع کرنا تھی -چھوٹے موٹے آرڈرز تو وہ رشید صاحب کے ساتھ سپلائی کرتا رہا

تھا -اب انہی کے مشورے سے اس نے اپنی الگ فرم رمکو کے نام سے بنائی تھی -رشید صاحب ہی اسے گائیڈ کررہے تھے -وہ اسے خود مختاری سے کام کرتے دیکھنا چاہتے تھے -چار سال کی رفاقت میں وہ شعیب اس کے خاندان اور اس کے گھریلو حالات سے پوری طرح باخبر ہوگئے تھے -شعیب اب ایک خوبرو محنتی اور شریف النفس نوجوان تھا- عادات و خصائل پسندیدہ تھے رشید اور آصفہ کی تنہائی اس کے دم سے آباد تھی -دونوں اس سے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے -

وہ بھی ان کی دل سے عزت و قدر کرتا تھا-اسے وہ خوفناک اور ڈراؤنی رات نہیں بھولی تھی -جب اس نیک دل جوڑے نے بغیر کسی جان پہچان کے اس کی مدد کی تھی -اس کے مرحوم باپ کے لئے بڑے جتنوں سے ڈاکٹر کو لے کر آئے تھے -شعیب ان کا عزیز تھا نہ رشتہ دار -لیکن دوستی کا ناطہ بڑا مضبوط اور پر خلوص تھا-وہ دونوں بھی اکثر شعیب کے ہاں آتے تھے -شعیب کی ماں جی بھی کبھی کبھار ان کے ہاں آتی تھیں-زاہدہ اور شاہدہ بھی جب میکے آتیں ادھر کا چکر ضرور لگالیتیں - لیکن -

شعیب کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی -صبح ہو یا شام دن نکل رہا ہو یا رات اتر آئی ہو- وہ بے تکلفانہ ان کے گھر چلا آتا تھا- یہ بزرگ دوست ہی تو گھر میں ہوتے تھے -آج بھی وہ معمول کی طرح یہاں آیا تھا-

اور

آج خلاف توقع اس کی ایک بے حد سمارٹ اور خوبصورت لڑکی سے ملاقات ہوگئی تھی -جس کے متعلق آنٹی نے صرف یہی بتایا تھا کہ رشید کی کسی کزن کی بیٹی ہے -

وہ

دل ہی دل میں اس کے متعلق - بہت کچھ - بہت کچھ بہت بہت کچھ -جاننے کی خواہش مچلتی پا رہا تھا-

لیکن اتنی بے تکلفی موزوں نہیں تھی -

ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا -

"کیوں-" آصفہ نے پوچھا -

" اب چلوں آنٹی - انکل آجائیں تو پھر آؤں گا-"

" کیوں - انکل گھر میں نہ ہوں تو تمہیں بیٹھتے تکلیف ہوتی ہے -"

وہ مسکرایا- بسمہ نے اک چور سی نگاہ اس پر ڈالی -پھرٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی -

" کھانا تیار ہے-؟ آصفہ نے کہا " کھا کر جانا-"

"نہیں آنٹی۔"

"چپ رہو بڑا تکلف کر رہے ہو۔ خیریت!؟"

"نہیں۔ آنٹی ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گیا۔

"خیرو چاچا....." آصفہ نے صوفے کی پشت پر گردن ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی بیگم صاحبہ۔"

"کھانا تیار ہے؟" "جی ہاں!"

"لگا دو۔"

"بہتر بیگم صاحبہ۔"

خیرو کچن میں چلا گیا۔ آصفہ نے ایک ہلکی سی جمائی لی۔ پھر بولی۔

بہت تھک گئی ہوں آج۔"

"میں نے کہا بھی تھا آنٹی۔ کمرہ میں خود ٹھیک کرلوں گی۔" سمہ نے کہا شعیب نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ پھر آنٹی سے بولا "کمرہ ٹھیک کر رہی تھیں آپ؟"

"ہاں! سمہ کے لئے رابعہ والا کمرہ درست کیا ہے۔ اب یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔"

سمہ نے کرب زدہ نظریں اٹھائیں اور جھکالیں۔

آنٹی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار سے سمہ سے کہا

"گھر میں رونق ہو جائے گی۔ اف میں اکیلی کتنی بور ہوتی رہتی ہوں۔"

"غلط آنٹی۔" شعیب چہکا۔ "آپ کی بوریت میری وجہ ہے۔"

"ہاں بھئی۔ تم بھی کمپنی دیتے ہو۔ ہنساتے ہو۔ کئی کام کر دیتے ہو لیکن سمہ کی اور بات ہے۔"

شعیب نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور ہولے سے بولا

"کیوں۔"

"یہ تو دن رات میرے پاس ہوگی نا۔ کیوں سمہ؟۔"

سمہ نے دھیرے سے پہلو بدلا۔ اور آنٹی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی

ہاں آنٹی۔"

شعیب کو یوں لگا جیسے سمہ کے حلق میں کوئی گولہ سا پھنس گیا ہے۔ اس نے غور سے اسے دیکھا وہ خاصی اداس لگ رہی تھی۔

حسن پژمردہ اور اداس ہو تو اور حسین ہو جاتا ہے۔ سمہ پر یہ بات صادق آتی تھی۔

وہ متوازن جسم کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کی رنگت سنہری تھی۔ آنکھیں اور بال سیاہ تھے۔ ہونٹ شبنمی تھے۔ پہلی نظر ہی میں دل میں اتر جانے والی قوت سے مالا مال تھی۔ ایک گھمبیر سی لواسی اس کی وجود پر سائے کی طرح پھیلی لگتی تھی۔ یہ پھیلی پھیلی اداسی اس کی شخصیت کو بنا رہی تھی۔

آصفہ اور سمہ کے ساتھ شعیب نے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران بھی وہ بالکل اجنبیوں کی طرح بیٹھی رہی۔ ہاں اس کی شخصیت کے سحر میں شعیب ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

"آنٹی!"

"ہوں۔"

"وہ۔"

"آپ نے سمہ کا مطلب کیا بتایا تھا؟"

"مسکراہٹ۔"

شعیب نے چور نظروں سے قریب بیٹھی سمہ کی طرف دیکھا۔ اور پھر جیسے سرگوشی کی "نام اور شخصیت میں اتنا تضاد۔"

وہ زیرلب مسکرا رہا تھا۔ لیکن سمہ اس شوخی سے محظوظ نہ ہوئی۔ اس نے اک دکھی نگاہ اس پر ڈالی اور سرجھکا لیا۔ اس کے ہاتھ گود میں رکھے میگزین کو مسل رہے تھے۔

آنٹی پرلے صوفے پر بیٹھی اپنے پوتے کے لئے نٹنگ کر رہی تھی۔ شعیب تھوڑی دیر پہلے آیا تھا۔ انکل سے کام تھا۔ رشید آفس میں تھے۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ اس لئے وہ ادھر آگیا تھا۔

ویسے بھی اب کاروباری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس گھر میں اس کی دلچسپی کا سامان بھی تھا۔ سمہ پہلے دن ہی نظروں کو بھاگئی تھی۔ اسے دیکھنے کے بہانے وہ روز ہی چلا آتا تھا۔ کام بھی ہوتا تھا۔ لیکن کام کی لگن کے ساتھ اسے دیکھنے کی لگن ہوتی تھی۔

وہ کئی دنوں سے آرہا تھا۔ لیکن سمہ سے کچھ کہنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ صرف نگاہوں کی تسکین ہو جاتی تھی یا کبھی کبھار ایک دو جملوں کا تبادلہ۔ اس کی نگاہیں شوق کی پیغامبر ہوتی تھی لیکن سمہ کی طرف سے کبھی ہمت افزائی نہ ہوئی تھی۔ اس کی نگاہ شوق کی پزیرائی کبھی ہوئی نہ جوابی انداز اختیار کیا گیا۔ لیکن اسے بے اعتنائی یا بے التفاتی بھی نہ کہا سکتا تھا۔

شعیب نوجوان تھا۔ عمر کا جذباتی دور تھا۔ حسین صورتیں من موہ لیتی ہیں۔ سمہ تو حسین ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی شخصیت کے گرداگرد ایک غیر محسوس سی اداسی کا حصار بھی

اٹھائے ہوئے تھی۔ یہ زیادہ ہی پر کشش بات تھی۔ شعیب بے اختیارانہ اس کی طرف کھنچا جارہا تھا۔

"تمہاری فرم رجسٹرڈ ہوگئی؟" آنٹی نے چند لمحوں بعد پوچھا۔

"جی۔"

چیمبر آف کامرس کے ممبر بھی بن گئے۔

"جی ہاں آپ کی دعا سے۔"

"اسی طرح محنت کرتے رہوگے تو بہت جلد اسٹیبلش ہوجاؤگے۔"

"آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو آنٹی زندگی کی ہر فیلڈ میں اسٹیبلش ہو جاؤں گا۔"

" اس نے چور نگاہوں سے سمہ کی طرف دیکھا اس کے لب متبسم تھے۔ ہر فیلڈ سے اس کی جو مراد تھی آنٹی سمجھ گئی۔

دونوں کی مسکراہٹ سے سمہ نے گھبراہٹ سی محسوس کی۔ اسی لئے وہ اٹھ کر سامنے والے کمرے میں چلی گئی۔

شعیب نے اس کو جاتے دیکھا بھنویں اچکائیں۔ اور بھاری بھاری مونچھوں تلے دبے جاندار ہونٹوں کر بڑی خوبصورتی سے سکیڑا منہ بنایا پھردھیرے دھیرے مسکرانے لگا۔

آنٹی جہاندیدہ عورت تھی۔ عمر کے ان جذباتی حصوں کے کھیل جتنے جذباتی ہوتے ہیں۔ ان سے آگاہ تھی۔

بڑی پیاری بچی ہے۔ آنٹی نے شاید دانستہ کہا۔

"لیکن۔" شعیب کہتے کہتے رکا۔

"کیا" وہ تجسس سے بولی۔

"مجری صورت ہے ویسے نام ماشاء اللہ مسکراہٹ ہے۔" اس نے ہلکا سے قہقہہ لگایا۔

آنٹی نے آنکھیں گھمائیں گھور کر بڑے پیار سے شعیب کو دیکھا۔ پھر بولیں " بڑی حساس لڑکی ہے۔"

"انکل کی بھتیجی ہیں۔"

"ہاں کزن کی بیٹی۔"

"پڑھتی ہیں۔"

"بی اے فائنل میں تھی۔"

"تھی کیا مطلب؟"

"چھوڑ دی پڑھائی۔"

"کیوں ؟"

آنٹی چند لمحے چپ رہیں - پھر کچھ سوچا - سمر کے متعلق شعیب کو کچھ بتانے سے گریزاں نظر آئیں -

شعیب پوچھنے ہی کو تھا کہ خیرو آگیا -

"شعیب بیٹے -"

"جی چاچا"

"آپ کو صاحب بلا رہے ہیں -"

"اوہ اچھا"

شعیب جلدی سے اٹھا - بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کی سویٹر ٹھیک کی اور لاؤنج سے باہر نکل گیا -

"شعیب -" جاتے جاتے آنٹی نے کہا - "کھانا ہمارے ساتھ ہی کھانا - میں نے آج تمھاری پسند کی ڈش شب دیگ بنائی ہے -"

"تھینکس" شعیب نے بھی جاتے جاتے کہا -

دوپہر کا کھانا شعیب نے ہیں کھایا - کھانے پر انکل رشید زیادہ تر بزنس ہی کی باتیں کرتے رہے - سوتی کپڑے کی ایکسپورٹ کا میدان وسیع تھا - مڈل ایسٹ کے کئی ملکوں میں اس کی کھپت تھی - کئی ملکوں کے ساتھ انکل رشید خود کاروبار کر رہے تھے - وہ شعیب کو اہم نکات سمجھا رہے تھے - شعیب اس گھر کے فرد کی حیثیت اختیار کر چکا تھا - اسی لئے انکل رشید کو اس کا مفاد عزیز تھا -

آنٹی آصفہ کو وہ یوں بھی عزیز تھا کہ خوبرو نوجوان تھا - خاندان اچھا تھا اخلاق کردار ہر لحاظ سے بہترین تھا - اچھا دوست اور مخلص ساتھی تھا - یہ ساری خوبیاں دیکھتے ہوئے اکثر انہیں خیال آتا تھا کہ اپنے خاندان کی کوئی اچھی لڑکی ہوتو - انھیں ارمان ہوتا کہ کاش انکی اپنی بیٹی اس کی ہم عمر ہوتی رابعہ کو بیاہے تو کئی سال بیت گئے تھے -

آج کھانے کی میز پر اتفاق ہی سے سمر اور شعیب انکے سامنے والی دونوں نشستوں پر بیٹھے تھے - دونوں کو دیکھ کر ان کے جی میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ وہ دونوں ایک بندھن میں بندھ جائیں -

اور

اسی رات -

جب وہ بستر میں لیٹیں - اور رشید حسب عادت سونے سے پہلے مطالعے کی عادت پوری

کرنے لگے -

تو آصفہ نے کتاب ان کے ہاتھ سے لے لی -

"کیوں بھئی -" انہوں نے گردن موڑ کر برابر لیٹی آصفہ کو دیکھا -

"ضروری تو نہیں سونے سے پہلے کوئی بات ہی نہ کی جائے -" وہ کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بولیں -

"اوہو آج کیا خیال آگیا -" رشید کے چہرے پر شوخ سی مسکراہٹ پھیل گئی -

"خیال آہی گیا ہے کوئی -" وہ بولیں -

"فرمایئے -" وہ کروٹ کے بل ہوگئے -

" آصفہ ذرا پرے کھسک گئی - پھر ان کی طرف رخ کرتے ہوئے مسکرائی - "اپنی بات کوئی نہیں سمجھے جناب -"

"تو اور کس کی -"

"میں سمر کے متعلق سوچ رہی تھی -"

"ہوں -"

رشید سیدھے ہو کر لیٹ گئے -

"سمر کی ذمہ داری آپ نے سر لی ہے -"

"نہیں -" وہ جلدی سے بولے - "ذمہ داری کیا لینی ہے میں تو اسے ساتھ اس لئے لے آیا تھا کہ اس کا کچھ تو ماحول بدلے وہاں تو بالکل سہم گئی تھی -"

"ہاں سہمی سہمی تو اب بھی رہتی ہے بیچاری لڑکی -"

"ہوں"

"اس بے چاری کا کیا قصور -"

"یہ کون دیکھے گا بیگم صاحبہ -"

"ہاں - اس کے رشتے کی پرابلم ہوگی -"

"اسی لئے تو میں نے ذمہ داری نہیں لی تھی - اس کی دادی نے ہی منت سماجت کر کے کہا تھا کہ کوئی موزوں رشتہ ملے تو نکاح پڑھوا دینا -"

آصفہ چند لمحے چپ رہی پھر بولی - "اتنی پیاری سی لڑکی ہے جی چاہتا ہے کسی اچھی جگہ -"

"دیکھو جو خدا کو منظور ہوگا ہو جائے گا -"

" آصفہ پھر چپ ہوگئی - رشید صاحب سر تلے دونوں ہاتھ رکھے سوچ میں ڈوبے

رہے۔ پھر آصفہ قدرے اٹھتے ہوئے بولی۔" شعیب کے متعلق کیا خیال ہے۔"
رشید نے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

" شعیب بہت اچھا لڑکا ہے۔"

" میرے خیال میں سمہ اسے پسند بھی ہے۔"

" لیکن وہ اس کے حالات تو نہیں جانتا۔"

" حالات بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

رشید پھیکی سی ہنسی ہنسے۔ پھر آصفہ کی گردن میں بازو حمائل کر کے مسکراتے ہوئے بولے۔" اتنی دور کی نہ سوچا کرو۔ شعیب جیسے لڑکے کو ہم دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔"

" اور میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ شعیب جیسے فراخ دل اور ذہنی طور پر بلند انسان کو بتا بھی دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔"

" شعیب اکیلا نہیں. آصفہ بی بی۔ اس کے پیچھے اک بھرا پرا خاندان ہے او یہ خاندان اپنی روایات سے جس طرح چپکا ہوا ہے۔ تم اس کا مظاہرہ ان کے ہاں ہونے والی خوشیوں اور غمی کے موقعوں پر خوب کر چکی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے شعیب کی ماں جی یہ رشتہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔"

آصفہ سے بات بن نہ پڑی تو زور دے کر بولی۔" لڑکی تو اچھی ہے نا۔ کتنی پیاری کیسی معصوم۔"

دونوں کافی دیر تک یہی باتیں کرتے رہے۔ رشید متفق تھے کہ شعیب اور سمہ کا جوڑا بہت خوب ہے۔ بلکہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ شعیب کی ماں بہنیں اور دوسرے لوگ کبھی اس رشتہ کو قبول نہیں کریں گے۔ آن اور وقار کے معاملہ میں یہ خاندان پرانی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔

کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آصفہ کا فیصلہ یہ تھا کہ سمہ کے متعلق ان لوگوں کو صرف یہی بتایا جائے کہ رشید کی بھتیجی ہے۔ ماں باپ زندہ نہیں ہیں۔ اس لئے ذمہ داری انہی کی ہے۔ لڑکی بلاشبہ انمول ہیرا تھی۔ یہ کسی قدر شناس جوہری کے ہاتھوں ہی میں جانا چاہئے تھا۔

لیکن

ظلم تو یہ تھا۔ کہ اس ہیرے کے پس پشت جو کچھ تھا۔ اسے درگزر کرنا بھی آسان نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کا دوست عرفان سکوٹر پر پیچھے بیٹھا تھا۔ شعیب اسے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ دوبئی سے آیا ہوا تھا۔ وہاں ایک کلیدی پوسٹ پر تھا۔ شعیب اس سے سارا وقت بزنس ہی کی باتیں کرتا رہا تھا۔ پاکستانی مال کی کھپت کے امکانات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اب وہ اسے پیچھے بٹھائے سکوٹر اڑائے چلا جا رہا تھا۔

" یار میں ضرور دوبئی جاؤں گا۔" شعیب نے کہا۔

" ضرور ضرور. ساری ریاستوں کا چکر لگانا۔ کافی کام ملے گا تمہیں۔" عرفان نے جواب دیا

" منڈیاں خود ہی تلاش کرنا پڑیں گی۔ میں جن چیزوں کی ایکسپورٹ کرنا چاہتا ہوں۔ ان علاقوں میں ان کی واقعی بہت ڈیمانڈ ہے۔

" تم اتنا آرڈر پاؤ گے کہ سپلائی کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

" واقعی یار۔"

" ہاں۔"

وہ یہی باتیں کرتے جا رہے تھے کہ سامنے سے گاڑی آئی اور زن سے گزر گئی۔

" انکل رشید۔"

" کون۔ وہی تمہارے گرو۔"

" ہاں یار ان کی گائیڈنس نہ ہوتی تو میں آج اس مقام پر نہ ہوتا۔"

بہت اچھے لوگ ہیں۔ آنٹی بھی بہت اچھی ہیں۔"

" ساتھ بیوی تھی گاڑی میں۔"

" ہاں آنٹی آصفہ۔"

شعیب انکل اور آنٹی کے متعلق عرفان کو بتانے لگا۔ پھر اچانک ہی ایک خوش کن خیال اس کے ذہن میں آگیا۔" آنٹی اور انکل شہر کی طرف گئے ہیں غالباً آنٹی اپنی بہن کے ہاں گئی ہیں جن کے کل ہی بچہ ہوا ہے دونوں گئے ہیں۔ اور اور۔" سمہ کے گھر میں اکیلے ہونے

کے خیال ہی سے وہ سرشار ہو گیا۔

سمہ

جو ان دنوں اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی اور جسے دیکھنے کے لئے وہ بہانے بہانے آنٹی کے پاس روز ہی جانے لگا تھا۔

وہ دیکھ تو اسے روز ہی لیتا۔ دید کی ترسی آنکھیں اپنی پیاس بجھا لیتیں۔ لیکن سمہ جانے کس مٹی کی بنی تھی۔ اس بت میں حرکت پیدا ہوئی نا جنبش کی تھی۔ وہ اس کی باتوں کا جواب بھی نہیں دیتی تھی۔ باتیں جو عام سی ہوتی تھیں۔ کبھی کبھار کسی جملے کی ادائیگی ہو جاتی تھی۔

اور

جب کبھی وہ باتیں کرنے کی شعوری کوشش کرتا تو جانے کیا سمجھ کر وہ وہاں سے اٹھ ہی جایا کرتی۔ حالانکہ وہ اکیلے میں اس سے کبھی نہیں ملا تھا۔

اکیلے میں!

آج

آج اکیلے میں ملنے کا موقع ہاتھ آرہا تھا۔ خوشی سے اس کا من جھوم اٹھا۔ وہ آج سمہ سے دل کھول کر باتیں کرنے کا موڈ بنانے لگا۔ عرفان کو گھر چھوڑنے جارہا تھا لیکن اس کا جی چاہتا تھا اسے یہیں اتار دے۔ اور خود سمہ کے گھر کا رخ کرلے۔ دس بیس منٹ جو عرفان کو اس کے گھر چھوڑنے اور واپس آنے میں صرف ہونا تھے۔ شعیب سمہ کی معیت میں گزارنا چاہتا تھا۔

سڑک پر ٹریفک کافی تھی۔ کئی رکشے گزرے تھے۔ بس بھی جگہ جگہ بنے شاپوں پر رک رہی تھی۔ اور اب تو ویگن بھی اس روٹ پر چلتی تھی۔

اتفاق ہی سے عرفان کے گھر کی طرف جانے والی ویگن آتی دکھائی دی شاپ قریب ہی تھا۔ شعیب جلدی سے بولا۔ "عرفان۔"

"ہوں۔"

"برا نہ مانو گے۔"

"کس بات کا۔"

"یار تم اس ویگن میں بیٹھ جاؤ مجھے ایک بہت ضروری کام یاد آگیا ہے دس منٹ لیٹ ہو گیا تو۔"

"کوئی بات نہیں مجھے اتار دو۔ پہلے بتا دیتے میں وہیں سے رکشہ لے لیتا۔"

"پہلے یاد ہی نہ تھا۔ اچانک ہی یاد آگیا شکر ہے کہ یاد آگیا۔ ورنہ نقصان ہو جاتا۔"

"روکو نا۔"

سڑک کے کنارے شعیب نے سکوٹر روک لیا۔ عرفان اترا شعیب سے ہاتھ ملایا اور وعدے کی یاد دہانی کراتے ہوئے بولا "کل رات کھانے کے لئے آؤ گے نا۔"

"ضرور ضرور"

شعیب نے خدا حافظ کہا جواباً عرفان نے بھی خدا حافظ کہا۔ وہ شاپ کی طرف بڑھا ویگن آگئی تھی۔ وہ شعیب کو ہاتھ ہلاتے ہوئے ویگن میں بیٹھ گیا۔

شعیب گنگناتا ہوا مڑا اور انکل رشید کے گھر جانے والی سڑک پر مڑ گیا۔ خود غرضی بری چیز ہے۔ لیکن سمہ کو اکیلے میں ملنے کا تصور اتنا خوبصورت اور ایسا پرکشش تھا کہ اسے اپنے اس فعل کا کچھ زیادہ احساس نہ ہوا۔

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اور یہ دیوانی تو شعیب پر پورے زور و شور سے آرہی تھی۔ جنس مخالف کی کشش اور اہمیت کا احساس جاگ گیا تھا۔ لڑکیوں کی طرف کھنچنا اس کی عمر کا تقاضا تھا۔ وہ اس کمزوری کا مظاہرہ اکثر کرتا تھا۔ جب بھی ظفر بھائی کے گھر جاتا ان کی سانولی سلونی رابعہ اپنی مقناطیسی کشش سے اسے اپنی جانب کھینچتی۔ تایا ابو کے ہمسایہ میں رہنے والے افغان خاندان کی زرغونہ گوری چٹی موٹی تازی لڑکی بھی اسے اچھی لگتی تھی۔ وہ جب بھی تایا ابو کے گھر جاتا چند لمحے سکوٹر کو ضرور پھٹ پھٹ کرنے دیتا۔ یہ آواز ہی علامت تھی زرغونہ جہاں بھی ہوتی بھاگ کر دروازے میں آن کھڑی ہوتی۔ پھر نگاہوں کا نگاہوں سے اور مسکراہٹوں کا مسکراہٹوں سے تبادلہ ہوتا۔ شعیب کی اپنی کلاس فیلو لڑکیوں سے بھی رومانوی سی دوستی رہ چکی تھی۔ ہالہ کی شادی نہ ہوجاتی تو دوستی معاشقہ ضرور بن جاتی۔ اور وہ دبلی پتلی لمبی سی نیرا۔ وہ تو اس پر فدا ہی ہوگئی تھی۔ وہ تو شاہدہ کے میاں رازدان ہوگئے اور بہنوں نے شعیب کے کان خوب کھینچے تو اس نے نیرا سے پیچھا چھڑا لیا۔ عمر کا یہ جذباتی دور تھا۔ جذبات کے ہر روز ریلے آتے اور اس کو اپنے ساتھ بہا لے جاتے۔

لیکن

جب بھی۔

جہاں بھی۔

رکاوٹ پیدا ہوتی۔ یا ڈانٹ ڈپٹ پڑتی۔ شعیب صاحب کانوں پر ہاتھ رکھ کر کنارے ہو جاتے۔ ساتھ توڑنے کا قلق ہوتا ضرور لیکن دلچسپی کے اور سامان پیدا ہو جاتے۔

نیرا تو بہت سنجیدہ ہوگئی تھی۔ شعیب نے جب ساتھ چھوڑا تو اس کی دنیا اندھیر ہوگئی

-دکھے دل سے وہ اسے ہر وقت کوستی -اس نے اتنی بددعائیں اسے دیں کہ خود شاید بددعاؤں کا بھی دل کانپ گیا ہوگا -

جذباتی دھاروں پہ بہنے میں شعیب کا بھی کچھ زیادہ قصور نہ تھا -وہ ایک وجیہہ و شکیل نوجوان تھا- تعلیم یافتہ بھی تھا-اور بزنس بھی سٹارٹ کر لی تھی -اس کی شخصیت بڑی مسحور کن بن گئی تھی - لڑکیاں اس پر فریفتہ ہو جاتی تھیں- کچے دھاگے سے بندھی چلی آتی تھیں -ڈھکا چھپا رومان شعیب کو بھی اچھا لگتا تھا -وقتی خوشی کو پکڑنے کے لئے وہ خود بھی کوشاں رہتا -

بہت سے ادھورے کھیل وہ کھیل چکا تھا-ماں جی اور خاص طور پر زاہدہ آپا کا ڈر نہ ہوتا تو شاید وہ یہ کھیل خوب کھیلتا- جوان اور متلاشی نگاہیں اپنی دلچسپی کا سامان ڈھونڈ لیتی تھیں -کچھ دن تو وہ ممانی کی بہن کے ہاں بھی اسی دلچسپی کے لئے جاتا رہا تھا کہ ان کے ہاں ایک جوان اور توبہ شکن سراپا والی خادمہ تھی -وہ تو زاہدہ سر ہوگئی تھی کہ تیرا ممانی کی بہن کے ہاں جانے کا کیا جواز ہے کیا رشتہ ہے -

وہ اس ڈانٹ سے ڈر گیا تھا۔

لیکن

یہ بات ضرور تھی کہ شعیب کی زندگی میں دلچسپی اور شوق کا سامان بن کر اب تک جتنی لڑکیاں آئی تھیں - وہ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا- زیادہ تر نظر بازی اور مسکراہٹوں کے تبادلے ہی رہے تھے -وہ کبھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا- لیکن سمہ کی بات اور تھی -یہ پر کشش سی سوگوار سی لڑکی اس کے من میں اتر گئی تھی -وہ صبح و شام اس کے خیالوں میں غرق رہنے لگا تھا-اس لڑکی نے جرات نہیں دلائی تھی- کسی ردعمل کا اظہار بھی نہیں کیا تھا-بلکہ سرے سے وہ تعلق کی کوئی شبہ ہی نہ دیتی تھی -

پھر بھی -

وہ اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا- دل نے پہلی دفعہ سوز و گداز محسوس کیا تھا- وہ محبتوں اور چاہتوں کی دلنوازی کو پہلی دفعہ محسوس کررہا تھا-گیٹ کے اندر آکر اس نے پورچ میں سکوٹر کھڑا کر دیا -دروازہ کھلا تھا اس نے دھیرے سے تھپتھپایا -

چھوٹے ملازم لڑکے بلے نے دروازہ کھول دیا -

"سلام صاحب -" اس نے سلام کیا -

" سلام -" وہ اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے لاؤنج کیطرف آگیا-اس کی خوشی سرشاری سے جھوم اٹھی -

سمہ لاؤنج میں ہی تھی - قالین پر بیٹھی تھی- ٹیک صوفے سے لگا رکھی تھی -فریم پر کوئی کپڑا تنا تھا- جس پر شاید پھول بنا رہی تھی -چھوٹی سی ٹوکری میں رنگین دھاگے تھے -رنگدار پھولوں والی نمونے کی کتاب کھلی تھی -کچھ کاغذ اور قینچی بھی قریب پڑے تھے -

لاؤنج کی پچھلی دیوار پورے شیشے کی تھی -اس کے پردے سمٹے ہوئے تھے --سہ پہر ہو رہی تھی -لاؤنج میں کافی روشنی تھی -شاید ہیٹر جلتا رہا تھا -اس لئے گرم بھی خوب تھی -

درمیانی میز پر چائے کی خالی پیالی پڑی تھی -ساتھ ہی کچھ میگزین رکھے تھے --ڈیک آن تھا- اور کوئی خوبصورت سی دھن بڑے ہی دھیمے انداز میں بج رہی تھی -

شعیب نے اسے دیکھتے ہی زور دار سا سلام کیا -

اس نے سر اٹھایا شعیب کو دیکھا اور آہستگی سے بولی -" آنٹی گھر پہ نہی ہیں -"

" اور انکل -"شعیب نے جان بوجھ کر کہا- وہ اس بت کافر سے باتیں کرنے کے موڈ میں تھا -

" وہ بھی نہیں ہیں -"

" کہاں گئے ہیں -"

" شہر-"

"کیوں-"

" آنٹی اپنی بہن کو دیکھنے گئی ہیں -"

-وہ چند لمحے کھڑا رہا- پھر جھک کر میز پر سے میگزین اٹھاتے ہوئے بولا-"کب واپس آئیں گے -

" پتہ نہیں--شاید شام کو آئیں-"

"ہوں -"

" کام تھا آپ کو-"

" نہیں - کوئی خاص نہیں - انہیں شہر کی طرف جاتے دیکھا تھا -اس لئے ادھر چلا آیا "

" جی ؟"

" سمہ کی خوبصورت آنکھیں ایک لمحہ کو پھیل گئیں -اس نے ایک دم کہنا چاہا-" آپ جانتے تھے وہ گھر پہ نہیں ہیں ؟ "

لیکن

وہ کچھ کہہ نہ سکی -شعیب کی خوبصورت آنکھیں اتنے خوبصورت پیغام دے رہی تھیں

-اسکی مسکراہٹ اتنی جاندار تھی کہ کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکی -

سمہ بچی نہ تھی -اور پھر یہ تو جذبے ہوتے ہیں جو خود بخود دوسرے جذبوں کی زبان سمجھ لیتے ہیں -آنکھیں سارے راز اگل دیتی ہیں -سچائی اگلنے میں تو کبھی بخل سے کام لیتی ہی نہیں -

سمہ کی آنکھوں میں بھی لمحاتی سی چمک لہرائی -لیکن دوسرے ہی لمحے وہ گھبرا گئی -پریشانی صاف طور پر اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی -شاید آنکھوں میں چمک لہرانے کا اسے حق نہیں پہنچتا تھا -

بڑے دکھ سے اس نے آنکھیں جھپکائیں- پھر فریم ہی کی طرف متوجہ ہو گئی -حالانکہ شعوری کوشش کے باوجود اس کا رواں رواں شعیب کی طرف توجہ مبذول کئے تھا -

" بیٹھ سکتا ہوں -" شعیب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا -

" جی- بیٹھ- بیٹھئے -"

وہ بیٹھ گیا- سمہ نے سلائی کی چیزیں سمیٹنا شروع کردیں -

" چائے ملے گی ؟" وہ اسے دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا -

خیرو چاچا سے کہتی ہوں -وہ اٹھتے ہوئے بولی -

خیرو چاچا نہیں ہیں باجی جی - دروازے میں کھڑا بلا بولا-

"کہاں گیا-" سمہ نے پوچھا-

" اپنے کوارٹر میں کپڑے دھو رہا ہے-" وہ بولا -

" تو بلاؤ اسے ہم تو چائے ضرور پئیں گے-" شعیب نے سمہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہہ دیا -

" میں بنا لاؤں-"بلا بولا -

"نہیں میں خود بنالوں گی-" سمہ نے کہااور ٹوکری سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کچن میں چلی گئی -

شعیب دزدیدہ نظروں سے اس کو دیکھتا رہا-اس کی نظریں اس کی گلابی ایڑیوں میں الجھ کر رہ گئیں -گداز گداز ایڑیاں جو ریشم کی طرح ملائم اور پھولوں کی طرح گلابی تھیں -کالے چپل میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں -

وہ کچن میں چلی گئی-

شعیب وقت گزاری کے لئے میگزین دیکھنے لگا- سمہ کا یہ التفات بڑا ہمت افزا تھا-اس کے ہاتھوں کی بنی چائے اس کے سنگ بیٹھ کر پینے کے تصور ہی سے وہ سرشار ہو رہا تھا -

سمہ نے دونوں چولہے جلائے -ایک طرف پانی کی کیتلی رکھی -دوسری طرف دودھ کی دیگچی- پانی کھولنے تک اس نے ٹرے پر چائے کے برتن رکھ لئے -بسکٹ اور نمکین خطائیاں بھی پلیٹوں میں رکھیں کچھ ڈرائے فروٹ بھی ڈش میں ڈالا -

چائے کے لئے اس نے صرف ایک پیالی رکھی -

اور -

جب چائے تیار ہوگئی تو بلے کو بلایا -

" جی باجی جی -" وہ لپک کر آیا -

" یہ لے جاؤ - صاحب کے سامنے رکھ دو جاکر -"

"اچھا جی -"

" وہ ٹرے لئے لاؤنج میں آیا- سمہ بھی باہر نکلی -لیکن ادھر آنے کی بجائے وہ سیڑھیوں کی طرف گھوم گئی -

اور

جب بلے نے چائے شعیب کے سامنے رکھی وہ کمرے میں جا چکی تھی -

شعیب چند منٹ اس کے نیچے آنے کا انتظار کرتا رہا-

" بھئی بلے -" اس نے انتظار سے اکتا کر کہا -

" جی صاحب جی -"

" اپنی باجی کو بھی بلاؤ- چائے ٹھنڈی ہوجائے گی -"

" اچھا جی-"

وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر گیا-شعیب گھماؤ دار زینے کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا- لیکن

وہ نہیں آئی بلا آگیا-

"کیوں-" شعیب نے بے صبری سے کہا -

" وہ کہتی ہیں آپ چائے پئیں وہ پی چکی ہیں -"

شعیب کا دل بجھ گیا- فرار کی یہ راہ بھی خوب تھی -اسے سمہ پر غصہ بھی آیا کتنی خوشی اور جوش مسرت سے وہ یہاں آیا تھالیکن - لیکن -

وہ اک جھٹکے سے اٹھا -میز ایک طرف جھٹکے ہی سے ہٹائی -اور چائے پئے بغیر باہر چلا گیا -

تھوڑی دیر بعد وہ سکوٹر اڑائے سڑک پر جارہا تھا۔
گھر یا آفس ؟
یہ اس نے فیصلہ نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

خط ہاتھ میں لئے رشید اندر آئے - آصفہ اپنے بیڈروم میں تھی - اپنی وارڈ روب صاف کر رہی تھی - ہینگروں میں لٹکے کپڑے اور ساڑھیاں کچھ بے ترتیب سے ہو رہے تھے ۔سمہ اس کام میں اس کی مدد کر رہی تھی -

" یہ کپڑے تو استری کر کے رکھنے چاہئیں - آنٹی انہیں رہنے دیں - میں استری کر دوں گی -"

" نہیں ،سمہ - بلا استری کر لیتا ہے - بلکہ میں تو تمہیں کہنے والی تھی کہ اپنے کپڑے بھی اسے دیا کرو استری کرنے کے لئے تم کیوں کرتی ہو -"

"کوئی بات نہیں آنٹی ویسے بھی بیکار بیٹھے بیٹھے بور ہوجاتی ہوں -"

" میرے خیال میں تم داخلہ لے لو - بی اے کرلو اچھا ہی ہے -"

،سمہ کے چہرے پر تاریک سے سائے لہراگئے - بے دلی سے بولی ابھی تو حواس ہی ٹھکانے پہ نہیں آرہے- پڑھوں گی کیا-"

" تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا ،سمہ - یوں نہیں چلے گا-بھول جاؤ سب باتیں وہ -"

" کیسے بھول جاؤں آنٹی - اس نے ایک گہری سانس لی -اور اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوگئے - وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی -ہاتھ میں پکڑی ساڑھی پھسل کر قالین پر آرہی -

" ،سمہ -" آصفہ نے گھوم کر اسے دیکھا -

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرا کر رونے لگی -

آصفہ کپڑے چھوڑ کر اس کی طرف آئی -اس کے برابر بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے - ہاتھوں سے چہرہ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی -"بری بات ،سمہ - بس چپ ہوجاؤ - یہ کیا ہوا اچھی بھلی باتیں کر رہی تھیں- بیٹی اس طرح تو وقت نہیں گزرے گا - حوصلے اور ہمت سے کام لینا ہوگا- تم نے پہاڑ سی زندگی گزارنی ہے -خدا کرے - کوئی نیک شریف انسان مل جائے - تو -"

"آنٹی - پلیز -" اس نے روتے روتے فریاد سی کی -

"سمہ - دیکھو تم -"

وہ کچھ کہنے کو تھی کہ رشید نے لاؤنج سے آواز دی "آصفہ - بھئی کہاں ہو -"

ادھر ہوں جی اپنے بیڈ روم میں - کیا بات ہے - اس نے وہیں سے جواب دیا -

پھر سمہ سے بولی - "بس روؤ نہیں آنکھیں پونچھ لو - تمہارے انکل متفکر ہو جائیں گے وہ تو چاہتے ہیں - تمہیں اپنے بچوں کیطرح رکھیں - تمہارے مستقبل کی سوچ بھی ان کے ذہن میں ہے - وہ تو -"

یہ کیا ہو رہا ہے - انہوں نے کمرے میں بکھرے کپڑوں کیطرف دیکھا - "حسب عادت الٹ پلٹ ہو رہی ہے -"

"جی ہاں -"

رشید نے سمہ کی طرف دیکھا - وہ سر جھکائے بیٹھی تھی -

"کیا ہوا -" انہوں نے جلدی سے پوچھا -

"کچھ نہیں -" آصفہ جلدی سے بولی - "پگلی ذرا سی بات پہ رو دیتی ہے -"

"نہیں بیٹے -" رشید نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا -

"انکل -" اس کا دل بھر بھر آرہا تھا - وہ بے اختیارانہ رو دی -

"آصفہ اور رشید اس کے دونوں طرف بیٹھ گئے - اور پیار سے اسے سمجھانے لگے - وہ جتنا سمجھا رہے تھے - جتنا پیار کر رہے تھے - اسے اتنا ہی رونا آرہا تھا - بعض اوقات نرم نرم پھاہوں سے بھی تو زخم دکھ جاتے ہیں نا -

"یہ خط آیا ہے -" رشید نے خط آصفہ کی طرف بڑھایا -

"کس کا ہے اس نے خط لیتے ہوئے پوچھا - رابعہ کا یا کاشی یا تشی کا -"

"رشید ماں کی بے تابی دیکھ کر مسکرائے پھر بولے - "تمہارے کسی بچے کا نہیں ہے

"سمہ کے چچا کا ہے -"

"ہارون چچا کا -" سمہ روتی آنکھوں سے خط دیکھتے ہوئے بولی -

"ہاں -"

"یو کے سے آیا ہے -"

"ہاں -"

آصفہ خط پڑھنے لگی - سمہ نے آنکھیں پونچھ ڈالیں وہ خط کے متعلق جاننے کو بے تاب تھی -

"کیا لکھا ہے انہوں نے -" اس نے پوچھا -

"تمہارے متعلق ہی لکھا ہے -" وہ بولے -

"آصفہ خط پڑھ چکی تھی - اس نے نیلا کاغذ سمہ کی طرف بڑھا دیا -

سمہ کی نظریں خط کی سطروں پر رینگنے لگیں -

"یہ تو سمہ کی مرضی پر ہے -" آصفہ ڈریسنگ ٹیبل کے سٹول پر بیٹھتے ہوئے رشید سے بولی -

"ہاں - ویسے میں - " رشید کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سمہ خط تہہ کرتے ہوئے بولی "انکل بہتر یہی ہے کہ میں ہارون چچا کے پاس چلی جاؤں -"

"میں نے تو یہی کہا ہے کہ تمہاری مرضی پر ہے -" آصفہ نے کہا "ویسے جی تو نہیں چاہتا کہ تم جاؤ -"

"آنٹی - آپ کی محبت کی میں شکر گزار ہوں - لیکن - میں - میں یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں - وہاں -"

"شاید تمہاری سوچ صحیح ہو وہاں تمہارے حالات یہاں سے بہتر ہو سکتے ہیں -" رشید بولے "یہاں تو رشتہ داروں اور جاننے والوں ہی نے جینا حرام کر دیا ہے -"

"ہاں انکل - جو لوگ مجھ سے ہمدردی بھی کرتے ہیں نا مجھے ان سے خوف آتا ہے میں ایسی ہمدردی نہیں چاہتی جس میں آزار دہ چبھن ہو طنز و تمسخر نظر آتا ہو -

رشید نے پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا "تم ان الجھنوں سے اپنے ذہن کو آزاد رکھنے کی کوشش کیا کرو بیٹی - اور تم کر بھی کیا سکتی ہو -"

"میں باہر جانا چاہوں گی انکل - ہارون چچا کے پاس وہاں مجھے جاننے والا تو کوئی نہ ہوگا لوگ میری بیک گراؤنڈ سے تو آگاہ نہ ہوں گے میں وہاں پڑھ بھی سکوں گی - اپنی سٹڈیز جاری رکھ سکوں گی - یہاں - یہاں آپ کی محبتوں اور شفقتوں کے باوجود مجھے چین نہیں ملتا سکون میسر نہیں آتا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے - وسوسہ دھڑکا انکل میں یہاں نہیں رہ سکتی مجھے معاف کر دیجئے گا میں آپ کی محبتوں کا یہ جواب دے رہی ہوں -"

"میری بچی - تم جو کچھ کہہ رہی ہو - ٹھیک کہہ رہی ہو -"

رشید کو بیچاری لڑکی پر بڑا ترس آرہا تھا -

آصفہ بھی آزردہ سی ہو گئی - سمہ کے حالات تو جو تھے - اس کے آنے سے تنہائی کا رفیق مل گیا تھا - یہ پیاری سی لڑکی اسے دل سے اچھی لگنے لگی تھی -

رشید چند منٹ ہارون کی پیشکش کے متعلق باتیں کرتے رہے پھر اٹھتے ہوئے بولے
ٹھیک ہے میں جواب لکھ دیتا ہوں کہ تم اس کے پاس جانا چاہتی ہو پاسپورٹ اور ویزے ۔"
ہائے آپ تو ایک دم ہی اسے بھیجنے کے درپے ہوگئے۔ آصفہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

" تم تو یقیناً نہیں چاہو گی کہ سمہ چلی جائے ۔"

" ہاں بالکل نہیں چاہوں گی ۔"

سمہ نے سر جھکا لیا۔ خلوص اور پیار کو درگزر کرنا آسان تو نہیں ہوتا اسے کچھ خفت سی محسوس ہو رہی تھی۔ ہارون چچا کا خط پڑھتے ہی اسے اپنا فیصلہ نہیں سنا دینا چاہئے تھا۔

آصفہ خود ہی بولی۔ " ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ یہاں ہی کوئی صورت نکال دے اس کا مطلب رشید سمجھ گئے۔ لیکن وہ اس کی طرح پر امید نہیں تھے رشتہ کرتے وقت یہاں جو مین میخ نکالی جاتی تھی۔ اس سے آگاہ تھے۔ سمہ کے حالات کسی طور ایسے نہ تھے کہ آنکھیں بند کرکے اس کے ساتھ کوئی بھی ازدواجی بندھن جوڑ لیتا ۔

آصفہ کی نگاہ شعیب پر تھی ذہن میں اس وقت اسی کا خیال تھا اسی لئے بولیں " شعیب کئی دنوں سے نہیں آیا " یہ بات اس نے بے موقعہ سی کی اسی لئے رشید نے اس کی طرف ذو معنی نظروں سے دیکھا آصفہ بولی۔

" کہاں تو روز چکر لگاتا تھا ۔"

" میں آج اس کے آفس گیا تھا ۔"

" بہت مصروف ہے ؟۔"

" ہاں کام ملا ہے اسے ۔"

" ایسی بھی کیا مصروفیت ۔"

"محنتی لڑکا ہے بہت کامیاب رہے گا ۔"

" آج ان کے ہاں چلیں گے ذرا میں اس کے کان کھینچوں گی کہ ایسی بھی کیا مصروفیت .. یہاں آنا ہی بھول گیا شیطان کہیں کا۔ " وہ شعیب کی باتیں کر رہے تھا سمہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ جانتی تھی کہ شعیب کیوں نہیں آرہا۔

وہ یقیناً اس سے خفا ہوگیا تھا۔ چائے بھی جوں کی توں چھوڑ گیا تھا۔ اس روز اس کے بعد آیا ہی نہیں تھا۔ اسے تو اسی دن سے اس کی خفگی کھٹک رہی تھی ۔

لیکن ۔

وہ کیا کرتی ۔

یہی کر سکتی تھی نا ۔

وہ اٹھ کر کپڑے سمیٹنے لگی۔ رشید ہارون کا خط لے کر اٹھے ۔

" ابھی انہیں یہ نہ لکھئے گا کہ ہم سمہ کو بھیج دیں گے " آصفہ بولی سمہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا ۔

لیکن چپ رہی ۔

" اچھا بھئی ۔ سوچ لو تم بھی اور سمہ بھی ۔ فی الحال اس خط کا جواب نہیں دیتا دو چار ن بعد سہی ۔"

" ہاں ۔ یہاں ہم بھی اپنی جگہ کوشش کر لیں ۔"

"اچھا ۔ "

" بس فی الحال آپ یہی جواب دے دیں کہ سوچ کر بتائیں گے ۔"

" ہوں ۔"

وہ خط لئے باہر نکل گئے ۔

آصفہ قالین پر سے سفید سلک کی ساڑھی اٹھا کر تہہ کرنے لگی اس کے ذہن میں وچوں نے ہلچل مچا دی تھی ۔

☆ ☆ ☆

ریٹ کی کوئی گڑ بڑ تھی شعیب نے پہلے تو فون پر ہی سٹور کے مینجر سے بات کرنا چاہی لیکن پھر خود جاکر تفصیلات معلوم کرنے کا سوچا اس نے ضروری کاغذات فائل میں رکھے اور اپنے کلرک زیدی سے کہا۔ "میرے آنے تک تم یہ لسٹ تیار کرو آج ہی ریٹ لسٹ ڈسپیچ ہو جانا چاہئے اس آئیٹم کو چھوڑ دو میں خود پتہ کرکے ابھی آتا ہوں تم باقی کام نپٹا لو۔"

"بہتر۔" زیدی فائیلیں اپنے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

شعیب فائل اٹھائے باہر آگیا ان دنوں اس نے تایا ابو کی اس بلڈنگ کا ایک کمرہ آفس کے طور پر لیا ہوا تھا بڑی بڑی جہازی سائز بلڈنگوں میں دفاتر کی جگہیں موجود تھیں لیکن وہ مالی طور پر ابھی اس قابل نہیں تھا۔ ویسے پینوراما یا واپڈا ہاؤس میں شاندار سا آفس بنانے کی اس نے نیت کی ہوئی تھی۔ اور اس کے لئے وہ وقت کو ڈھیل دے رہا تھا۔ اپنے کام کو لگن سے کررہا تھا۔ اور اچھے وقت کی توقع قوی یقین بن کر ذہن میں پل رہی تھی۔ ان دنوں وہ کلاتھ ایکسپورٹ کر رہا تھا۔ اس کا مالک دو فرموں نے پسند کیا تھا۔ اور ایک بہت بڑے آرڈر کی توقع ہو رہی تھی۔

وہ فائل لے کر باہر نکل آیا ایک طرف ڈیوڑھی نما برآمدے میں اس کا سکوٹر کھڑا تھا فائل کیریر پر رکھی اور سکوٹر لے کر باہر نکل گیا اس تنگ سے بازار میں بھی اس وقت خاصی بھیڑ تھی گیارہ بج چکے تھے۔ اور کام دھندا شروع ہو چکا تھا۔

وہ سکوٹر پر بیٹھا اور گنجان آباد علاقے سے بڑے محتاط انداز میں سکوٹر چلاتا بیرونی سڑک پر آگیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گلبرگ مارکیٹ میں تھا مطلوبہ سٹور کے برآمدے کے سامنے اس نے سکوٹر روکا کیریئر سے فائل نکال رہا تھا کہ اس کی نگاہ سامنے برآمدے پر پڑی۔

سمہ ہاتھ میں بڑا سا بیگ اٹھائے جنرل مرچنٹ کی دکان کیطرف جارہی تھی۔

وہ شاید شاپنگ کے لئے آئی تھی شعیب نے ادھر ادھر دیکھا انکل کی گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ نہ ہی اس نے آنٹی کو دیکھا۔ سمہ اکیلی ہی آئی تھی۔ اس نے کالے رنگ کا

بڑے جاندار رنگوں کے پھولوں والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹہ کندھوں پر تھا اور گہرے گلابی رنگ کی پھولوں سے ملتی جلتی سویٹر پہن رکھی تھی۔

وقتی طور پر شاید شعیب کو بھول ہی گیا کہ وہ اپنے کسی کام کے سلسلہ میں مینجر سے ملنے آیا ہے سکوٹر اس نے لاک کیا فائل اٹھائے اور تیز تیز قدم اٹھاتا درمیانی راستہ عبور کرکے دوسرے برآمدے میں آگیا۔

وہ دکان کے اندر جا چکی تھی۔ اور کاؤنٹر پر کھڑی سیل مین سے مطلوبہ چیزیں دکھانے کو کہہ رہی تھی۔ اس طرف کاسمیٹکس ہی تھے۔ شیمپو نیل پالش اور کچھ اس قسم کی چیزیں سیل مین اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ دکان میں کچھ گاہک بھی تھے۔ اور مستعد سیل مین ان کو مطلوبہ چیزیں دکھا رہے تھے۔

شعیب کو لینا تو کچھ تھا نہیں۔ وہ تو ان دیکھی ان جانی سی کشش کے تحت اور اس پر یہ بھی ظاہر کرنا تھا۔ کہ اس دن کی بے التفاتی اس کو شاق گزری تھی۔

وہ اسی کاؤنٹر کی طرف آگیا اپنی فائل سمہ اور اپنے درمیان رکھی۔

"یہ شیونگ کریم نکالنا بھئی۔" اس نے نیویا شیونگ کریم مانگی آواز سن کر سمہ گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اور وہ۔ آفٹر شیو لوشن بھی یہ۔ یہ والا۔" اس نے سمہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شلف میں رکھے لوشن کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

سیل مین نے دونوں چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں اس نے شیونگ کریم نکال کر دیکھی لوشن کی خوشبو سونگھی سمہ نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ قطعاً اس کیطرف متوجہ نہ ہوا۔

سمہ نے شیمپو اور آنٹی کی لئے صابن اور نیل پالش خریدا چیزیں پیک کروائیں۔

شعیب بھی وہیں کھڑا رہا کبھی ایک چیز نکلوائی کبھی دوسری اور جب سمہ چیزیں اٹھا کر مینجر کے کاؤنٹر پر پیسے دینے آئی تو وہ بھی اپنا پیکٹ اور فائل اٹھائے آگیا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے۔

"آپ۔" سمہ نے اسے متوجہ کرنے کو کہہ ہی دیا۔

وہ کاؤنٹر پر سے ریزگاری اور بقیہ رقم اٹھاتے ہوئے اجنبیت سے بولا۔ "آپ نے کچھ فرمایا۔"

وہ جذبز ہوئی۔ "ہاں۔"

"فرمائیے۔"

وہ اپنی چیزیں اٹھا کر باہر جانے لگی پیسے اس نے ادا کر دیئے تھے ۔ شعیب جلدی سے اس کے پیچھے لپکا دروازے سے دونوں تقریباً ساتھ ساتھ ہی نکلے ۔

" آپ نے کچھ کہا تھا۔ شعیب نے جلدی سے بولا ۔

سمہ نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی پھر نگاہوں کے ساتھ سر بھی جھکاتے ہوئی بولی۔ آپ اب آنٹی کی طرف نہیں آتے ۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ " ہاں ۔"

"کیوں۔" اس نے کہا ۔

" جہاں انسان ان وانٹڈ ہو وہاں جانے سے فائدہ ۔ " وہ جلدی میں کہہ گیا اس کی آواز میں شکوہ تھا۔ سمہ بے چین ہوئی ۔ پھر آہستگی سے بولی " آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے آنٹی تو آپ کی ہمیشہ منتظر رہتی ہیں ۔"

" آنٹی کے علاوہ بھی تو وہاں لوگ بستے ہیں اس نے گلہ کیا ۔"

" ان لوگوں کی کوئی وقعت نہیں شعیب صاحب۔" وہ سرد لہجے میں بولی " ان کی وجہ سے اپنے مراسم خراب نہ کریجئے گا ۔"

" میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ۔"

" آنٹی اور انکل ۔"

" جی ہاں ۔ وہ میرے لئے چشم براہ ہوتے ہیں۔ کل آنٹی نے مجھ سے بہت گلہ بھی کیا مجھے ان کی خاطر آنا ہی پڑے گا ۔"

اس نے گوشہ چشم سے اپنی بات کا اثر دیکھنے کے لئے سمہ کو دیکھا وہ ابھی کچھ کہہ نہ پائی تھی کہ ایک لنگڑا فقیر برآمدے کے فرش پر اپنے بیکار وجود کو گھسیٹتا دونوں کے سامنے آگیا اور ہاتھ پھیلا کر بولا ۔

" اللہ جوڑی سلامت رہے ۔ پھولے پھلے شاد آباد رہے ۔"

شعیب کو ہنسی آگئی۔ سمہ کا چہرہ شرمیلی گھبراہٹ سے بھیگ سا گیا شعیب نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکالا ذرا سے جھک کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہو بولا " لو بابا لیکن سن لو بغیر جانے بوجھے اتنی مقدس دعائیں نہ دیا کرو ۔"

سمہ نے بڑے کرب سے شعیب کو دیکھا۔ وہ چند قدم بڑھا کر آگے ہوگئی شعیب بھی بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ آگیا۔ وہ بڑا مسرور نظر آرہا تھا۔ شاید سمہ بھی اس کی قربت سے فرحت محسوس کر رہی تھی۔ جبھی تو وہ اس کے ساتھ قدم اٹھانے لگی تھی ۔

" مطلب برآری کے لئے کیا باتیں گھڑ لیتے ہیں یہ لوگ۔ " شعیب نے کن آنکھوں

سے سمہ کو دیکھا۔

" آپ نے کس خوشی میں اسے پانچ روپے تھما دیئے۔ " وہ ہولے سے بولی شعیب چند ثانئے چپ رہا۔ پھر آنکھوں میں پیاری سی چمک لہراتے ہوئے بولا۔ " چلو ۔ دل تو خوش کر دیا تھا اس نے ۔"

سمہ ایک بار پھر گلابی ہوگئی۔ لیکن سنبھل کر بولی۔" بے کار باتیں دل خوش نہیں کرتیں یہ

" بے کار کیوں ؟ ۔"

وہ کچھ نہیں بولی اک نگاہ غلط انداز سے اس پر ڈالی اور بولی۔" آپ یہاں کیسے آئے تھے ۔"

"کچھ کام تھا ۔"

"کر لیا ۔"

"کروں گا ۔"

وہ برآمدے کے ستون کے قریب کھڑی ہوگئی شعیب بھی رک گیا۔

" آپ نے اور شاپنگ کرنی ہے ۔"

" اس نے نفی میں سر ہلا دیا ۔

"گھر جائیں گی ۔"

" ہاں ۔"

" میں ۔ میں سکوٹر پر ہوں ورنہ چھوڑ آتا ۔"

"شکریہ ۔ ابھی آنٹی یہاں آجائیں گی ۔"

" وہ کہاں گئی ہیں ۔"

" سودا سلف لینے مجھے یہاں ڈراپ کر گئی تھی ۔"

"کب آئیں گی ۔"

" آنے والی ہوں گی۔ دس پندرہ منٹ میں یہاں انتظار کروں گی۔" اس بے سمہ کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔ " برا نہ منائیں تو آنٹی کے آنے تک میں یہیں رکوں ۔"

وہ چپ ہوگئی۔ اپنے بیگ کو ڈوریوں کو مسلتے ہوئے سر جھکالیا ۔

پھر آہستگی سے بولی۔ " آپ اپنا کام کریں میں یہیں آنٹی کا انتظار کر لوں گی ۔"

سمہ ۔ شعیب کو ایک دم جھلاہٹ ہوئی ۔

وہ سڑک پر آنے جانے والوں کو دیکھتے ہوئے صرف "ہوں۔" کہہ سکی ۔

"آپ - آپ - مجھے گوارہ نہیں کرتیں۔" وہ جھلا کر بولا -

وہ ایک دم کچھ نہ کہہ سکی اس کی آنکھوں میں دکھ کی کیفیت لہرائی -

ایک کپکپا دینے والی ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ "کچھ بدنصیب لوگ گوارہ کرنے یا نہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے -"

"سمہ -" وہ اس کی بات سے سخت بے چین ہوا -

"سمہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اس نے غیر محسوس سی حرکت کی اور رخ پوری طرح دوسری طرف پھیر لیا -

دکانوں میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا تھا۔ برآمدے میں بھی عورتیں لڑکیاں اور جوان مرد آجا رہے تھے۔ کوئی شوکیسوں کے سامنے کھڑا صرف چیزیں ہی تک رہا تھا۔ کوئی شاپنگ کئے ہوئے سامان کو اٹھائے چلا جا رہا تھا -

شعیب اپنی بے چینی کا اظہار اتنے لوگوں میں نہیں کر پا رہا تھا۔ سمہ بھی مضطر تھی۔ وہ اس سے کھل کر بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے دل میں تہیہ ضرور کر لیا کہ سمہ کی سوگواری کی وجہ دریافت کر کے رہے گا۔ اس لئے جب اسے سامنے سے آنٹی کی گاڑی آتی دکھائی دی تو وہ جلدی سے سمہ سے بولا -

"میں آج شام آؤں گا -"

سمہ نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اور پھر تیزی سے سڑک کی طرف بڑھی جس کے دوسری طرف آنٹی گاڑی پارک کر رہی تھیں -

☆ ☆ ☆

کئی دنوں کی تگ ودو کے بعد آج سمہ سے تنہائی میں بات کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ شعیب نے روز ہی آنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اکثر شامیں انکل اور آنٹی کی معیت میں ہی گپ شپ لگاتے گزری تھیں۔ سمہ بھی وہیں ہوتی۔ لیکن اس سے براہ راست بات کرنے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ ویسے بھی انکل اور آنٹی کے سامنے وہ اتنی جرات نہیں کر پاتا تھا۔ بات میں بات ہو جاتی تو ہو جاتی لیکن بات میں بات ہونے سے اس کے دل کی بات تو نہ بنتی تھی۔

لیکن

آج شاید اس کی لگن اور خلوص رنگ لائے تھے۔ وہ حسب معمول دفتر سے اٹھ کر ادھر آیا تھا۔ شام اترنے کو تھی اور جاتی سردیوں اور آتی بہار کے سنگم کے دن تھے ہوائیں خوشبوؤں سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ دھوپ کا سنہری پن خاتمے کے وقت کچھ اور نکھر رہا تھا۔

وہ گیٹ میں داخل ہوا سکوٹر پھٹ پھٹ کرتا پورچ میں آن کھڑا ہوا گاڑی وہیں کھڑی تھی اسے اندازہ ہوا کہ آنٹی اور انکل گھر پہ ہی ہیں تھوڑی سی بوریت کا احساس ہوا......

لیکن

وہ ابھی سکوٹر سٹینڈ پر کھڑا ہی کر رہا تھا۔ کہ بلا دروازہ کھول کر باہر آگیا......

"سلام صاحب جی۔" وہ سلوٹ کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا -

"سلام - اس نے سکوٹر کھڑا کر کے جواب دیا......"

"صاحب گھر پہ نہیں ہیں جی ...." وہ جلدی سے بولا -

"دفتر میں ہیں -"

"نہیں جی -"

"کہیں گئے ہیں -"

"ہاں جی -"

"آنٹی ہیں گھر پہ -"

"وہ بھی گئی ہیں-"

"دونوں -"

"ہاں -"

"گھر پہ کوئی نہیں -"

"صرف ثمرہ بی بی ہیں -"

خوشی اور سکون کی ایک لہر سی اس کے اندر دوڑ گئی- آنکھوں میں ستاروں کی چمک بھر گئی- اور بھاری بھاری مونچھوں تلے ہونٹ مسکرانے لگے-

شعیب خود اعتمادی سے قدم اٹھاتا دروازے کیطرف بڑھتے ہوئے بولا -

"ثمرہ کہاں ہیں -"

"اوپر اپنے کمرے میں -"

"انہیں بتاؤ کہ میں آیا ہوں -"

"اچھا صاحب آپ بیٹھیں میں انہیں بتاتا ہوں -"

وہ لاؤنج میں آگیا اور بلا ثمرہ کو اطلاع دینے اوپر چلا گیا-

پورے گھر کی طرح لاؤنج بھی بڑی خوبصورتی سے آراستہ تھی- شعیب وقت گزاری کے لئے شیشے کی دیوار سے پار دیکھنے لگا- جہاں خوش رنگ اور خوبصورت پودے آنٹی کے ذوق کی داد دے رہے تھے......

"سلام صاحب جی -" انکل کے ڈرائیور ناظر کی آواز پر شعیب نے گھوم کر دیکھا، سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا-

"میں آپ ہی کی طرف جا رہا تھا-"

"کیوں -"

"صاحب یہ لفافہ آپ کیلئے دے گئے تھے -"

"کون ؟ انکل -"

"جی-"

شعیب نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر چاک کیا- کچھ بل تھے جو کل بنک میں جمع کروانے تھے ان کی تفصیل درج تھی-

خط پڑھ کر اس نے ناظر کیطرف دیکھا-

"انکل حیدر آباد گئے ہیں ؟"

"جی دونوں گئے ہیں چار بجے کی فلائٹ سے کل شام واپس آئیں گے یہ کام بہت ضروری تھا- اس لئے -"

"ہاں میں سمجھ گیا ہوں کون فوت ہوا تھا وہاں -"

"صاحب کے چھوٹے چچا-"

"معمر ہوں گے -"

"جی شاید ستر سال کے تھے ان کے خاندان کے وہ آخری بزرگ تھے -"

ناظر جتنی تفصیلات جانتا تھا- اسے بتانے لگا شعیب نے لفافہ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا اس کے آفس میں فون نہیں تھا- فون ہوتا تو شاید رشید صاحب ساری بات فون پر ہی سمجھا دیتے- خیر کل اس نے یہ کام کرنا تھا-

اور اب......

اب تو وہ ثمرہ سے دل کی باتیں کرنے کو بے چین تھا ناظر چلا گیا- تو وہ لاؤنج میں ٹہلنے لگا......

کچن میں خیرو چاچا شاید رات کے کھانے کی تیاریاں کر رہا تھا- شعیب نے دروازے سے اندر جھانکا......

"شعیب بیٹے" وہ بڑے تپاک سے اسے دیکھ کر بولا ہاتھ اٹھا کر سلام کیا شعیب نے جواب دیتے ہوئے کہا-

"ہاں چاچا-"

"کب آئے آپ-"

"ابھی -"

"صاحب اور بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں -"

"مجھے پتہ چلا ہے- -"

"تشریف رکھئے -"

"چائے لے گی -"

"ضرور ابھی بناتا ہوں ثمرہ بی بی اور خالہ نے بھی ابھی نہیں پی -"

"خالہ ؟"

"خالہ بانو بیگم صاحبہ کی رشتہ دار ہیں- ثمرہ بی بی کے پاس اسے چھوڑ گئے ہیں وہ لوگ تو شاید قل کر کے پرسوں آئیں -"

"ہوں -"

شعیب لاؤنج میں آگیا۔ وہ ایک صوفے کی پشت پر گردن ڈال کر تساہل سے بیٹھ گیا اس کے من میں بڑی ہلچل مچی تھی......

بلا ابھی لوھر ہی تھا......

سمہ بھی نیچے نہیں آئی تھی......

وہ انتظار کے لذت آمیز کرب سے گزر رہا تھا......

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بلا آگیا ویسے ہی پڑے پڑے شعیب نے ابرو اچکا کر پوچھا

"کیوں۔"

"وہ کہہ رہی ہیں میں کام کر رہی ہوں۔ بلا بولا۔

"اس لئے میں خود ہی اوپر چلا جاؤں" شعیب نے اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

اور بلے کی بات سنے بغیر بولا "چائے اوپر ہی لے آنا۔"

"اچھا صاحب" وہ حکم کا بندہ تھا......

شعیب سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ گیسٹ روم کے ادھ کھلے دروازے سے اس نے دیکھا ایک معمر عورت پلنگ پیر لیٹی تھی غالباً یہی خلنہ بانو تھی......

وہ بے دھڑک اوپر چلا آیا۔ سمہ ٹیرس پر تھی میز پر کچھ کتابیں پڑی تھیں۔ اخبار بھی تھا۔ اور ایک کھلا لفافہ بھی۔ وہ کرسی میں نیم دراز تھی۔

شیشے کا دروازہ کھول کر وہ بھی ٹیرس پر آگیا سمہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شعیب نے اس کے سراپا پر ایک گہری نگاہ ڈالی وہ سادہ سے میرون کپڑوں میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ بالوں میں ہیئر بینڈ لگایا ہوا تھا۔ لیکن کچھ لٹیں اس بینڈ کے قابو میں نہ تھیں۔ کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے لہرا رہی تھیں......

اک لحہ کو سمہ کی آنکھوں میں چاندنی سمٹ آئی۔ لیکن دوسرے لحہ وہاں گھور اندھیرا تھا۔ یوں جیسے چاند کو دبیز بادلوں کی تہہ نے نگل لیا تھا......

"آپ" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"جی میں شعیب شعیب ......" وہ رک رک کر مسخرے پن سے بولا...... "میرے اوپر چلے آنے پر شاید آپ کو اعتراض ہو۔ لیکن میں آگیا ہوں واپس نہیں جاؤں گا......"

سمہ کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لہرائی پھر ہولے سے بولی۔

"ضدی بہت ہیں آپ۔"

"جی ہاں آپ کو اس کا یقین ہونا چاہئے۔"

"بیٹھئے۔"

اس نے کرسی گھسیٹ لی۔ اور بڑے مزے سے بیٹھ گیا۔ سمہ بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی دونوں کے درمیان اب ایک میز تھی۔ جس پر اخبار رسالے کتابیں اور جانے کیا کچھ پڑا تھا۔

چند لمحے خاموشی رہی سمہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور شعیب دونوں ہاتھوں کو جوڑے شہادت کی انگلیوں سے ہونٹوں کو بے آواز بجائے جا رہا تھا۔

"سمہ" وہ کرسی پر سیدھا ہوتے ہوئے بولا خاموشی سے اکتا گیا تھا۔

"جی۔" اس نے سر اٹھایا......

"آپ چپ کیوں رہتی ہیں۔"

" سمہ نے مضطربانہ پہلو بدلا۔ شعیب آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کی عادت ہی چپ رہنے کی ہے۔ یا میرے ساتھ یہ خصوصی رویے کا نتیجہ ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب سمٹ آیا تھا۔ شعیب بے چین ہو کر بے ساختگی سے بولا۔ "سمہ آپ مجھے پریشان کر دیتی ہیں آپ اتنی پژمردہ اور ایسی نڈھال کیوں ہوتی ہیں حالانکہ آپ کی عمر اور شخصیت۔"

"کوئی اور بات کیجئے شعیب صاحب۔" وہ جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"کیا بات کروں۔" وہ بھی جلدی سے بولا پھر رکا اور اس کیطرف چند ثانئے غور سے دیکھتا رہا۔ وہ اپنے ناخنوں کو تکے جا رہی تھی۔ بڑی جرات سے اس نے کہہ ہی دیا۔ "جو بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی طرف سے ہمت افزائی ہی نہیں ہوئی۔"

سمہ نے اس کیطرف دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا اپنے ہاتھوں کو اس نے عالم اضطراب میں مسل ہی ڈالا۔ لیکن پھر ہمت کی آہستگی سے بولی......

"میں نہیں چاہتی شعیب صاحب کہ اس راہ پر چل نکلوں۔ جہاں سے پلٹنا مشکل ہو جائے ......"

"کیا خیال آپ کا" وہ بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔ "اس راہ پر چلنا یا نہ چلنا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔"

وہ پھر پریشان ہوئی لیکن سنبھل کر بولی "شاید ہاں۔ شاید نہیں۔ لیکن میں کبھی ایسا نہیں کروں گی آپ سے بھی یہی کہوں گی۔"

"گویا آپ میرے جذبات سے آگاہ ہیں" وہ بغیر کسی ریا کے بولا......

وہ بھی صاف گوئی شعار بنائے تھی۔ شعیب کے جذبات کو تو اس نے پہلے دن ہی سمجھ لیا تھا۔ پسندیدگی ہی تو چاہت بن جایا کرتی ہے۔ اور یہ چاہت منزل بہ منزل مراحل طے کرکے محبت اور عشق کا روپ دھار لیتی ہے۔ یہ عمل اختیاری نہیں ہوتا۔ لیکن اس غیر اختیاری کو اپنے اختیار میں رکھنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے۔ جذباتی دھارے تند و تیز ہوتے ہیں۔ یہ بہالے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کسی رکاوٹ کا سہارا لے کر بہہ جانے سے رکا بھی جاسکتا ہے۔ ایسے میں بے شک جذباتی تند و تیز دھاروں کے تھپیڑے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ پھر بھی بہہ جانے سے رک جانا بہتر ہوتا ہے۔

شعیب کی بات سن کر وہ گلابی ہوگئی۔ آنکھوں میں حیا کی سرخیاں لہرائیں۔ پھر بھی اس نے اپنے جذبات کو شوریدہ سر نہ ہونے دیا۔ ہولے سے بولی۔ "بعض باتیں وضاحت طلب نہیں ہوتیں۔"

"وضاحت خود بخود ہوجائے تو وضاحت طلبی کی حاجت بھی نہیں رہتی۔"

"شعیب صاحب۔"

"اوں ہوں صرف شعیب میں اپنا نام اتنے ثقیل انداز میں سننے کا عادی نہیں ہوں۔"

وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ شعیب شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن خیرو چاچا چائے لے آیا تھا۔ اس نے اوپر والی چھوٹی سی لاؤنج میں ٹی ٹرے رکھ دی تھی۔

"چائے باہر تو نہیں پئیں گے۔" اس نے باہر آکر پوچھا۔

"نہیں اندر ہی چلتے ہیں۔" سمہ اٹھی شعیب بھی اٹھا دونوں آگے پیچھے اندر آئے

شعیب بہت مسرور نظر آرہا تھا۔ خوشی سمہ کے چہرے پر بھی لہریں لے رہی تھی لیکن یہ خوشی یوں لگتا تھا۔ پابند سی ہے۔ وقفے وقفے کے بعد خوشی کی لہریں بوجھل اور پریشان ہوجاتی تھیں......

چائے پینے کے بعد بھی دونوں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اپنی بات نہ ہوتے ہوئے بھی ہوگئی تھی۔ اس لئے ادھر ادھر ہی کی باتیں ہو رہی تھی۔ جذبے جذبوں کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ خود ہی سنتے خود ہی دیکھتے اور خود ہی بولتے ہیں۔ کسی تشہیر کی ضرورت نہیں ہوتی......

شام گئے شعیب گھر لوٹا۔ لوٹنے سے پہلے اس نے سمہ سے کل ملنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ سمہ کی خاموشی کو رضامندی سمجھنے میں اس نے یقیناً غلطی نہیں کی تھی......

دوسرے دن صبح ہی صبح وہ انکل کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے ناشتہ بھی سمہ اور خالہ

اس نے کرسی گھسیٹ لی۔ اور بڑے مزے سے بیٹھ گیا۔ سمہ بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی دونوں کے درمیان اب ایک میز تھی۔ جس پر اخبار رسالے کتابیں اور جانے کیا کچھ پڑا تھا۔

چند لمحے خاموشی رہی سمہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور شعیب دونوں ہاتھوں کو جوڑے شہادت کی انگلیوں سے ہونٹوں کو بے آواز بجائے جارہا تھا۔

"سمہ" وہ کرسی پر سیدھا ہوتے ہوئے بولا خاموشی سے اکتا گیا تھا۔

"جی۔" اس نے سر اٹھایا......

"آپ چپ کیوں رہتی ہیں۔"

"سمہ نے مضطربانہ پہلو بدلا۔ شعیب آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کی عادت ہی چپ رہنے کی ہے۔ یا میرے ساتھ یہ خصوصی رویے کا نتیجہ ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب سمٹ آیا تھا۔ شعیب بے چین ہو کر بے ساختگی سے بولا۔ "سمہ آپ مجھے پریشان کر دیتی ہیں آپ اتنی پژمردہ اور ایسی نڈھال کیوں ہوتی ہیں حالانکہ آپ کی عمر اور شخصیت۔"

"کوئی اور بات کیجئے شعیب صاحب۔" وہ جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"کیا بات کروں۔" وہ بھی جلدی سے بولا پھر رکا اور اس کیطرف چند ثانئے غور سے دیکھتا رہا۔ وہ اپنے ناخنوں کو تکے جارہی تھی۔ بڑی جرات سے اس نے کہہ ہی دیا۔ "جو بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی طرف سے ہمت افزائی ہی نہیں ہوئی۔"

سمہ نے اس کیطرف دیکھا۔ پھر سر جھکالیا اپنے ہاتھوں کو اس نے عالم اضطراب میں مسل ہی ڈالا۔ لیکن پھر ہمت کی آہستگی سے بولی......

"میں نہیں چاہتی شعیب صاحب کہ اس راہ پر چل نکلوں۔ جہاں سے پلٹنا مشکل ہوجائے......"

"کیا خیال آپ کا" وہ بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔ "اس راہ پر چلنا یا نہ چلنا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔"

وہ پھر پریشان ہوئی لیکن سنبھل کر بولی "شاید ہاں۔ شاید نہیں۔ لیکن میں کبھی ایسا نہیں کروں گی آپ سے بھی یہی کہوں گی۔"

"گویا آپ میرے جذبات سے آگاہ ہیں" وہ بغیر کسی ریا کے بولا......

وہ بھی صاف گوئی شعار بنائے تھی۔ شعیب کے جذبات کو تو اس نے پہلے دن ہی سمجھ لیا تھا۔ پسندیدگی ہی تو چاہت بن جایا کرتی ہے۔ اور یہ چاہت منزل بہ منزل مراحل طے کرکے محبت اور عشق کا روپ دھار لیتی ہے۔ یہ عمل اختیاری نہیں ہوتا۔ لیکن اس بے اختیاری کو اپنے اختیار میں رکھنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے۔ جذباتی دھارے تند و تیز ہوتے ہیں۔ یہ بہالے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کسی رکاوٹ کا سہارا لے کر بہہ جانے سے رکا بھی جاسکتا ہے۔ ایسے میں بے شک جذباتی تندوتیز دھاروں کے تھپیڑے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ پھر بھی بہہ جانے سے رک جانا بہتر ہوتا ہے۔

شعیب کی بات سن کر وہ گلابی ہوگئی۔ آنکھوں میں حیا کی سرخیاں لہرائیں۔ پھر بھی اس نے اپنے جذبات کو شوریدہ سر نہ ہونے دیا۔ ہولے سے بولی۔ "بعض باتیں وضاحت طلب نہیں ہوتیں۔"

"وضاحت خود بخود ہوجائے تو وضاحت طلبی کی حاجت بھی نہیں رہتی۔"

"شعیب صاحب۔"

"اوں ہوں صرف شعیب میں اپنا نام اتنے ثقیل انداز میں سننے کا عادی نہیں ہوں۔"

وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ شعیب شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن خیرو چاچا چائے لے آیا تھا۔ اس نے اوپر والی چھوٹی سی لاؤنج میں ٹی ٹرے رکھ دی تھی۔

"چائے باہر تو نہیں پئیں گے۔" اس نے باہر آکر پوچھا۔

"نہیں اندر ہی چلتے ہیں۔" سمہ اٹھی شعیب بھی اٹھا دونوں آگے پیچھے اندر آگئے۔

شعیب بہت مسرور نظر آرہا تھا۔ خوشی سمہ کے چہرے پر بھی لہریں لے رہی تھی لیکن یہ خوشی یوں لگتا تھا۔ پابند سی ہے۔ وقفے وقفے کے بعد خوشی کی لہریں بوجھل ہو کر پریشان ہوجاتی تھی......

چائے پینے کے بعد بھی دونوں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اپنی بات نہ ہوتے ہوئے بھی ہوگئی تھی۔ اس لئے ادھر ادھر ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جذبے جذبوں کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ خود ہی سنتے خود ہی دیکھتے اور خود ہی بولتے ہیں۔ کسی تشہیر کی ضرورت نہیں ہوتی......

شام گئے شعیب گھر لوٹا۔ لوٹنے سے پہلے اس نے سمہ سے کل ملنے کی خواہش کا اظہار کردیا۔ سمہ کی خاموشی کو رضامندی سمجھنے میں اس نے یقیناً غلطی نہیں کی تھی......

دوسرے دن صبح ہی صبح وہ انکل کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے ناشتہ بھی سمہ اور خالہ بانو

کے ساتھ کیا۔ خالہ بانو سے وہ جلد ہی بے تکلف ہوگیا۔ ہشاش بشاش نوجوان خالہ کو بہت پسند آیا۔

وہ پورا دن سمہ اور شعیب نے اکٹھے گزارا۔ سہ پہر کو انہوں نے وی سی آر پر اک رومانوی فلم بھی دیکھی۔ اور شام کے سائے گہرے ہونے تک لان میں بھی ٹہلتے رہے۔۔

"شعیب نے تو جیسے منزل پالی تھی۔ لیکن سمہ کی وہی کیفیت تھی پالینے کی خوشی اور کھودینے کا غم آپس میں برسرپیکار رہے تھے۔ اس تذبذب کی کیفیت نے اسے بری طرح نڈھال کردیا......

اور ۔

جب رات کھانے کے بعد شعیب واپس چلا گیا۔ تو سمہ اپنے کمرے میں آکر بستر میں گر گئی اس رات وہ بہت روئی ۔

بہت .... بہت .... روئی

☆ ☆ ☆

" ماں جی -"

" ہوں -"

"آپ نے شعیب کے لئے سوچا -"

" سوچنا کیا ہے- ابھی تو وہ اپنے کاروبار ہی میں الجھا ہوا ہے-"

" پھر بھی -"

" تم نے کوئی لڑکی دیکھی -"

" نیت کرلیں تو لڑکی بھی مل جائے گی -"

" خاندان میں تو اس کی عمر سے میل کھاتی کوئی لڑکی نہیں -"

" ضروری تو نہیں رشتہ خاندان ہی میں ہو -"

"میں کب کہتی ہوں- لیکن ایک ہی ایک بیٹا ہے اپنا- دیکھ بھال کر کروں گی رشتہ- لڑکی بھی لاؤں گی جو لاکھوں میں ایک ہوگی- اپنا شعیب بھی تو ماشاء اللہ اتنا خوبصورت ہے-"

" خدا نے چاہا تو میری بہو ایسی ہوگی کہ لوگ دیکھیں گے تو عش عش کریں گے -"

" ماں جی کی بات پر زاہدہ کھلکھلا کر ہنس پڑی- شاہدہ بھی ہنس پڑی- دونوں بہنیں آئی تھیں- زاہدہ چھ ماہ کویت رہ آئی تھی مہینہ دو مہینہ بعد پھر چلے جانا تھا-

تینوں ماں بیٹیاں پچھلے برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی تھیں-

سامنے سبزی کی ٹوکری پڑی تھی- ماں جی کے ہاتھ سے شاہدہ نے چھری لے لی تھی- اور وہ ساگ بنانے لگی تھی- زاہدہ بھی پتے پتے چن رہی تھی- اکٹھی گٹھی سی بنا کر شاہدہ کو کاٹنے کے لئے دے دیتی تھی- گھر کی ملازمہ پوشی باورچی خانے میں تھی- گوشت چولہے پر چڑھا رکھا تھا- خود برتن مانجھ رہی تھی -

" اے پوشی " زاہدہ نے آواز دی -

" جی بی بی جی " وہ وہیں سے بولی -

" ذرا چائے تو بنالا -"

" اچھا جی -"

" زاہدہ آپا کشمیری چائے نہ پی جائے " شاہدہ نے ساگ کاٹتے ہوئے کہا-

" ضرور ضرور لیکن باداموں والی ہو -"

" بادام کٹے رکھے ہیں -" ماں جی نے کہا-

" شاہدہ نے پوشی کو آواز دی- وہ جالی دار دروازہ کھول کر باہر نکل آئی- موٹے موٹے ناک نقشے والی بھاری بھرکم سی پوشی اسی گھر میں پلی بڑھی تھی- اور شادی کے بعد بھی یہیں رہتی تھی- پچھلے کوارٹروں میں سے دو ابھی محفوظ تھے- پوشی ایک میں رہتی تھی- دوسرے میں اس کے ماں باپ اور دو بھائی رہتے تھے- پوشی تو اس گھر میں ملازمت کرتی تھی- باقی سب محنت مزدوری کرتے تھے- ہاں وقت بے وقت جب بھی ضرورت پڑتی سب ماں جی کے کام آنے میں فخر محسوس کرتے تھے -

" اے پوشی " ماں جی نے کہا-

" جی -"

شیر چائے بنالاؤ بادام سرخ ڈبے میں کٹے پڑے ہیں -"

" مجھے پتہ ہے -"

" مزے دار سی بنانا-"

" پوشی دروازے سے ہٹنے ہی کو تھی کہ شاہدہ بولی-" پوشی ذرا اندر جانا دیکھنا میرا چھوٹا جاگ تو نہیں اٹھا -"

" میرے بچوں کو بھی دیکھ آنا ڈرائنگ روم میں کھیل رہے تھے- چیزیں الٹ پلٹ رہے ہوں گے -"

پوشی اندر چلی گئی- چند لمحوں بعد واپس آئی- " آپ کا منا سو رہا ہے- اور آپ کے بچے زاہدہ آپا-"

وہ ہنسنے لگی......

" کیا کر رہے ہیں-" زاہدہ نے پوچھا-

" سونیا دلہن بنی ہے- جمی دولہا- فخری اور مورینہ بھی ان کے ساتھ ہیں -"

" چلو کھیلنے دو آرام سے کھیل رہے- ہیں " ماں جی نے کہا-

" پوشی یہ ساگ بھی لے جاؤ-" زاہدہ بولی - زاہدہ بولی - کٹ گیا ہے- اور کوئی سبزی بنانا ہو تو دے جاؤ-"

" بس جی اور کام میں خود ہی کرلوں گی- آپ کام نہ کیا کریں بی بی -"

وہ مسکرا کر بولی " آپ تو مہمان آتی ہیں آتے ہی کام لے بیٹھتی ہیں ۔"

" تیری وجہ سے " شاہدہ نے ہنس کر چھیڑا۔

"کیوں جی ۔"

" تو ہی سامنے لا رکھتی ہے کام ۔"

" لو جی میں تو نہیں چاہتی آپ ایک تنکہ بھی توڑیں ۔"

" یہ وہ کلو پکا ساگ سامنے لا کر رکھ دیا۔"

پوشی دانت نکالنے لگی۔ وہ کچھ کہنے کو تھی کہ ماں جی بولیں۔ " جاجا چائے بنالا اور ہانڈی بھی دیکھنا گوشت جل نہ جائے۔ پتہ ہے نا شعیب ساگ گوشت کس طرح کا کھاتا ہے۔"

پوشی سرہلاتے ہوئے اندر چلی گئی۔ ماں جی بولیں " ساگ گوشت شوق سے کھاتا ہے۔ پر مین میخ اتنی نکالتا ہے......"

" وہ تو شروع ہی سے اس کی عادت ہے۔" زاہدہ بولی ۔

" ماں بہنوں کو تو نخرے دکھاتا ہے۔ دیکھیں گے بیوی آگئی تو یوں مین میخ نکالے گا۔" شاہدہ بولی ۔

" لو بیوی آگئی تو وہ چولھا جھونکے گی " ماں جی بڑے دلار سے بولیں ۔

" نہیں جی " زاہدہ ہنسی۔ " وہ تو شوپیس ہوگی ۔"

" ماں جی اسے لاڈ پیار میں خوب سر چڑھائیں گی ۔"

" بے جا لاڈ پیار اچھا نہیں ہوتا ۔"

دونوں بہنیں شعیب کی آنے والی دلہن کی باتیں کرنے لگیں۔ ماں جی چند لمحے ہنستی رہیں۔ پھر ہنس کر بولیں۔ " پہلے آنے تو دو پھر باتیں بنانا ویسے سچی بات کہوں ۔"

" ہوں ۔"

" میرے دل میں شعیب کی دلہن کے لئے ابھی سے اتنا پیار مچلتا ہے۔ کہ بتا نہیں سکتی" زاہدہ ہنس پڑی ۔

اور ۔

شاہدہ ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔ " خوش قسمت ہوگی وہ ...... ایک ہم بھی تو ہیں ۔"

" تیری ساس تو واقعی ساس ہے۔ " زاہدہ نے کہا " شکر ہے۔ کہ ظفر معقول آدمی

" ہاں وہ بھی ماں کی طرح ہوتے تو سسرال میں ایک دن بھی گزارنا مشکل ہوجاتا۔"

" خدا کا شکر ہے۔ مجھے تو ساس اچھی ملی۔" زاہدہ بولی ۔

" اپنی پھپھو ہیں نا۔"

" ضرور تو نہیں پھپھو ساس بن کر اچھی رہیں ۔"

" ہاں یہ بات بھی ہے۔ آسیہ بھی تو سگی خالہ کے ہاں بیاہی ہے۔"

دونوں اپنی چچازاد بہن آسیہ کی باتیں کرنے لگیں۔ ماں جی بھی ان کی باتوں میں حصہ لے رہی تھیں۔ ماں جی کو شاہدہ کی طرف سے بڑی تشویش رہتی تھی۔ اس کی ساس بہت نوم جھونک کرتی تھی۔ لیکن آسیہ بیچاری کی باتیں سن سن کر وہ اس تشویش کو بھول رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد پوشی چائے بنالائی۔ ساگ کی ٹوکری اور لگن اس نے اٹھالی اور ٹرے ماں جی کے سامنے رکھدی......

شاہدہ اٹھ کر ہاتھ دھونے چلی گئی۔ زاہدہ نے ٹرے میں رکھے نیپکن سے اپنی انگلیاں صاف کرلیں ۔

چائے پیتے ہوئے بھی شعیب کی شادی کی باتیں ہوتی رہیں ۔

زاہدہ چاہتی تھی۔ کویت جانے سے پہلے اس کی منگنی وغیرہ ہوجائے۔ پھر اگلے سال جب وہ واپس آئے تو شادی کر دی جائے ۔

رات کھانے کی میز پر شعیب کا تذکرہ ہوا۔ شعیب ان باتوں میں شریک تھا۔ وہ تو دل سے یہی چاہتا تھا۔ شادی کی بات ہو۔ اور وہ سمر کے متعلق اپنی بہنوں اور ماں جی کو بتائے بہنوں سے چونکہ عمر میں چھوٹا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابھی تک کھل کر سمر کے متعلق نہ تو بہنوں سے کچھ کہہ سکا تھا۔ نہ ماں جی سے ۔

" شعیب میری مرضی اور رائے یہ ہے کہ تمہاری منگنی میرے یہاں ہوتے ہوئے کر دی جائے ۔"

شعیب زاہدہ کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ " نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

" اچھا" شاہدہ نے ہنس کر اس کے سر پر ہلکی سے چپت لگائی ۔

" یہ بات ہے۔"

" شاہدہ آپا آپ لوگوں کو تو ماں جی کا کچھ خیال ہی نہیں مجھے تو ہے۔" وہ خشک چاولوں ساگ ڈالتے ہوئے بولا ۔

" اوہو " زاہدہ مسکرائی ۔

"ہاں زاہدہ آپا ماں جی بالکل اکیلی ہوتی ہیں انہیں ساتھی کی ضرورت ہے کیوں ماں جی۔"

"بالکل ہے۔" ماں جی نے پیار سے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔ "مجھے تو آج لڑکی مل جائے تو آج ہی شادی کر دوں۔"

"اتنی جلدی۔" شعیب ہنسا۔

"ہرہاں ایسے ہی کہتی ہے۔" زاہدہ نے کہا۔ "مسئلہ تو یہی ہے۔ کہ پسند کی لڑکی نہیں ملتی۔"

"اگر مل جائے تو۔" شعیب شوخی سے بولا۔

"کیوں؟ ہے۔ کوئی؟" شاہدہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

لیکن شعیب کے جواب دینے سے پہلے ماں جی بولیں۔ "اچھے خاندان کی اچھی لڑکی چاہئے جہیز کی کوئی قید نہیں۔ بس خاندان اچھا ہو عزت والا۔ شریف اور معتبر۔"

"لڑکی خواہ کالی کلوٹی اندھی کانی ہو۔" شاہدہ نے ماں جی کو چھیڑا۔

"ہائے لڑکی" ماں جی ایک دم بول اٹھیں۔ "اللہ اللہ کریں میں تو اپنے شعیب کے لئے خوبصورت لڑکی لاؤں گی۔ خوبصورت اپنے بیٹے کی طرح۔"

"خوبصورت شریف معتبر اچھے خاندان کی۔" زاہدہ انگلیوں پر خوبیاں شمار کرتے ہوئے بولی۔

شاہدہ نے ہنستے ہوئے اس کی بات میں اضافہ کیا۔ "خوبصورت اپنے بیٹے کی طرح۔"

"جہیز کی کوئی قید نہیں۔" شعیب نے لقمہ دیا۔

"تم لوگ مذاق اڑاتے ہو۔" ماں جی نے سرزنش کی۔

"بات ہی ایسی کی آپ نے۔" شعیب ہنسا "خوبصورت تو خیر ہونی چاہئے اور خاندان بھی اچھا ہو۔ لیکن جہیز کی کیوں قید نہیں ماں جی۔"

وہ ماں کو چھیڑنے لگا ماں جی کو غصہ آگیا۔ تلخی سے بولیں "جہیز کا لالچی ہے۔ تو اپنی کمائی پر بھروسہ رکھ۔ خدا نے اتنا کچھ دیا ہے۔"

"لیکن یہ جہیز تو نہیں ماں جی ...... اس نے پھر شوخی سے کہا۔ زاہدہ اور شاہدہ ہنسنے لگیں۔

ماں جی بولیں۔ "جو اپنی بیٹی دیتے ہیں ان کے پاس اور رہ ہی کیا جاتا ہے۔"

"بیٹی اپنی جگہ جہیز اپنی جگہ" شعیب نے چھیڑا۔

"اچھی بات تو کرلے کہیں لکھ پتیوں کروڑپتیوں کے گھر رشتہ۔"

"اجازت ہے۔"

"جب تیرے خیالات ایسے ہیں تو اجازت کی کیا ضرورت۔"

"ایسے سے کیا مطلب ماں جی۔"

"ایسے پست اور ایسے ......"

"بس بس ماں جی اور کچھ نہ کہئے گا حد ہوگئی آپ مذاق بھی سنجیدہ لیتی ہیں۔"

"نہ چڑایا کرو نا ماں جی کو۔" زاہدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب چھیڑ چھاڑ اپنی پیاری سی ماں جی سے بھی نہ ہو تو اور کس سے ہو۔"

شعیب نے ماں جی کے گلے میں بازو ڈال کر ان کو پیار کر لیا۔

"ہٹ پرے ہو" ماں جی نے اسے پیار سے دھکیلا۔

کچھ دیر ایسی ہی پیار بھری باتیں اور شوخ سی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔

شاہدہ کا بچہ اٹھ گیا تھا۔ اس نے پوشی کو آواز دی کہ بچے کو ادھر لے آئے۔ زاہدہ کی بیٹی بھی اٹھ کر آگئی۔ چند لمحوں کیلئے سلسلہ گفتگو بدل گیا۔ بچوں اور ان کے باپوں کی باتیں ہونے لگیں۔ ساگ بہت عمدہ بنا تھا۔ شعیب نے بڑی رغبت سے کھایا وہ کھانے کی تعریف کرنے لگا۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پھر بات شعیب کی شادی پر آگئی۔ موقعہ غنیمت تھا اب سب سنجیدگی سے بھی باتیں کر رہے تھے۔ شعیب سمہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"اپنی آنٹی سے کہو نا کوئی پیاری سی لڑکی ڈھونڈ دیں۔" زاہدہ نے شعیب سے کہا۔

"ڈھونڈ لی۔" شعیب کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک بھر گئی۔

"کیا کہا؟" شاہدہ بولی۔

"سچ کہا" شعیب نے بہنوں کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھا۔

ماں جی بھی شعیب کی طرف دیکھنے لگیں ......

پھر۔

بہنوں کے اصرار پر اس نے سمہ کے متعلق سرسری طور پر انہیں بتایا۔ شاہدہ شوخی کے موڈ میں تھی اسے چھیڑنے لگی۔ لیکن ماں اور زاہدہ سنجیدگی سے سمہ کے متعلق پوچھنے لگیں اس کا حسب نسب والدین کا کام رہائش انہوں نے اتنے سوال کر ڈالے کہ شعیب پریشان ہوگیا۔

جلدی سے بولا۔ "بہتر ہوگا آپ سب کل آنٹی سے مل لیں۔ سمہ بھی وہیں ہے۔ میں اس کے حدود اربعے کے متعلق کچھ نہیں جانتا ......"

"رشید صاحب کی بھتیجی ہے۔" ماں جی نے پوچھا۔

"یہی کہتے ہیں۔"

"اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔" زاہدہ بولی۔

"ظاہر ہے۔ اپنے گھر ہوں گے۔

"گھر کہاں ہے۔"

"پنڈی سے آئی ہے۔ پنڈی ہی میں ہوگا۔

"تمہیں نہیں پتہ ؟"

"نہیں !"

"ٹھیک ہے۔ کہ ہم لوگ خود ہی جاکر دیکھ لیں گے کیوں ماں جی۔" زاہدہ نے کہا۔

ماں جی کچھ سوچتے ہوئے سرہلایا۔

"ویسے بھی آپ لوگوں کو ان کے ہاں جانا چاہئے۔" شعیب ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"کیوں ؟"

"انکل رشید کے چچا فوت ہوگئے ہیں تعزیت کے لئے۔" وہ بولا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا۔" زاہدہ نے کہا۔

"ماں جی کو کل بتایا تو تھا۔" شعیب نے چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" ماں جی نے اثبات میں سر سے اشارہ کیا۔

"بس ٹھیک ہے۔ کل ہم لوگ ان کے ہاں جائیں گے۔" زاہدہ نے گود میں بچی کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"میں بھی چلوں گی۔" شاہدہ بولی۔

"تو کیا میں اکیلی جاؤں گی۔" زاہدہ نے کہا۔ "ماں جی میں اور تم جائیں گے دیکھ لیں گے اسے کیا نام بتایا۔"

"سمر۔" شعیب کے لبوں پر مسکراہٹ لو دے رہی تھی۔

شاہدہ نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ "نام تو بہت پیارا ہے۔ خود بھی ......"

"نام جیسی ہے۔" شعیب ہنستے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ باتھ روم میں ہاتھ دھونے گیا۔ زاہدہ شاہدہ اور ماں جی سمر کی باتیں کرنے لگیں۔ شعیب کی دلچسپی ان سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شعیب نے سکوٹر پھینکنے کے انداز میں روش کے قریب کھڑا کیا اور خود کیاریاں پھلا
سمر کی طرف لپکا۔ سمر لان میں کھڑی کرسیاں ترتیب سے رکھ رہی تھی۔ غالباً ان لوگو
لان میں چائے کا پینے ارادہ تھا۔

"سمر۔" شعیب نے بڑی تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طر
گھمالیا......

وہ اس اچانک حملے سے گھبرا گئی۔ جلدی سے پیچھے ہٹی اور کرسی کی پشت کو پکڑ
ہوئے بولی "آپ ...... آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔"

"سمر ...... سمر میں آج بہت خوش ہوں۔"

"خیریت ...... کوئی نیا آرڈر ملا۔"

"میری خوشی کا بزنس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"لو ....."

"پوچھو تو سہی میں کیوں اتنا خوش ہوں۔"

"میں جان گئی ہوں۔" سمر نے اس کے سراپا پر نظر ڈال کر سر جھکالیا۔

"جان گئی ہو" شعیب نے پھر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور اس کی جھکی
آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

سمر کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ اس کے سینے میں تلاطم بپا ہوگیا۔ وہ جان
تھی کہ شعیب اتنا خوش کیوں ہے۔

لیکن۔

اسے یہ بھی احساس تھا۔ کہ شعیب کی یہ خوشیاں ہیں۔ اسے یہ خوشیاں کبھی نہیں
ملتیں۔ یہ خوشیاں اس کا مقدر نہیں ہیں۔

آج شعیب کی ماں جی اور دونوں بہنیں آئی تھیں۔ انکل کے چچا کی تعزیت سے ز
انہوں نے سمر کو جانچا پرکھا تھا۔ قدوقامت شکل و صورت اور انداز گفتگو ایسا تھا۔ کہ

متاثر ہوئے بغیر نہ رہی تھیں۔ سمہ نے ان کی نگاہوں میں پسندیدگی کی واضح جھلک دیکھی تھی۔

شاہدہ نے تو جاتے سمے اسے گلے سے لگا کر شوخی سے اس طرح بھینچا تھا۔ کہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔

زاہدہ نے تو اس کے ساتھ پیار سے باتیں کی تھیں۔ اور ماں جی تو بس اسے تکے ہی گئی تھیں۔ ان پیار بھرے لمحوں میں تو سمہ کا بھی جی چاہا تھا۔ کہ اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے جذب کر دے۔ خوشیوں کا بڑھتا ہوا دامن کھینچ لے اور اپنی ہستی اور وجود اور اپنی شخصیت پر اس طرح تان لے کہ یہ دامن اس کے لئے حصار بن جائے۔ لیکن بعض تلخ حقیقتیں بعض سچائیاں اور بعض اٹل باتیں سوچ کے ان لمحوں سے غراتے ہوئے ٹکرا جاتی ہیں۔ سب کچھ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ بکھر جاتا ہے۔ اور سوچنے والا ایسا چاہنے والا اپنی ہی ہستی کے غبار میں دب کر رہ جاتا ہے۔

سمہ بھی چند لمحوں کے لئے خوش ہوئی تھی۔ لیکن جب ماں جی نے آنٹی آصفہ سے پوچھا "اس کے والدین کہاں رہتے ہیں۔" اور یہ آپ کے ہاں کتنے دن رہیں گی۔ ہم اس کے والدین سے ملنا چاہتے ہیں۔"

تو۔

سمہ کے من میں خود بخود جل اٹھنے والے چراغ دھواں دینے لگے تھے۔ اس کڑوے کسیلے دھوئیں نے اس کی آنکھوں میں گھس کر جلن پیدا کر دی تھی۔ وہ شاید رو دینے کو تھی کہ آنٹی نے بات بدل ڈالی تھی۔ "اپنی ہی بچی ہے۔ فی الحال تو ہمارے پاس ہے۔ یہیں رہے گی۔

ماں جی نے پھر پوچھا تھا۔ "اس کا رشتہ کہیں طے تو نہیں۔"

"نہیں" آنٹی نے کہا تھا۔

پھر کیا باتیں ہوئی تھیں۔ اسے پتہ نہیں تھا۔ وہ تو وہاں سے اٹھ کر لاؤنج میں آگئی تھی۔

ہاں آنٹی نے ان کے جانے کے بعد اسے بتایا تھا۔" سمہ تمہیں ان لوگوں نے بہت پسند کیا ہے۔"

اس نے آنٹی کی طرف دکھ بھری نگاہ اٹھائی تھی۔ آنٹی نے جلدی سے کہہ دیا تھا۔
"میں نے تمہارے ماں باپ کے متعلق انہیں کچھ نہیں بتایا تم فکر نہ کرو کچھ بتائیں گے بھی نہیں۔"

وہ آنسوؤں کا قطرہ قطرہ زہر اپنے حلق میں اتارتے ہوئے بے حس سی صوفے میں پڑی آنٹی کی باتیں سنتی رہی۔

"مجھے یقین تھا۔ شعیب اپنی ماں اور بہنوں کو تم سے ملانے لائے گا۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ کئی برسوں سے ہم اسے جانتے ہیں۔ دونوں بہنیں شادی شدہ ہیں۔ صرف ماں ہی ماں ہے۔ محنتی ہے۔ کاروبار بھی خوب چمکا رہا ہے۔ مڈل ایسٹ کا ٹور لگانے کا سوچ رہا ہے۔ وہ ان ملکوں میں ایک چکر بھی لگا آیا تو لاکھوں کے آرڈر لائے گا۔"

آنٹی جانے کیا کچھ کہہ رہی تھیں۔ سمہ سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔

اور جب آنٹی شعیب کی تعریفیں کرتے ہوا ایک لمحہ کو رکی تو وہ بولی۔

"آنٹی میرا پاسپورٹ بن گیا ہے۔؟"

"پاسپورٹ کی کیا جلدی ہے۔"

"میں انکل ہارون کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟......"

اس کیوں کا جواب سمہ کی آنکھوں میں دھوئیں کی جلن سے پیدا ہونے والی سرخی تھی۔

آصفہ اتنی انجان بھی نہ تھی کہ معاملے کی نزاکت کو نہ سمجھتی لیکن وہ تو اپنے طور سے خلوص اور محبت سے یہ کام کرنا چاہتی تھیں۔ سمہ بذات خود تو اچھی لڑکی تھی۔

ماں باپ ؟؟

لیکن سمہ جانتی تھی کہ آنٹی کا سارا خلوص اور ساری محبت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ شعیب کے گھر والے اس کے ماں اور باپ کے متعلق ضرور پوچھیں گے۔ اور جب ان کے متعلق انہیں پتہ چل جائے گا۔ تو پسندیدگی کا لو دیتا چراغ ایک پھونک ہی سے بجھ جائے گا۔

"سمہ۔" آنٹی نے چند لمحے سوچ میں ڈوبنے کے بعد کہا تھا۔

"جی۔"

شعیب تمہیں پسند ہے۔؟"

وہ چپ ہوگئی تھی۔ آنٹی اس چپ کا مفہوم سمجھتے ہوئے بول اٹھی تھی۔ "تم شعیب کو پسند ہو اس کے گھر والوں کو پسند ہو۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں شعیب کی ماں اور بہنیں چند دفعہ اور تم سے ملیں تو ان کی پسند میں شدت آجائے گی پھر پھر یقیناً وہ تمہیں"

" نہیں آنٹی نہیں آپ بات یہیں ختم کریں۔ آپ ان کو میرے والدین کے متعلق بتادیں سب کچھ بتا دیں ......

وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر رو دی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں جاکر بھی روئی تھی۔ اور جب جذباتی غبار چھٹ گیا تھا۔ تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ شعیب کو اپنے متعلق سب کچھ بتا دے گی۔ اور یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ چچا ہارون کے پاس بہت جلد لندن چلی جائے گی۔ یہاں رہ کر کرب و اذیت سمیٹنے کو سوا اسے اور کچھ نہیں مل سکتا......

" دیکھو ثمر " شعیب نے اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے ہولے سے جھٹکا دیا۔

"جی۔" وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے گھوم کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ثمر۔" شعیب کرسی کے بازو پر جھک گیا۔ " میں تمہیں بتانے آیا تھا۔ کہ میری ماں جی اور بہنوں کو تم بہت اچھی لگی ہو۔"

وہ کچھ نہیں بولی ......

شعیب کرسی کے قریب دوزانو ہو کر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔ " کافی دنوں سے وہ میرے لئے اچھی سی لڑکی تلاش کر رہی تھیں۔ وہ لڑکی ...... وہ لڑکی تم ہو تم ثمر تم ......"

ثمر نے سر جھکالیا اور گود میں رکھے ہاتھوں کو بے تابی سے مسلنے لگی۔

اس وقت وہ سخت پریشان تھی۔ شعیب جذباتی فضاؤں میں اڑ رہا تھا۔ اور وہ حقیقت کے سنگریزوں پر لوٹ رہی تھی ......

" ثمر تمہیں اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" شعیب نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

ثمر نے مشینی انداز میں سر نفی میں ہلا دیا۔

"کیوں کیوں ؟ " شعیب پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑا اس نے ثمر کا گھٹنا زور سے ہلایا۔

" شعیب۔" وہ اٹھ کھڑی ہوگئی۔ شعیب بھی میکانکی انداز میں اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

" کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

" یہی کہ اتنا خوش نہیں ہونا چاہئے تمہیں۔"

" یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیوں مجھے ایک ہی تو دھڑکا تھا۔ کہ کہیں میری راہ میں ماں

جی اور بہنیں حائل نہ ہو جائیں۔ میں ایک ہی ایک ہوں نا۔ اس لئے مجھ پر ان سب کا حق ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ کسی ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ ماں جی زاہدہ آپا اور شاہدہ آپا نے تمہارے حق میں پورا پورا فیصلہ دے دیا ہے۔"

"ہو نہ۔" اس نے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے ہولے سے ہنکارا بھرا۔

پھر گہری سانس چھوڑتے ہوئے بڑے ظاہری اطمینان سے مسکرا کر شعیب کو دیکھا۔

مسکراہٹ سے شعیب کی جان میں جان آئی تو وہ شاکی انداز میں بولا " یار تم کیا شے ہو گھڑی میں کچھ ابھی اتنی مسمسی شکل بنا رکھی تھی ابھی مسکرا رہی ہو۔"

وہ چپ رہی تو شعیب سر ہوگیا۔ دائیں ہاتھ کی انگلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا " اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم روئی کیوں اور اب ہنسی کیوں ؟ وہ جو پریوں کے دیس کی بڑھیا ہوتی ہے۔ ناشہزادے کو دیکھ کر پہلے رونے لگتی ہے۔ پھر ہنسنے۔ کہیں وہ بات نہیں۔"

ثمر نے پھر گہری سانس چھوڑی۔ اور اطمینان سے بولی۔ " کہانیوں کے خول میں جیا نہیں جاسکتا شعیب حقیقت کی دنیا بڑی تلخ ہوتی ہے۔ ان تلخیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرکے ہی جیا جاسکتا ہے۔ اور میں کر رہی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میرے ایک چچا لندن میں ہیں۔ انہوں نے مجھے بلا بھیجا ہے۔ اور میں بہت جلد ان کے پاس جارہی ہوں۔

" ثمر۔" شعیب اس کی باتیں شاید سمجھ نہ پایا۔ " کیا کہہ رہی ہو۔"

" میں لندن جارہی ہوں۔"

" کیوں ؟۔"

" زندگی گزارنے۔"

" یہاں نہیں گزر سکتی کیا؟"

" نہیں یہاں زندگی مجھے گزار دے گی۔"

" مجھے تمہاری ایک بات بھی سمجھ نہیں آئی۔"

" نہ ہی سمجھو تو اچھا ہے۔"

شعیب چند لمحے چپ چاپ اسے تکتے گیا۔ پھر اس کا موڈ بگڑنے لگا تلخی سے بولا۔ " تم اس بات سے خوش نہیں کہ میرے گھروالوں نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔"

" وہ یہ فیصلہ نہیں دیں گے۔ " ثمر دو ٹوک آواز میں بولی۔

" کیا مطلب ؟"

" شعیب خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو میرے زخم نہ کریدو میری شخصیت پر جو ظاہرداری کا پردہ پڑا ہے۔ پڑا ہی رہنے دو۔ " ثمر نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اور پھر تیزی

سے قدم اٹھاتی لان عبور کرکے اندر چلی گئی۔

شعیب کے قدم بھی رک نہ سکے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا وہ ابھی سیڑھیاں چڑھ ہی رہی تھی۔ کہ شعیب بھی اس کے پیچھے آگیا۔ سمہ اپنے کمرے میں پہنچ کر صوفے پر گرنے کے انداز میں جاپڑی۔

شعیب بے حد پریشان ہوا۔ چند لمحے دروازے میں کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب آگیا......

"سمہ تم نے کیا کہا ہے۔ میں سمجھ نہیں پایا۔"

سمہ ہولے ہولے سر اٹھایا۔ شعیب کی طرف دیکھا۔ اور بڑی گھمبیر اور کاٹ دار آواز میں بولی۔ "شعیب تم جس بندھن کا سوچ رہے۔ ہو نا وہ نہیں بندھ سکتا۔"

"کیوں آخر کیوں۔" شعیب بڑی بے رحمی سے چیخا......

"اس لئے اس لئے کہ میرے والدین میری ماں میرا باپ......"

"کہو۔ کہتی جاؤ کیا ہوا انہیں......"

"میری ماں...... میری ماں اک بدکار عورت تھی۔ میرے باپ نے اسے طلاق دے دی تھی۔" وہ پھٹ پڑی۔ "پنڈی میں میری ماں کا نام جانا پہچانا ہے۔ وہ اب بھی بدکاری سے باز نہیں آئی۔ اب وہ آزادی سے یہ کام۔"

"اوہ۔" شعیب دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اور میرا باپ۔" سمہ ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ یہ نگاہ جانے طنز بھری تھی یا اپنا تمسخر اڑانے والی تھی۔ "میرا باپ ایک قاتل ہے۔ اس نے چند ماہ پہلے اپنے پارٹنر کو قتل کر دیا تھا۔ اب وہ جیل کی سلاخوں کی پیچھے ہے۔"

شعیب گنگ سا رہ گیا۔ وہ اس سے کوئی بھی سوال نہ کر سکا۔ نہ ہی ہمدردی کا کوئی لفظ اس کے منہ سے نکل سکا......

سمہ چند لمحے چپ رہی پھر اس کے لبوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی شعیب کو سپاٹ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "حوصلہ ہے مجھے اپنانے کا۔ تمہاری ماں جی۔ تمہاری بہنیں ایک بدکار ماں اور قاتل باپ کی بیٹی کے حق میں فیصلہ دے سکیں گی۔"

وہ خود ہی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں تمہاری ماں جی اور بہنیں عزت مند گھرانے کی بیٹی لانا چاہیں گی۔ شریف اور معتبر گھرانے کی بیٹی۔"

"سمہ نے ماں باپ کے متعلق وضاحت سے بتایا۔ وہ جب چپ ہوئی تو شعیب گم سم تھا۔ سمہ صوفے سے اٹھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی شعیب کی پشت پر آئی دیوار پر لگی

پینٹنگ پر نظر جماتے ہوئے بولی۔ "شعیب میں ایک شریف لڑکی ہوں۔ لیکن میری شخصیت کے گرد جو فریم ہے۔ نا وہ اتنا گھناؤنا اور ایسا کریہہ المنظر ہے۔ کہ کوئی بھی اسے چھونا پسند نہیں کر سکتا۔ میں نے کئی بار چاہا تھا۔ کہ تمہیں اپنے متعلق بتا دوں۔ لیکن تم تو ایسے طوفانی انداز میں میری طرف بڑھ رہے۔ تھے کہ مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے افسوس ہے۔ یقیناً تمہیں بھی دکھ ہوگا لیکن کچھ نہیں ہو سکتا مجھے بہرحال اپنے والدین کی گاڑی ہوئی سولی پر لٹکنا ہے۔"

"سمہ۔" شعیب صرف اسی قدر کہہ سکا وہ بے اختیارانہ اٹھ کر اس کے پاس آگیا......

سمہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "آنٹی آصفہ چاہتی تھیں۔ کہ میرے پس منظر کی یہ کالک تمہاری ماں جی سے چھپالیں۔ لیکن شعیب زندگی کے سودے کبھی دھوکے کی بنیادوں پر بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے بھی کہا تھا۔ کہ وہ سب کچھ تمہیں بتا دیں۔"

وہ چند لمحے چپ رہی۔ شعیب سوائے بے چارگی سے ہاتھ مسلنے کے اور کچھ نہ کر سکا۔

"شعیب۔ تمہاری ماں جی کی نظروں میں پسندیدگی کی چمک دیکھ کر لمحہ بھر کو میں بھی بہک گئی تھی۔ لیکن انہوں نے آنٹی سے پہلا سوال ہی میرے والدین اور خاندان کے متعلق کیا تو......تو میں نے حقیقت حال سے تمہیں مطلع کرنے کا فیصلہ کر لیا......"

شعیب اب بھی کچھ نہیں بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ ہاں اس کے اندر طوفانی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ ماں جی کے خیالات سے آگاہ تھا۔ انہیں ایک باعزت معزز اور معتبر گھرانے کی خوبصورت لڑکی چاہئے تھی۔

کیا وہ ماں جی سے ٹکر لے سکے گا۔ اتنی کمزور بنیادوں پر اپنی ازدواجی زندگی کا بھاری بھرکم محل کھڑا کر سکے گا۔ ایک قاتل باپ اور آوارہ بدچلن ماں کی بیٹی کو قبول کر سکے گا؟

اس کے پہلو میں نشتر اتر رہے تھے۔

سمہ نے گھوم کر رخ اس کی طرف کر لیا۔ چند لمحے اسے تکتی رہی پھر آہستگی سے بولی۔

"جاؤ شعیب کہ ہمارے راستے جدا جدا ہیں۔ ہم معاشرے کے لگے بندھے اصولوں کے تاروں میں الجھے لوگ ان سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔ تم جاؤ میں جلد ہی لندن چلی جاؤں گی تم اپنی راہ پر چل پڑو گے اور یہ چند دن جو ہم دونوں نے جذباتی دھاروں پر بہہ جانے میں گزارے ہیں۔ ماضی کے کسی گوشے کا معدوم حصہ بن جائیں گے جاؤ شعیب چلے

جاؤ۔"

"سمہ۔" شعیب نے بڑے دکھ سے کہا۔

سمہ کی خشک و ویران آنکھوں کے گوشے سلگ اٹھے لیکن اس نے لبوں پر مسکراہٹ سجالی۔

"جاؤ شعیب جاؤ۔" وہ بولی۔

"چلا جاتا ہوں۔" شعیب کی آواز رندھ گئی۔ لیکن کمال ضبط کا مظاہر کرتے ہوئے بولا۔ "میں پھر آؤں گا مجھے اپنی محبت کے استحکام کا پورا یقین ہے۔" وہ جلدی سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

سمہ آنکھیں میچ لیں۔ آنسوؤں کے قطرے آنکھوں کے کناروں سے لڑھک گئے۔

وہ جانتی تھی۔

کہ۔

اب شعیب نہیں آئے گا۔ اس کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔

☆☆☆

اتنی کمزور بنیادوں اور ایسی بے معنی دلیلوں پر اتنا سنگین اور اتنا نازک مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈانو ڈول تو خود اس کا اپنا من ہی ہوگیا تھا۔ سمہ اچھی سہی خوبصورت اور شریف بھی سہی لیکن اس کے گھریلو حالات اس سے جدا تو نہ تھے اس کی ماں کو واقعی دنیا جانتی تھی کئی کیسوں میں ملوث ہو کر اخباروں میں نام آچکا تھا۔ باپ قاتل تھا۔ یہ قصہ بھی کئی دن اخباری سرخیوں میں جگہ پاتا رہا تھا۔

شعیب کی پریشانی ان پریشان کن سوچوں سے بڑھتی جارہی تھی۔ ماں جی یا بہنوں سے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ تذبذب میں مبتلا تھا۔ کبھی سمہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگتے تھے......

"شعیب خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو میرے زخم نہ کریدو میری شخصیت پر جو ظاہر داری کا پردہ پڑا ہے۔ پڑا ہی رہنے دو۔"

کیا اسے یہ پردہ پڑا ہی رہنے دینا چاہئے۔ سمہ کے ماں باپ کے متعلق ماں جی اور بہنوں کو کچھ نہیں بتانا چاہئے۔

لیکن۔

"وہ بتائے یا نہ بتائے ان لوگوں کو معلوم ہو ہی جائے گا۔ یہ بندھن باندھنے کے لئے وہ تو پہلی چھان بین یہی کریں گی......

دو تین دن سخت اضطراب میں گزرے پھر وہ اپنی پریشانی چھپانے پر قادر نہ رہ سکا۔

اس دن زاہدہ آپا نے پوچھ ہی لیا۔ "کیا بات ہے۔ شعیب بہت پریشان نظر آتے ہو۔"

وہ کرسی میں سیدھا بیٹھا تھا۔ آپا کی بات سن کر گردن کرسی کی پشت پر ڈال کر آنکھیں بند کرلیں......

زاہدہ مضطرب ہوگئی۔ گھبرا کر اٹھی اور اس کی کرسی کے پاس آکر اس کی پیشانی پر پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی۔ "کیا بات ہے۔ شیبو کیا ہوا دو تین دن سے دیکھ رہی ہوں تم اپنے

آپ میں نہیں ہوتے ۔"

" زاہدہ آپا۔" شعیب نے بہن کے ہاتھ پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اس کی اس حرکت سے زاہدہ اور گھبرا گئی۔ کرسی قریب گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اس کا کندھا ہلایا۔ "کیا بات ہے ؟"

وہ کچھ نہیں بولا۔ آگے کو جھک آیا اپنے ہونٹ بے تابی سے کاٹنے لگا۔

" بتاتے کیوں نہیں ہو۔ کیا پریشانی ہے۔ کاروبار کی کوئی بات ہے۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

" پھر؟۔"

وہ کچھ کہنے کی کوشش میں تھا۔ کہ زاہدہ بولی۔ "کسی سے لڑائی جھگڑا.....؟"

" نہیں۔"

" پھر پھر کیا پریشانی ہے۔"

اور ۔

جو پریشانی تھی اس نے رک رک کر گھٹ گھٹ کر بڑی آپا کے گوش گزار کر دی۔ اس کے ذہن پر جو بوجھ تھا۔ وہ اس نے اتار پھینکا۔

زاہدہ تو سن کر ششدر سی رہ گئی۔ بے اختیار نہ کانوں کی لوئیں چھو کر بولی " شکر ہے۔ ہم لوگوں نے رشتے کی بات کر نہیں دی تھی ۔"

شعیب نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں میں درد کی ساری شدتیں سمو کر بہن کو دیکھا۔

زاہدہ ایک لحہ کو ٹھٹک گئی۔ شعیب کے جذبات سے پوری طرح آگاہ ہوتے اسے دیر نہ لگی ۔

آہستگی سے بولی۔ " تم سمہ کو پسند کرنے لگے تھے ۔"

شعیب نے سر جھکا لیا......

ماں جی زاہدہ کی چھوٹی بچی کو اٹھائے عین اسی وقت اس کمرے میں آگئیں۔ " لو بھئی پکڑو اسے رو رو کر برا حال کر لیا ہے اس نے ۔"

"کیوں کیا ہوا ؟"

ماں جی کی نگاہ شعیب پر پڑی۔ زاہدہ کی بات کا جواب دینے کی بجائے بچی اسے دیتے ہوئے بولیں۔ " اسے کیا ہوا ہے۔"

زاہدہ نے بچی کو چپ کراتے ہوئے ماں جی سے کہا۔ " سمہ کی بات ہے۔"

"کیا ؟ ۔"

شعیب کی بجائے زاہدہ نے ساری بات بتا دی۔ ماں جی ایک دم سے بولیں " اللہ تیرا شکر ہے۔ جو ہم نے رشتہ نہیں مانگ لیا۔ ورنہ میں تو سوچ رہی تھی آصفہ کے پاس جاؤں اور اسے ساتھ لے کر پنڈی سمہ کے ماں باپ سے ملوں۔" پھر وہ توبہ توبہ کرنے لگیں زاہدہ بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی ۔

شعیب ان حالات میں کیا کرتا کیا کہتا۔

صرف اسی قدر کہا " سمہ تو شریف لڑکی ہے۔"

ماں جی کو اس کی بات پر غصہ آیا۔ لیکن غصہ دباتے ہوئے بولیں۔ " جیسے ماں باپ ویسی اولاد۔"

"نہیں ماں جی۔" شعیب جلدی سے بولا ۔

لیکن۔

اس کی کون سنتا تھا۔

پھر شاہدہ بھی سسرال سے آگئی۔ گھر میں عجب سا کھنچاؤ محسوس ہونے لگا۔ شعیب کے من میں سمہ سمائی تھی۔ جذبات بری طرح مچلے ہوئے تھے۔ محبت کے سہارے اس نے سمہ کے حق میں آواز بھی اٹھائی ......

لیکن کچھ نہیں بنا۔ بنیادیں جو اتنی کمزور تھیں۔ ان پر بھاری بھر کم تعمیر کیسے ممکن تھی اس کے گھر والے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ماڈرن ہوتے تو بات شاید پنپ جاتی۔ وہ تو کنبے قبیلے اور رکھ رکھاؤ والے لوگ تھے۔ روایات انہی کے دم سے زندہ تھیں۔ وہ بھلا اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے ایسے گھر کا انتخاب کیونکر کرتے یہاں برائیاں جنم لیتی تھیں۔

شعیب کئی دن مچلا رہا۔ ماں جی نے سمجھایا بہنوں نے محبت کا بھوت سر سے اتارنے کی کوشش کی بات خاندان میں بھی پھیل گئی۔ تایا جان آئے ماموں حمید نے دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی ......

اتنے ڈھیر سارے لوگوں کے سامنے بھی اس نے ٹھہرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی تو ماں جی نے جل بھن کر کہا۔ " ٹھیک ہے۔ تم اپنی مرضی کر لو ہم کون ہوتے ہیں تمہاری راہ میں آنے والے۔ کل کو خود ہی بھگتو گے آج تم صرف اپنا آپ کو دیکھ رہے ہو۔ کل کو بچے ہو جائیں گے وہ نانا نانی کے متعلق پوچھیں گے تو بتاتے ہوئے تم ہی ہچکچاؤ گے۔ اک بے عزت خاندان سے ناطہ جوڑ کر بے عزت ہونا چاہتے ہو تو ہو جاؤ میں روکنے والی کون۔"

پھر ماں جی نے اپنا آخری فیصلہ بھی سنا دیا کہ سمہ سے شادی کرنے کی صورت میں اسے ماں جی بہنوں اور سارے خاندان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قطع کرنا ہوگا۔

بات سنجیدہ ہوگئی ......

شعیب کے دوستوں نے بھی شعیب کو سمجھایا رشتہ داروں عزیزوں نے بھی انکل رشید اور آصفہ نے بھی اس کے گھروالوں کا رویہ دیکھا تو یہی بات سمجھائی ۔

آخر ۔

شعیب ہی کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔ اس کی ماں جی اس کی بہنیں اس کا روایت پسند خاندان اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

شعیب مچلا تڑپا بے بسی و بے چارگی کا مرقع بنارہا۔ لیکن طوفان دب ہی گیا۔اس کے بعد وہ سمہ سے نہیں ملا اس کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتا تھا۔ سمہ کی محبت کا قاتل گردانتا تھا۔

پھر۔

یہ دور بھی گزر گیا۔

سمہ لندن چلی گئی ۔

اور ۔

شعیب اپنے راستے پر چل پڑا ۔

اور ۔

یوں ۔

ایک دو نہیں ......

آٹھ سال بیت گئے۔ زندگی نے شعیب کو خوب الجھالیا تھا۔ وہ صرف اور صرف کاروبار کا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے یہ کاروبار خوب پھیلایا لاکھوں روپے کمائے پرانی کوٹھی کی جگہ نئی خوبصورت کوٹھی تعمیر کرکے اپنے مرحوم باپ کی روح کو تسکین پہنچائی اسے شاندار قیمتی اور نادر و نایاب چیزوں سے آراستہ کیا۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ بلکہ اتنی فراوانی تھی۔ کہ وہ اسے سنبھال نہ پارہا تھا۔اس نے اپنا ایک دفتر سعودی عرب کے شہر ریاض میں بھی بنایا ہوا تھا۔ سال میں مہینہ مہینہ بھر تین چار چکر وہاں کے بھی لگتے تھے۔ وہ اب بے طرح مصروف ہوگیا تھا۔

اور سمہ ۔

واقعی ماضی کی ایک معدوم یاد تھی۔ کبھی کبھار کسی حوالے سے اس کا خیال آتا بھی تو ہوا کے جھونکے کی طرح آتا اور گزر جاتا۔ اس خیال سے اسے اب کوفت ہوتی نہ ذہنی اذیت وہ میچور آدمی تھا۔ اب جذباتی اور بچکانہ حرکتوں پر کڑھنے کی گنجائش ہی نہ تھی ۔

وقت اپنی مخصوص روانی سے گزرتا چلا جارہا تھا......

شعیب اب انتیس تیس سال کا ہورہا تھا۔ ماں جی عمر کے آخری دور کو پہنچ رہی تھیں۔ شعیب کی شادی اب ضرور ہونا چاہئے تھی۔ وہ کاروباری مصروفیتوں کی وجہ سے یہ معاملہ التواء مین ڈالتا آرہا تھا۔ لیکن اب کے زاہدہ کویت سے آئی تو اس نے شعیب کے لئے ایک اچھے اور باعزت گھرانے کی خوبصورت سی لڑکی ڈھونڈ ہی نکالی ۔

نازیہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ مالدار لوگ تھے لیکن رکھ رکھاؤ اور روایات کو سینے سے لگانے والے۔ شعیب ہی کے خاندان کی طرح تھے۔ ماں جی کو بھی گھرانہ پسند آیا شریف معزز اور معتبر گھرانہ پانے ہی کی تو وہ متمنی تھیں۔ لڑکی بھی ان کے معیار حسن پر پوری اترتی تھی وہ تو اسے دیکھتے ہی ریجھ گئیں ......

دونوں جانب سے رشتوں کی پسندیدگی کا اظہار تھا۔ شعیب کو کونسا دخل دینا تھا۔ یا اپنی پسند کا لیبل لگنا تھا۔ مجرد کا زندگی اب اس پر بوجھ بن رہی تھی۔ کاروبار بھی جم چکا تھا۔ اب یہ سلسلہ بھی زیادہ دوڑ دھوپ نہیں چاہتا تھا۔ شادی کی ضرورت وہ محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ جب گھروالوں نے اتنی زور و شور سے رضامندی ظاہر کی تو وہ بھی رضامند ہوگیا۔ شادی کا معاملہ ویسے بھی اس نے ماں اور بہنوں پر چھوڑ دیا تھا۔ ماں جی اور بہنیں شادی کی تیاریوں میں ہاتھ بٹانے لگیں۔ بڑی شان اور بڑی دھوم سے شادی ہونا تھی ۔

شعیب بھی ہر جوان مرد کی طرح مسرور تھا۔ تصورات میں دنوں حسن ہی حسن تھا۔ سپنے انگڑائیاں لیتے تھے۔ ان کی حسین تعبیروں کا تصور بڑا ہی جانفزا تھا۔ اسے شادی کی دھوم دھام سے غرض تھی نہ ان تیاریوں کی خوشی تو اسے یہی تھی۔ کہ اس کی ادھوری اور نامکمل زندگی تکمیل پانے والی ہے۔ جیون ساتھی ملنے والا ہے۔ گھر بسنے والا ہے۔ ۔

اپنے طور پر اس نے اس حسین ساتھی کو خوش آمدید کہنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی تیاریاں کی تھیں۔ حجلہ عروسی اس شان سے سجایا تھا۔ کہ سپنوں کا سارا حسن اس میں نکھر آیا تھا۔ ہنی مون کے لئے بھی سب کچھ طے کر لیا تھا۔ ولیمے کے بعد ہنی مون کے لئے جانا تھا۔ پھر اگلے ماہ بیوی کو ساتھ لے کر مڈل ایسٹ کے ملکوں کی سیاحت کر کے یورپ جانے کا بھی ارادہ کر لیا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

شعیب نے صوفے کی پشت سے سر اٹھایا۔ آنکھیں کھولیں اور قدموں کے قریب بیٹھی
نازیہ کو دیکھا۔ کمرہ پھر ایک بار پوری تیزی سے گھوم گیا۔ ہر چیز تحس نحس ہو گئی۔ سپنے بکھر
گئے۔ اور تباہی ہی تباہی کا منظر سامنے آگیا۔
"اف۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔
نازیہ کا سر کچھ اور جھک گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی انگلیوں سے قالین کو کرید رہی
تھی۔
اس نے جو کچھ کیا تھا۔ اس پر نادم تھی اور خوفزدہ بھی۔ خوف تو اک عرصے سے اس
کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔ اور اسی سے چھپنے کے لئے بچنے کے لئے اس نے شعیب کا
دامن تھاما تھا۔ اس کے ذہن کی رسائی اسے یہاں تک ہی لاسکتی تھی۔ اس خوف سے چھٹکارا
پانے کا سہل طریقہ اسے یہی سوجھا تھا۔
کمرے میں گھمبیر سی ویران سی خاموشی تھی۔ رنگ و نور کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔
لہریں لیتی خوشبوئیں لگتا تھا۔ سڑاند بن گئی ہیں ہر شے کو دیکھنے کا انداز ہمارے اندر کے
جذبوں پر ہی تو ہوتا ہے۔ یہی کمرہ جو تھوڑی دیر پہلے حسین خوابوں کے تانے بانے سے بنا
ہوا تصوروں سے بھی زیادہ حسین تھا۔ جس میں امنگوں آرزوؤں اور ان چھوئی خواہشوں کے
رنگ بکھرے تھے۔ جس میں جوانی کافر ادائے انگڑائیاں لے رہی تھی۔ جو منزلوں کو پالینے کا
نشان تھا۔ جو خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ جس میں ایک طویل رفاقت اور ایک حسین بندھن کے
عہد و پیمان ہونا تھے۔ اب کسی اجڑے قبرستان کی طرح تھا۔ سجی سجائی چھپر کھٹ کسی اندھی
قبر کی طرح منہ کھولے لگ رہی تھی۔
اور۔

ایک دوسرے کے وجود جو قریب آکر بھی دوری کی مسافتوں پر تھے۔ اتنے دور تھے کہ
چھولینا بھی ممکن نہ تھا۔ گناہ و ثواب کی حدیں حائل ہو گئی تھی۔ معاملہ اتنا سنگین اور ایسا

کن تھا۔ کہ اس وقت لگتا تھا۔ وقت کا دل بھی تھم گیا ہے۔
شعیب کی حالت تو ناگفتہ بہ تھی۔ اپنے حواس میں ہی نہ آرہا تھا۔ یقین کے دہانے پر
کھڑا تھا۔ لیکن بے یقینی کو پکڑنے کے لئے لپک رہا تھا۔ کاش اس نے جو کچھ سنا ہے۔ غلط
ہو۔ اس نے جاگتے میں خواب دیکھا ہو۔ ہوش میں بے ہوشی کا عالم رہا ہو......
لیکن۔
نہیں۔
سچائی کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔
حقیقت رخ سے نقاب الٹ چکی تھی۔
جو کچھ اس نے نازیہ سے سنا تھا۔ وہ اک حقیقت تھی۔
شعیب نے دونوں ہاتھوں سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔
چہرے پر سختی ابھر رہی تھی۔
نازیہ نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ تو خود بھی پتھرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کا وجود
مٹی کے ڈھیر کی طرح تھا۔ شاید جتنا بڑا قدم وہ اٹھا چکی تھی۔ اس کا احساس اب ہو رہا تھا۔
"شعیب صاحب۔) اس کے لبوں سے جانے کیسے نکل گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اٹھے
معافی مانگنے کے لیے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں کیا کرتی شعیب صاحب میں کیا
کرتی۔"
"کیا کرتی۔" ایکا ایکی وہ غرایا۔ لات پوری قوت سے اسے ماری وہ قالین پر دور
جاگری۔ شعیب خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ذلیل لڑکی تو نے مجھے ہی قربانی کا بکرا بنانا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا زہر کھالیتیں۔ ماں
اپ کی عزت ہی بچانی تھی تو مرجاتیں ......"
نازیہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے یہ سوچا تھا......"
"پھر مرکیوں نہ گئیں۔ بدچلن آوارہ لڑکی۔" شعیب نے بمشکل اپنے آپ کو چیخنے
سے روکا۔
نازیہ کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ آنسو پیتے ہوئے بولی "میں مرجاتی ...... زہر کھالیتی۔
خودکشی کرلیتی لیکن ...... یہ بات میرے ماں باپ خاندان کے لئے ایسی رسوائی بن جاتی جسے
وہ عمر بھر کی نیک نامی دے کر بھی نہ مٹا سکتے۔ میرے لئے موت کوئی خوفناک شے نہ رہی
تھی۔
لیکن میرے ماں باپ وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

شعیب دانت پیستا رہا۔

وہ خود ہی آنسو پونچھ کر بولی۔ "میں ہر وہ سزا سہنے کو تیار ہوں جس کا تعلق میری ذا سے ہو۔ لیکن خدا کے لئے شعیب صاحب میرے ماں باپ انتہائی شریف عزت دار ہیں انہیں"

"عزت دار ! شریف ! آوارہ لڑکی ان کی عزت جب خاک میں ملائی تو خیال نہ تھا......"

"کچھ گناہ ثواب حاصل کرنے کے لئے بھی سرزد ہوجاتے ہیں۔ میری بھول تھی۔ میں"

"بکواس بند کرو ......"

"شعیب صاحب خدا کے لئے۔" اس نے پھر ہاتھ جوڑے "کچھ دن برداشت کر لیجئے پھر مجھے طلاق دے دیجئے گا۔ میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔"

"طلاق -" وہ غرایا......

"ہاں طلاق لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد......"

"طلاق طلاق ذلیل لڑکی جانتی بھی ہو کہ ایسی صورت میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ نکاح ہی نہیں۔ جائز ہی نہیں۔ تو طلاق ......"

"جو کچھ بھی ہے۔ سب کے سامنے نکاح ہوا ہے۔ آپ طلاق دے سکتے ہیں۔ ن کے سارے مراحل طے ہوئے ہیں ایجاب و قبول دستخط۔"

شعیب نے زور سے پاؤں پٹخا اور اچکن کھینچ کر یوں اتاری۔ جیسے اپنی کھال کھینچ رہا اچکن گول کر کے اس نے پرلی کرسی پر پھینک دی ابھی تک وہ ذہنی اور دماغی دل جمعی کام لینے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ وہ چھپر کھٹ کی طرف گیا۔ اور لٹکتی لڑیاں نوچ کر پرے ہٹائیں پھر بیڈ پر گر گیا وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ نازیہ ان طوفانی سانسوں کی پرے بیٹھی سن رہی تھی......

شعیب بیڈ پر چپ پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چھاتی کا زیرو بم طوفانی تھا۔

نازیہ نے اس کی جانب دیکھا......

اور -

پہلی بار نظر بھر کر دیکھا۔ شعیب کی مردانہ وجاہت اور خوبصورتی میں لمحہ بھر کو و گئی۔ دکھ کی تیز دھار نشتر بن کر پہلو میں اتر گئی۔ اپنے کئے پر افسوس تو پہلے بھی تھا۔ اب اپنی بدقسمتی کا بھی احساس ہوا......

اس نے کیا کھوا تھا۔ کیا پایا تھا۔ اس وقت وہ موازنہ کرنے کے قابل بے شک نہیں تھی لیکن جذبات بے لگام ہوتے ہیں۔ سچائی کا پر تو ہوتے ہیں۔ ان لمحوں میں بھی جذبات پکار اٹھے تھے۔ اور نازیہ کو اپنے بد قسمت ہونے کا جان لیوا احساس پوری شدت سے ہوگیا تھا۔

رات سرک رہی تھی ایک ایک لمحہ جیسے تساہل سے رینگ رہا تھا۔ سارا گھر نیند کی آغوش میں تھا۔ کوئی آواز کوئی صدا نہ آرہی تھی۔ شعیب جب بستر سے اٹھا تو تین بج چکے تھے ۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس نامانوس فضا میں اس اذیت دہ ماحول میں تین صدیاں گزر چکی ہیں......

نازیہ اب بھی وہیں بیٹھی تھی۔ اس نے مخملی کرسی سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ دونوں کے ذہن متحرک تھے۔ لیکن سوجھ نہ رہا تھا۔ کہ کیا کریں ۔

شعیب چند لمحے کمرے کے وسط میں کھڑا رہا۔ پھر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ اس نے کپڑے بدلے منہ ہاتھ دھویا۔ اور اپنے انگارہ سے ذہن کو کچھ صحیح انداز میں سوچنے کے قابل بنانے کے لئے آئینے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ پریشانی تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی ۔

لیکن ۔

اب اس نے اپنے آپ پر کچھ قابو پالیا تھا۔ گزرے وقت کو لوٹا لینا انسانی امکان میں نہیں۔ لیکن آنے والے وقت کے متعلق سوچ لینا تو بس میں ہوتا ہے۔ چند گھنٹے ہی تھے پھر صبح نے بیدار ہو جانا تھا۔

کیا گھر والوں کو ساری بات بتا دینا چاہئے تھی ؟

یا ۔

یا ۔

چند دن کرب و اضطراب کے اپنی ہستی پر گزار کر وجہ ظاہر کئے بغیر نازیہ کو طلاق دے دینا چاہئے تھی ۔

اپنے آپ پر کچھ قابو پالینے کے باوجود وہ ذہن میں تازگی محسوس نہ کر سکا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی نہ تھی۔ دماغ پھٹ رہا تھا۔ نسیں چیخ رہی تھیں۔ پورا جسم پکے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کبھی جسم انگاروں کی طرح دہکنے لگتا تھا۔ کبھی سردیوں کی جمی ہوئی برف کی طرح پتھریلا برفانی تودہ بن جاتا۔

اس وقت کچھ سوچنا کوئی فیصلہ کرنا کوئی قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا۔ وہ آئینے کے سامنے سے ہٹا اور لرزتے قدموں سے کمرے میں آگیا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے پھر نازیہ تھی۔ جو بے حد حسین ہونے کے باوجود لٹی پٹی اور ویران لگ رہی تھی رونے سے آنکھیں متورم تھیں۔ ناک کی پھننگ بھی سرخ ہو رہی تھی یوں بیٹھی تھی جیسے حنوط شدہ لاش رکھی ہو۔

شعیب ایک بار پھر سراپا شعلہ بن گیا۔ جی چاہا آگے بڑھ کر اس لڑکی کا گلا دونوں ہاتھوں سے دبا دے۔ جس نے ناحق میں اسے اتنی بڑی سزا دے دی تھی۔

ناحق کی سزا کے حوالے سے جانے کہاں سے سمعہ کا خیال ذہن میں در آیا۔

سمعہ۔

جسے محض اس لئے ٹھکرا دیا گیا تھا۔ کہ وہ ایک بے عزت اور بدنام زمانہ خاندان کی لڑکی تھی۔

یہ۔

یہ نازیہ......

شریف معتبر اور آبرو مند گھرانے کی لڑکی شرافت کے ماتھے کا کلنک۔ کہیں یہ سمعہ کے دل کی کوئی جلی آہ تو نہ تھی۔ جو شعیب کا دامن دل یوں جلا گئی تھی۔

سمعہ جس کا دل بے صدا ٹوٹ گیا تھا۔

لیکن۔

ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بے صدا ٹوٹ جانے والے دلوں کی بازگشت ایسی لرزہ خیز ہوتی ہے۔ کہ سب کچھ بکھرا کے رکھ دیتی ہے۔

شعیب لڑکھڑاتے قدموں سے صوفے کیطرف بڑھا۔ صوفے میں اپنا وجود گراتے ہوئے اس نے سگریٹ سلگایا اور پھر بیدردی سے سگریٹ پھونکے چلا گیا۔ اس کا ذہن کسی ایک نہج پہ آہی نہیں رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنی تیرگیٔ نصیب کو سمعہ کی کسی آہ سے تعبیر کر رہا تھا۔

نازیہ اس طرح بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ چور چور جسم کو اس نے کروٹ کے انداز میں بدلا......

"شعیب صاحب۔" اس نے آنسوؤں سے رندھی بوجھل آواز میں کہا......

شعیب نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا ایش ٹرے کی بجائے میز پر ہی بجھاتے ہوئے اپنی سرخ انگارہ آنکھوں کو زور سے میچا اور پھر کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ سر جھکائے اپنی حنا آلود انگلیوں کو مسلے جا رہی تھی۔

"نیند آرہی ہے۔ تو سو جاؤ کاٹ دار اور دل جلا دینے والے لہجے میں وہ غرایا۔" نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ اور تم نے تو دوسرے کو سولی پر لٹکایا ہے۔ تمہیں تو نیند آہی رہی ہو

گی۔"

"شعیب صاحب۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی اس کی طرف بے دھڑک دیکھتے ہوئے بولی "میں نے ایک غلطی پہلے کی میری بھول تھی۔ دوسری غلطی یہ کی ہے۔ یہ شاید اس سے بھی بڑی بھول ہے۔ میں میں انجان تھی۔ بے وقوف تھی یا اتنی خوفزدہ تھی کہ مجھے اس راستے کے سوا اور کچھ سوجھا ہی نہیں۔ میں اس راستے پر چل پڑی یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ راستہ کتنا دشوار گزار کتنا پیچیدہ اور کیسا پر خار ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ میری کم عقلی نے آپ کو بھی اذیت دی۔ آپ کے لئے بھی سنگین مسئلہ کھڑا کردیا۔ لیکن جو ہو چکا ہے۔ اسے میں لوٹا سکتی ہوں نا آپ۔ بہتر یہی ہے۔ کہ آپ اپنے فیصلے سے مجھے مطلع کر دیں۔ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں۔ چاہیں تو ابھی طلاق دے دیں چاہیں تو......

"یہ معاملہ تم نے اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے۔" وہ غرایا......

"جو کچھ بھی ہوا اب اسے طے کرنا ہی ہے۔" میں پھر معافی مانگتی ہوں لیکن خدا کے لئے میری مدد ضرور کیجئے۔ میں۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ آنسو اس کی حنائی انگلیوں پر موتیوں کی صورت پھسل رہے تھے۔

شعیب نے نیا سگریٹ سلگایا۔ اس کا حلق تلخی سے بھر گیا تھا۔ اس نے نازیہ پر نگاہیں جما دیں۔ پھر قدرے آہستگی سے بولا میں اس وقت کچھ سمجھ نہیں پا رہا کہ کیا کروں بہتر ہے۔ کہ تم بھی سو جاؤ......"

نازیہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔ اور آنکھیں سرخ جھلملاتی جھیلیں بنی تھیں۔

"اٹھو اور سو جاؤ۔" شعیب نے پھر زور سے کہا اس کی غصیلی آواز سے وہ سہم کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھبرا کر شعیب کی طرف دیکھا۔

"بیڈ پر سو جاؤ۔" شعیب نے حکم دیا۔

"آپ...... آپ ادھر سو جائیں۔"

"بکواس بند کرو جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو......"

"لیکن......"

وہ ہچکچا رہی تھی۔ شعیب صوفے میں سیدھا ہوا گھور کر اسے دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "شاید تم مجھ سے کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو۔"

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا تو شعیب نے تلخ سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا "تم جیسی

لڑکیاں بھلا خطرہ محسوس کر سکتی ہیں؟"

"شعیب صاحب -" وہ بھی اب انداز بدل کر بولی۔ "میں کسی طنز کی متحمل نہیں ہوؤنگی۔ میرا آپ کا واسطہ جس سلسلے میں ہے۔ اس سے بڑھنا پسند نہیں کروں گی۔ آپ کو میرے اس اقدام سے ذہنی کوفت ہوئی ہے۔ میں سوائے معذرت کے اور کوئی مداوا نہیں کر سکتی اس شادی پر آپ کا مالی نقصان بھی ہوا ہے۔ جس کے مداوے کی یہی صورت میں نے سوچی ہے۔ کہ اپنا زیور اور جہیز طلاق کی صورت میں بھی واپس نہیں لوں گی۔

آپ ......"

"ذلیل لڑکی۔" شعیب غصے سے لال پیلا ہوگیا۔ "بکواس بند کرو اور سوجاؤ۔ میرا جو بھی فیصلہ ہوگا تمہیں مطلع کر دوں گا۔ اور جب تک کسی فیصلے پر نہ پہنچوں۔ تم اپنی زبان بند رکھنا کسی کو پتہ چلا تو میں تمہارا گلا دوپٹے سے بھی گریز نہ کروں گا۔ سمجھیں تم نے ماں باپ کی عزت بچانے کے لئے یہ گل کھلایا ہے؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ میری کوئی عزت نہیں میں کھلونا ہوں...... حقیر شے ہوں ......"

"آپ .... آپ۔" وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"دفع ہو جاؤ۔ ایک بار پھر سن لو صبح کسی کو پتہ نہ چلے کہ کیا ہوا ہے۔ میری ماں بہنیں رشتہ دار کوئی بھی آگاہ نہ ہو جب تک میں کوئی فیصلہ نہ کرلوں یہ بات سب سے چھپانا ہوگی سمجھیں۔" اس نے زور سے میز پر مکہ مارا وہ غصے سے بھڑک رہا تھا۔

نازیہ نے بہتری اسی میں سمجھی کہ چپ ہو جائے۔ حالات کو ان کے دھارے پہ بہنے دے۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" والے مقولے پر عمل کرنے کی صورت ہی رہ گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلی بیڈ کے قریب آئی کچھ جھجکی لیکن وہ ایک بار پھر دھاڑا۔

تو۔

بستر میں گھس گئی۔

اور۔

ماضی۔

لمحہ لمحہ اس کے ذہن میں رینگنے لگا۔

☆ ☆ ☆

نازیہ کالج سے واپس آئی۔ تانگے سے اتر رہی تھی۔ کہ اس کی کلاس فیلو نبیلہ نے کہا۔

"نازیہ بھئی اس دفعہ تمہیں نہیں بخشیں گے۔ جس طرح ہو اجازت لے لینا۔"

دیکھو اپنی طرف سے کوشش کروں گی۔"

"حد ہی ہے۔"

"بس۔"

نازیہ نے برا سا منہ بنایا نبیلہ کے ساتھ دوسری لڑکیاں بھی ہنس پڑیں۔ کالج کے تانگے میں چھ سات لڑکیاں لدی تھیں۔ نازیہ کا گھر پہلی سڑک پہ تھا۔ اس کو اتار کر تانگے نے آگے جانا تھا۔

"اچھا بھئی۔ خدا حافظ" نبیلہ نے کہا۔

"خدا حافظ۔" گیٹ سے اندر آتے آتے نازی نے کہا۔

"ضرور اجازت لینا۔" تانگہ چل پڑا تو نبیلہ آگے کو جھک کر یاد دہانی کرانے لگی۔

نازیہ گیٹ میں کھڑی ہوگئی چہرے پر بیچارگی تھی۔ بے دلی سے سرہلایا تانگہ صاف سڑک پہ ٹک ٹک کرتا بڑھ گیا۔ نازیہ کندھوں پر سے چادر اتارتے ہوئے ہولے ہولے قدم اٹھاتی اندرونی سڑک پر آگئی۔

"سلام بی بی۔" دس سالہ شمو نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے چادر اور کتابیں لے لیں۔

سر کے اشارے سے نوکرانی کی بیٹی کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ برآمدے میں آگئی۔

شمو نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا نازیہ اندر چلی گئی۔

لاؤنج میں اس کی امی بیٹھی تھیں۔ مشین میز پر رکھی تھی وہ کچھ سینے میں مصروف تھیں۔

اس نے ماں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام آگئی نازیہ بیٹی-" امی ہلکے زرد رنگ کا ریشمی کپڑا پھیلائے ہوئے بولیں-

"جی آگئی-" وہ دھم سے ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی-

شمو بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آئی تھی- کتابیں اور چادر اٹھائے تھی-

"اوپر رکھ آؤں بی بی جی-" اس نے پوچھا-

"تو کیا میرے سر پر رکھے گی-" نازیہ جھنجلائی ہوئی تھی-

"کیا ہوا میری رانی کو-" امی نے کپڑا سمیٹ کر گود میں رکھتے ہوئے اسے دیکھا

"ہوا کیا ہے-"

"کچھ ناراض ناراض لگ رہی ہو- کالج سے ڈانٹ تو نہیں پڑی-"

وہ اپنے لمبے لمبے ناخن رگڑنے لگی-

"خدا کے لئے نازیہ ان ناخنوں کو تو کاٹ ڈالو-" امی نے ناخن دیکھتے ہوئے ملامت بھرے آواز میں کہا-

"امی-" نازیہ ماں کو دیکھ کر منہ بناتے ہوئے بولی-

"ہوں-"

"میں ..... میں اس زمانے کی لڑکی نہیں ہوں کیا-"

"کیا؟-"

"آپ لوگ مجھ پر اتنی پابندیاں کیوں لگاتے ہیں- ناخن لمبے نہ کرو بال کٹوانے کا بھی نہ لینا- یہ نہ کرو وہ نہ کرو ......"

امی اس کے لال بھبوکا چہرے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں- پھر بازو بڑھا کر اس کی گر میں حمائل کر کے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولیں- "یہ باتیں بری نہیں ہیں نازو برا نہ منایا کرو ......"

"کیسے برا نہ منایا کروں امی- آپ لوگوں نے تو مجھے کمپلیکس میں مبتلا کر دیا ہے- می کلاس کی لڑکیاں بھی تو ہیں- وہ بھی اچھے اور باعزت گھرانوں کی ہیں ایک افتاد مجھ پر پڑی رہتی ہے......"

"اوہو ہو ...... آج تو بڑی غصہ میں ہے- ہماری بٹیا کیا بات ہے-"

نازیہ نرم ہو کر ماں سے لپٹ گئی- پھر بولی "امی ...."

"ہوں-"

"امی میری کلاس کی لڑکیاں کل پکچر دیکھنے جا رہی ہیں-"

"تو-"

"میں بھی جاؤں گی- سب نے مل کر جانے کا پروگرام بنایا ہے-"

"دیکھو نازیہ-" امی نے اپنا بازو اس کی گردن سے نکال لیا- "تمہارے اباجی ان باتوں کو پسند نہیں کرتے- پکچر پر جانا ہے- تو کسی دن میں تمہیں لے چلوں گی-"

"بہت لے گئیں آپ-"

"اجازت مانگوں گی- گر تمہارے ابا رضامند ہو گئے تو چلے چلیں گے-"

"اور وہ رضامند نہیں ہوں گے-"

"پھر نہیں جائیں گے-"

"امی ......"

"نازیہ بیٹی ......"

بس بس امی- میں نصیحتیں سنتے سنتے تنگ آگئی ہوں- آپ مجھے اجازت دیں گی- ضرور دیں گی ......"

"میں ...... میں دے بھی دوں تو تمہارے ابا-"

"ان سے آپ پوچھ لیجئے نا ......"

"وہ میرے ساتھ جانے کی بمشکل اجازت دیتے ہیں- لڑکیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے-"

"آپ لے کر دیں نا- آخر میرا بھی دل ہے- لڑکیوں میں مجھے بھی رہنا ہے- آپ سوچ نہیں سکتیں مجھے کتنی شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے......"

"شرمندگی کی کیا بات-"

"اچھا جی کوئی بات ہی نہیں- میری سب سہیلیوں کو گھر سے ہر قسم کی اجازت ملی ہے- آزادی سے جہاں چاہتی ہیں- آتی جاتی ہیں کالج ہی سے بازار چلی جاتی ہیں- کئی تو پکچر بھی دیکھنے خود ہی چلی جاتی ہیں-"

"یہ کوئی اچھی بات ہے-"

"بری بھی کیا ہے- آخر ہم لوگ بچیاں تو نہیں ہیں جوان لڑکیاں ہیں- اپنا برا بھلا سمجھتی ہیں-"

"نہیں نازیہ تم جوان ہو ٹھیک ہے- عقل مند ہو یہ بھی ٹھیک ہے- لیکن تم عمر کے اس جذباتی دور سے گزر رہی ہو نا ماں باپ کی صحیح رہنمائی کی ضرورت تمہیں ہمہ وقت "

"رہنمائی ہے- یہ-" وہ غصے سے ایڑیاں زمین پر مارتے ہوئے بولی-

"ہاں -"

"اتنی پابندی ہے- اتنی پابندی کہ میرا تو کسی وقت دم گھٹنے لگتا ہے- وہ نسیمہ آنٹی ٹھیک ہی کہتی ہیں- کہ رہ تو کوٹھی میں رہے ہیں- لیکن طور طریقے ابھی تک گلی محلوں والے ہیں -"

امی نے نازیہ کو دیکھا اس کی بات پر ہنسی آگئی - بڑے پیار سے اسے چمکارا اور بولیں-

"جا...... جا کر کپڑے بدل آ میں کھانا نکالتی ہوں بھوک نہیں لگی کیا؟"

وہ منہ کپا کئے کئے بولی- "پہلے وعدہ کریں -"

"کس بات کا-"

"ابا جی سے اجازت لے دیں گی -"

"میں تو نہیں کہہ سکتی انہیں- لیکن ضرورت ہے- تو خود پوچھ لے نا-"

"مار کھانی ہے-" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی-

امی مسکرا دیں - پھر سمجھانے کے انداز میں بولیں- "مار کھانی ہے- کبھی تجھے تو وہ پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوتے - پگلی پتہ ہے- تجھے تیرے ابو کتنا پیار کرتے ہیں- کتنا چاہتے ہیں- بیٹوں سے بھی اتنا پیار نہیں جتنا تجھ سے ہے-"

"مجھے ایسا پیار نہیں چاہئے-" وہ اٹھ کھڑی ہوئی-

امی نے گھور کر اسے دیکھا- "نازیہ تیرے ابو کو لڑکیوں کی آزادی بالکل پسند نہیں ہے - تجھے اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھال لینا چاہئے - وہ غلط سوچتے ہیں یا ٹھیک - تم ان کی بیٹی ہو - تمہیں ان کی سوچ کا احترام کرنا چاہئے -"

"کرتی نہیں ہوں-" وہ رو دینے کو تھی-

"اچھی بچیوں کے یہی وطیرہ ہوتا ہے- تم آزاد گھرانوں کی لڑکیوں سے میل جول کیوں رکھتی ہو - رکھتی بھی ہو تو صاف صاف انہیں بتادیا کرو کہ میرے ابو پسند نہیں کرتے ایسی باتیں ......"

نازیہ منہ بنائے اوپر چلی گئی ......

یونیفارم اتار کر گھر والے کپڑے پہنے شمو نے دھلے ہوئے کپڑے نکال کر رکھے ہوئے تھے-

"بی بی-" یہ چادر کہاں رکھوں - اس نے نازیہ کی چادر تہہ کرتے ہوئے پوچھا-

"چولھے میں -"

"جی -"

"آگ لگا دے اسے -"

"بی بی-"

وہ شمو کی طرف دھیان دیئے بغیر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی -

"ابو کا حکم ہے- تانگے میں چادر اوڑھ کر جایا کروں - سب لڑکیاں دوپٹے لے کر آتی ہیں - پٹیاں سی گلے میں ڈالی ہوتی ہیں - انہیں کوئی اٹھا کر لے جاتا ہے- جیسے ہو نہ ......"

اس نے کرسی کو ٹھوکر ماری-

آج اسے اپنے آپ پر اپنے گھر والوں پر بہت غصہ آرہا تھا- کالج میں اس کی چاروں سہیلیوں نے پکچر پر جانے کا پروگرام بنایا تھا-

سعیدہ کو تو کسی اجازت کی ضروت نہ تھی - آزاد گھرانے کی لڑکی تھی - نبیلہ کو پتہ تھا- کہ گھر سے اجازت لینا مشکل نہ ہوگی -

سیرا اور ماہرو بھی تیار تھی - صرف گھر بتانا ہی کافی تھا- لیکن سارا مسئلہ نازیہ کے لئے تھا-

نازیہ کے ابو وحید صاحب بڑے متقی اور پرہیزگار آدمی تھے - محنت کے بل بوتے پر اپنا آپ بنایا تھا- لکڑی کا کاروبار تھا--- جو خوب پھیلا ہوا تھا- روپے پیسے کی ریل پیل تھی - کوٹھی بنوائی تھی گاڑی پاس تھی- لیکن دُنیا والی چیزوں میں اپنے اپ کو زیادہ الجھایا نہیں تھا- چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی--- بیوی بھی نیک وپارسا تھی - سادگی دونوں کا شعار تھا- دونوں بیحد ہنس مکھ اور ملنسار تھے - لیکن نئی تہذیب کا کوئی اثر نہیں لیا تھا- اپنے کچھ اصول تھے - کچھ اخلاقی ضابطے تھے اپنی روائتی اقدار تھیں- جن کو بڑے فخر سے اپنائے ہوئے تھے -

وہ اپنے بچوں میں بھی یہی صفات دیکھنے کے متمنی تھے - نازیہ سے بڑے دونوں بیٹے بھی انہی کے رنگ میں رنگے تھے - باوجود اعلیٰ تعلیم کے انہوں نے اپنی قدروں سے منہ نہیں موڑا تھا-

نازیہ نازو پلی ایک ہی ایک لڑکی بیٹی تھی - وحید صاحب اس پر جان چھڑکتے تھے- گھر کے اندر اسے جتنی عیش وہ کر سکتی تھی - شروع ہی سے مہیا کرتے تھے- اعلیٰ سے اعلیٰ لباس لے کر دیتے - زیوروں کا تو انہیں خود بھی بہت شوق تھا- جوانی میں یہ شوق اپنی بیگم کو زیور میں پیلا کر کے پورا کیا تھا- لیکن جب سے نازیہ بیٹی بڑی ہوئی تھی - انہوں نے بڑا بڑا نفیس زیور اسے خرید کر دیا تھا-

نازیہ پہلے پہلے تو ان چیزوں سے خوب خوش ہوا کرتی تھی - لیکن جب سے اس نے کالج جانا شروع کیا تھا- اور آزاد ماحول کی پروردہ لڑکیوں سے میل جول شروع کیا تھا- اسے

زمانے کی ہوا چھونے لگی تھی۔ وہ صرف گھر کے اندر کی عیش سے مطمئن نہ تھی۔ دوسری لڑکیوں کی طرح آزادی بھی چاہتی تھی۔ چست اور جسم کے نشیب و فراز کی بھرپور نمائش کرنے والے لباس پہننے کو اس کا جی مچلتا۔ بازاروں میں شاپنگ کرتے وقت وہ بھی چادر میں لپٹی ہونے کی بجائے کندھوں پر بے نام سا دوپٹہ لینا چاہتی تھی۔ سہیلیوں کے گھروں میں بے دھڑک آنے جانے کو بھی مچل اٹھتی۔ اور کالج کی لڑکیوں کے ساتھ پکنک مناتا۔ پکچرز دیکھنا اسے بھی اچھا لگتا تھا۔

"لیکن۔"

وحید صاحب اس معاملے میں قدامت پسند تھے۔ انہیں یہ باتیں قطعاً پسند نہیں تھیں۔ نازیہ کی امی کبھی دبے لفظوں میں اس کی حمایت میں کچھ کہتیں۔ تو وہ بڑے ناصحانہ انداز میں کہتے۔ "ساری عمر پڑی ہے اس کی شادی کے بعد جو جی چاہے۔ کرے۔ ہمارے کندھوں پر قدرت نے جو اس کی ذمہ داری رکھی ہے۔ نا اسے نبھانا ہے۔ ہمیں۔ شادی کے بعد وہ جانے اور اس کا شوہر......"

وحید صاحب اس معاملے میں کٹر اور اکھڑ بھی تھے۔ ڈھیل دینے کے حامی نہ تھے۔ اور تو اور بڑے دونوں بیٹے بھی ان کے حامی تھے۔ وہ بھی نازیہ پر پہرے داروں کی طرح مسلط رہتے۔

پابندی کسی کو راس آتی ہو تو ہو۔ کم ازکم نازیہ کو راس نہ آرہی تھی۔ بھائیوں سے اکثر لڑ پڑتی۔ لیکن ابو سے ڈرتی تھی۔ دل ہی دل میں کھولتی رہتی۔ یا امی سے جھڑپ لے لیتی۔

آج بھی اسے پتہ تھا۔ کہ پکچر جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔ لیکن سب نے بڑا اصرار کیا تھا۔ نبیلہ نے تو تانگے سے بھی تاکید کی تھی۔

اسے بڑی شرم آرہی تھی۔ کہ کل سہیلیوں سے کیا کہے گی۔ انہیں کیا منہ دکھائے گی۔

غصے میں اس نے اس دن کھانا بھی ٹھیک طرح نہیں کھانا۔

☆☆☆

فورتھ ایئر کی مسعودہ میر ڈرامیٹک سوسائٹی کی پریذیڈنٹ تھی۔ کالج کی سالانہ تقریب انعامات کے لئے زیر غور ڈرامہ میں ہیروئن کے لئے انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی۔ وہ نازیہ ہی نظر آتی تھی۔ شہزادی کا رول تھا۔ ارو لمبے سیاہ بالوں سیاہ خوبصورت آنکھوں اور سنہری رنگت والی نازیہ اس رول میں خوب جچتی تھی۔ قد بھی خوب تھا۔ اور جسم بھی متوازن و متناسب۔ وہ یہ رول قبول کرلیتی تو مسعودہ کا مسئلہ حل ہوجاتا۔

لیکن ڈرامے میں کام کرنے کا سنتے ہی نازیہ خوفزدہ ہو کر کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"کیوں۔" مسعودہ حیرانگی سے اسے تکنے لگی۔

"نہیں بھئی نہیں۔"

"لیکن کیوں تم اس کالج کی طالبہ ہو کالج کا تم پر حق ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں محنت کرتی ہوں۔ پورے خلوص سے پڑھائی کرتی ہوں۔ بی اے فائنل میں جو نتیجہ سامنے آئے گا۔ وہ مجھ پر کالج کا جو احسان ہے۔ برابر کر دے گا۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔ لیکن مسعودہ کو الجھن ہو رہی تھی۔ "دیکھو نازیہ تم یہ رول ضرور کرو گی۔"

"نہیں۔ میں ڈرامہ میں حصہ نہیں۔ لوں گی۔"

"حاضرین کے سامنے بول نہیں سکتیں؟"

"آں شاید بول ہی لوں پھر بھی معذرت خواہ ہوں مسعودہ میر صاحبہ۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بس۔"

مسعودہ مطمئن نہ ہوئی۔ اس نے اپنی مس سے کہا۔ مس سے بات پرنسپل تک پہنچی۔ انہوں نے اس دن نازیہ کو اپنے آفس میں بلایا۔

نازیہ ڈرتے ڈرتے آفس میں گئی۔ اور پرنسپل کے سامنے بڑی طویل و عریض میز کے دوسری جانب کھڑی ہوگئی۔

پرنسپل مسز عطیہ انعام کام میں مصروف تھیں۔ چند لمحے فائل چیک کرتی رہیں۔ پھر سر اٹھایا مسکرا کر نازیہ کی طرف دیکھا......

"نازیہ۔"

"جی۔"

"سنا ہے۔ تمہیں سالانہ تقریب میں ڈرامے کے لئے چنا جا رہا ہے۔"

"جی مس لیکن ......"

"لیکن کیا؟ کوئی خاص بات ......"

وہ چند لمحے چپ رہی ۔ اسے بے حد ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ کہتے ہوئے کہ اس کے ابو ڈرامہ میں حصہ لینے کی اجازت نہ دیں گے ......

پرنسپل نے بڑی شفقت لیکن اصرار سے پوچھا تو اس نے کہہ ہی دیا۔

"مس میرے اباجی پسند نہیں کرتے ......"

"ہوں۔"

"ہاں مس وہ کبھی اجازت نہ دیں گے۔"

"کالج کا ڈرامہ ہے کالج کی لڑکیاں ہی دیکھیں گی۔ ان کی مائیں ہوں گی۔یا بہنیں عورتیں ہی عورتیں ہوں گی ......"

"جی ......"

"پھر بھی اباجی اجازت نہیں دیں گے۔"

"میرا خیال ہے......"

"تم ان سے پوچھ تو لو ......"

"مجھے پتہ ہے مس وہ بہت سخت ہیں۔ ان معاملوں میں۔"

"اچھا"

"ہاں۔"

"اگر میں ان سے اجازت لے لوں تو کر لو گی ڈرامہ ۔"

"جی لیکن مجھے یقین ہے۔ وہ اجازت نہیں۔ دیں گے۔

"یہ بات مجھ پر چھوڑ دو۔ ہاں فون ہے۔ تمہارے ہاں۔"

"جی۔"

"کیا نمبر ہے۔"

نازیہ نے گھر کا نمبر بتایا۔ مس نے نوٹ کر لیا۔ نازیہ نے فیکٹری کا نمبر بھی انہیں دے

دیا۔ پرنسپل نے غور سے نازیہ کو دیکھا۔ انہیں اندازہ کرتے دیر نہ لگی کہ نازیہ ڈرامے میں کام کرنے کی دل سے خواہشمند تھی۔ اور اباجی کی بے جا پابندی سے بھی ناخوش تھی۔

"اچھا میں فون کر کے ان سے اجازت لینے کی کوشش کروں گی۔"

"اجازت مل گئی نا تو میں میں پوری محنت اور لگن سے ادا کروں گی۔ مس مجھے ڈرامے میں حصہ لینے کا سچ پوچھیں نا تو بہت شوق ہے۔ لیکن اباجی ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں ان سے بات کروں گی۔"

"اچھا مس۔"

"اب جا سکتی ہو۔"

"شکریہ مس۔"

وہ اپنی دلی کیفیت سے مرعوب سی باہر چلی آئی۔ کالج کی دوسری لڑکیوں کی طرح آزادی و خود مختاری کی خواہش مند وہ بھی تھی۔ اپنے متعلق ہر فیصلے کا حق وہ بھی خود میں محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اباجی جانے کیوں اتنے قدامت پسند تھے۔ ہر بات مان لیتے تھے۔ لیکن یہ جو آزادی اور خودمختاری والی بات تھی۔ اس کو تو سننا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

نازیہ اند ہی اندر کھولتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کے اندر چھپی آزادی کی خواہش مند لڑکی بری طرح بھڑک جاتی تھی۔ بغاوت پر آمادہ ہو جاتی تھی۔ کچھ اپنے طور کر گزرنے کی شدید خواہش کر بیٹھتی تھی۔ اس اندر کی لڑکی کو نازیہ اب تک دبائے چلی آ رہی تھی۔ کہ اس کے ذہن میں گھریلو تربیت نے گناہ و ثواب کا بڑا مضبوط تصور قائم کر دیا تھا۔ گناہ سے ڈرتے ہوئے وہاں اندر کی لڑکی کا ہمیشہ ہی گلا گھونٹنے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ کرو گی تو گناہ ملے گا۔

وہ کرو گی تو ثواب ہو گا۔

ایسا نہیں۔ کرنا چاہئے۔ یہ گناہ ہے۔ اس طرح کرنا چاہئے یہ ثواب ہے۔ اس فارمولے کا عمل دخل اس کی زندگی میں بہت زیادہ تھا۔ وہ اکثر اپنی گفتگو میں اس فارمولے پر عمل کرتے ہوئے اپنی سہیلیوں سے بھی یہی کہتی۔

بعض اوقات تو سہیلیاں سن کر مرعوب ہو جاتیں۔ لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی من چلی سہیلی انجانے ہی میں چوٹ کر جاتی۔ تمہیں اچھی راہ لگادیا ہوا ہے۔ گھر والوں نے ...... ہر چیز کو گناہ و ثواب کے پیمانے میں ڈالنے لگیں نا تو زندگی گزارنا مشکل ہو جائے جیسے تمہاری ہو گئی ہے۔ "

نازیہ کے اندر تیر سا اتر جاتا وہ اسی زاویہ سے اپنے آپ کو دیکھتی اسے اپنے آپ پر

رحم آنے لگتا اور گھریلو زندگی سے فرار کی ایک مبہم سی لہر اس کے ذہن سے ٹکرانے لگتی۔

مسز طیبہ انعام نے اس کے ابو کو فون کیا۔ بڑی ملائمت سے اس نے نازیہ کے ڈرامہ میں حصہ لینے کی اجازت طلب کی۔

لیکن

وحید صاحب کو تو اس بات پر ہی غصہ آگیا بولے۔ " محترمہ میں بچی کو کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتا ہوں اداکاری سیکھنے کے لئے نہیں۔ مجھے اپنی بچی کو ایکٹریس نہیں بنانا ......"

مسز طیبہ انعام کو ان کا جواب اچھا تو نہیں لگا۔ پھر بھی انہیں۔ قائل کرنے کے لئے بولی۔ "وحید صاحب یہ کالج کے مشاغل ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ ایکٹویٹیز بھی چلتی ہیں۔ آپ کی بچی دل سے خواہش مند بھی ہے۔ مجبور ہے۔ کہ آپ اجازت نہیں۔ دیں گے۔ میں آپ کو بتادوں جوان اولاد پر ناجائز پابندیاں انہیں۔ اپنے آپ سے اپنے ماحول سے اور اپنے گھربار سے متنفر بھی کر سکتی ہیں۔"

" مجھے قائل کرنے کی کوشش نہ کیجئے اپنی اولاد کا اچھا برا میں خود اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

" میں پھر کہہ رہی ہوں کہ آپ کی بچی کی ڈرامہ میں حصہ لینے کی شدید خواہش ہے۔ اس کی کلاس فیلوز حصہ لے رہی ہیں۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو اپنی سہیلیوں میں وہ ہتکی محسوس کرے گی۔ جوان ذہن کا منفی رجحان ......"

" شکریہ محترمہ مجھے دلائل نہ دیجئے۔ میرا اپنا اک اصول ہے۔ میں اس پر کاربند ہوں۔ میری بیٹی کو آپ مجھ سے زیادہ نہیں سمجھتیں شکریہ۔"

مسز طیبہ انعام کی کوشش رائیگاں گئی۔

انہوں نے مسعودہ کو بلا کر کہا۔ " تم نازیہ ہی کو ڈرامے میں لینے پر کیوں مصر ہو۔ کیا اس جیسی خوبصورت لڑکی پورے کالج میں تمہیں نظر نہیں آتی ۔"

"مسعودہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔" لڑکیاں ہیں مس۔ لیکن نازیہ کی دوسری سہیلیوں کا بھی اصرار تھا۔ جو رول کر رہی ہیں اور نازیہ تھی بھی موزوں اس لئے میں چاہتی تھی۔ اسے شہزادی کا رول دوں۔"

" تم اور لڑکی ڈھونڈ لو۔ شہزادی کا میک اپ کرو گی تو ہر لڑکی خوبصورت ہو گی۔"

" اچھا مس۔"

اس کے والد بہت کٹر خیالات کے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں مانے

تم اب بالکل نازیہ سے نہیں کہنا سمجھیں ۔ کالج کے لئے کہیں مسئلہ ہی نہ کھڑا ہو جائے۔"

" بہت اچھا میڈم ......"

وہ مودبانہ انداز میں سر جھکائے آفس سے باہر آگئی۔ جہاں اس کی آٹھ دس ہجولیاں یہ سننے کے لئے بے چین کھڑی تھی۔ کہ پرنسپل نے اسے کیوں بلایا ہے۔

" کیا کہا انہوں نے۔"

" کیوں بلایا تھا۔"

" ڈرامے کا پوچھا تھا۔"

" کینسل تو نہیں کر دیا۔"

" کوئی اور بات تھی ......"

مسعودہ نے سب کی باتیں سن کر چاروں طرف دیکھا۔ نازیہ بھی ان لڑکیوں میں تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے سب لڑکیوں سے کہا۔ " میڈم نے مجھے خاص طور پر اس لئے بلایا تھا......"

" کہ۔" لڑکیوں نے اس کے رکنے پر لقمہ دیا۔

" کہ۔" وہ شرارت سے پھر رکی۔

" بتاؤ نا۔" سب اس کے گرد ہو گئیں۔

" یہ بتانے کے لئے کہ محترمہ نازیہ صاحبہ کے والد بزرگوار اس کے ڈرامہ میں حصہ لینے کے ۔" وہ جان بوجھ کر رک گئی لڑکیوں میں جاننے کے لئے کھلبلی مچ گئی۔ نازیہ کا دل بھی دھک دھک کرنے لگا۔

لڑکیوں نے بار بار پوچھا تو وہ بولی۔" نازیہ ڈرامے میں حصہ نہیں لے سکتی .... اس کے والد اجازت نہیں دے رہے۔ نہیں دیں گے ۔"

اس نے بات تو عام سی کہی۔ لیکن نازیہ کے دل میں ترازو ہو گئی۔ مسعودہ کا انداز تمسخر من میں کھلبلی مچا گیا۔ لڑکیوں کے دبے دبے قہقہوں اور سرگوشیوں سے اسے اذیت محسوس ہوئی۔ اس نے بے انتہا ہتکی محسوس کی ۔

چند ایک لڑکیوں نے ہولے ہولے آوازے بھی کسے " بنتی تو بہت ہے۔ گھر والوں کو اتنا اعتماد بھی نہیں......"

" اسے تو اپنے طور کہیں آنے جانے کی بھی اجازت نہیں گھر سے کالج ...... کالج سے گھر بس۔"

"اتنے سخت ہیں۔ اس کے گھر والے۔"

"سخت کیا...... بیک ورڈ ہیں......"

"فیشن تو خوب بنا کر آتی ہے۔ قیمتی سے قیمتی بیگ ہوتا ہے اس کے پاس۔ قیمتی سے قیمتی جوتے پہنتی ہے۔ کانوں میں ہمیشہ سونے کی نئی سے نئی چیز ہوتی ہے۔ یونیفارم کی پابندی نہ ہو تو شاید کپڑے بھی اتنے ہی قیمتی پہن کر آیا کرے۔"

"بیچاری۔"

"ہائے ہائے۔"

نازیہ جو پہلے ہی جز بز ہو رہی تھی۔ ان باتوں سے اس کی انا کو کاری ضرب لگی۔

اس دن گھر آکر اس نے کھانا بھی نہیں۔ کھایا امی سے بھی نہیں بولی۔ بس منہ سر لپیٹ کر پڑی رہی۔

☆ ☆ ☆

اباجی کراچی سے آئے تھے۔ نازیہ کی امی اور بچوں کے لئے ڈھیر ساری چیزیں لائے تھے۔

وہ اپنے بیڈ روم میں سوٹ کیس کھولے بیٹھے تھے۔ نازیہ کی امی بڑے شوق و تجسس سے چیزیں دیکھ رہی تھی۔

"بھئی ریحانہ یہ سنبھالو اپنا فرمائشی سامان۔" وحید نے بیوی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"فرمائشی سامان۔ بڑا لڑکا جمشید بولا۔ دوسرا بیٹا خورشید بھی قالین پر بیٹھا تھا۔ اور ایک ایک چیز ہاتھ میں لے لے کر دیکھ رہا تھا۔ رشید اور حمید بھی اباجی سے اپنی اپنی چیزوں کے متعلق پوچھ رہے تھے۔

نازیہ ابا کے پاس بیڈ کے قریب قالین پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا۔ اسے کسی چیز کی خوشی نہیں ہے۔ اسی لئے وہ چیزوں کو چھونے کی بجائے دور ہی سے دیکھنے پر اکتفا کر رہی تھی۔

"نازیہ۔" جمشید نے اس کی طرف دیکھا۔

"جی۔" بے دلی سے اس نے کہا۔

"تم کیوں منہ بنائے بیٹھی ہو۔" وہ بولا۔

"اس کا منہ بنا ہی رہتا ہے۔" امی نے کہا۔

"ایسے نہ کہو جی ہماری بٹیا کو اس کے لئے تو ہم خاص چیز لائے ہیں۔"

"خاص چیز۔" سب نے بیک وقت کہا۔

"ہوں۔"

"دکھائے نا اباجی۔"

"کیا چیز ہے۔"

"نایاب شے ہے۔"

"واہ وا......"

سب نازیہ کے لئے لائی ہوئی چیز دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے لگے۔ نازیہ کچھ نہ بولی۔

ان دنوں وہ بڑے انتشار کا شکار تھی۔ اس کی کالج لائف اور گھریلو زندگی میں جو تضاد تھا۔ اس نے اسے منتشر کر ڈالا تھا۔ وہ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہتی تھی۔ اپنے گھر والوں کی قدامت پسندی کو قبول کرنے کے لئے اس کا ذہن آمادہ و تیار نہ تھا۔ لیکن اس سے فرار کی بھی ہمت نہ تھی۔

اپنی خواہشوں کے مرگھٹ میں وہ اک آوارہ روح کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔ فی الحال توازن کچھ اس طرح قائم تھا۔ کہ گھر میں اسے کافی لفٹ ملتی تھی۔ چار بھائیوں کی ایک بہن ہونے کا فائدہ وہ گھر کے اندر پورا پورا اٹھا سکتی تھی۔

لیکن اس کے ذہن میں تو شخصی آزادی کا بھوت ناچ رہا تھا۔ دوسری لڑکیوں کی زندگی اس کے لئے چیلنج تھی۔ ان کی آزادی کا گلیمر اسے متاثر کئے ہوئے تھا۔ وہ بھی ان کی طرح گھر سے باہر رنگین تتلی بننا چاہتی تھی۔ بے روک ٹوک سہیلیوں کے گھروں میں آنا جانا چاہتی تھی۔ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں میں گھومنا پھرنا چاہتی تھی۔ یہ ساری باتیں پابند ہو کر کچھ زیادہ ہی تیز و تند ہوتی جا رہی تھیں۔

"اباجی دکھائیں نا نازیہ کے لئے کیا لائے ہیں۔ آپ" دس سالہ رشید نے پوچھا۔

تو اباجی نے مسکراتے ہوئے دوسرا چرمی سوٹ کیس اپنے سامنے رکھ لیا۔ پھر سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کش لیا......

"ہائے ہائے۔" ریحانہ بولی "اتنا سسپنس بنا رہے ہیں۔ اب کھول بھی دیجئے دیکھیں ہم بھی۔"

انہوں نے سوٹ کیس کھولا اور ایک بڑا سا ڈبہ نکالا......

"یہ یہ کیا ہے۔" خورشید نے مسکرا کر ڈبہ دیکھا......

ریحانہ نے خاکی لفافہ جس میں ڈبہ تھا۔ پھاڑ دیا ساڑھی کا ڈبہ دیکھتے ہی خوشی سے بولی۔ "واہ وا ساڑھی۔"

"دیکھو نا نازیہ۔" اباجی نے کہا۔ تو وہ بھی آگے کو کھسک آئی۔

میرون رنگ کی بہت بڑھیا سوت کی ساڑھی ڈبے میں پڑی تھی۔

سب نے تعریف کی نازیہ کو بھی ساڑھی پسند آئی۔ لیکن جلدی سے بولی۔ "یہ میرے کس کام کی ......"

"کیوں۔" ریحانہ نے کہا۔

"آپ اسے غائب جو کر دیں گی۔" وہ بولی۔

ریحانہ ہنس پڑی۔ آہستگی سے بولی۔ "غائب بھی تو تیرے لئے ہی کرتی ہوں نا" ایک سے ایک بڑھیا چیز جمع کر رہی ہوں تمہارے لئے۔"

"ہو نہ ......"

"اور یہ دیکھو" اباجی نے ایک اور ڈبہ نکالا نیلا مخملیں ڈبہ جسے نازیہ نے ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔

اسے کھولا۔

ڈائمنڈ کا بے حد خوبصورت نازک سا سیٹ تھا۔

"واہ جی وا۔" امی نے ڈبہ اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"رئیل ہے اباجی۔" پندرہ سالہ حمید نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اور نہیں۔ تو کیا نقلی ہے۔" ریحانہ بڑے تفاخر سے بولی۔

"بہت خوبصورت ہے۔"

"قیمتی بھی بہت ہوگا۔"

"نازیہ کی تو عیش ہے۔"

"ہمیں اباجی نے جوتوں اور پینٹوں شرٹوں پر ہی ٹرخا دیا۔"

"لاڈلی بٹیا ہے ہماری۔"

"سارا لاڈ انہیں۔ پہ ختم نہ کردیں اباجی۔" حمید شاکی انداز میں بولا۔

سب ہنس پڑے۔

نازیہ نے ماں سے ڈبہ لے کر پھر سیٹ دیکھا۔ واقعی بے حد نفیس اور سبک سا سیٹ تھا۔

"یہ تو میں ضرور پہنوں گی۔" اس نے ریحانہ سے کہا۔

"پہن لو کیا بگڑ جائے گا دو چار دفعہ پہن لینے سے اچھا ہی ہے۔ اگلے ہفتے نسیم احمد کی سگائی ہے۔ اس تقریب میں پہن لینا ......"

"کالج پہنوں گی۔"

"ہاں ہاں ایک آدھ دفعہ پہن لینا کوئی مضائقہ نہیں۔"

"شکریہ اباجی شکریہ۔" نازیہ نے کہا۔

سب اپنی اپنی چیزیں سمیٹنے لگے۔ ریحانہ نے ساڑھی کا ڈبہ بھی اٹھا کر دوسری چیزوں کے ساتھ الماری میں رکھ دیا۔

نازیہ سیٹ لے کر اپنے کمرے میں اوپر چلی گئی اباجی خورشید کی ملازمت اور باقی بچوں

کی پڑھائی کا پوچھنے لگے۔

نازیہ نے کمرے میں آکر لاکٹ انگوٹھی اور ٹاپس ڈبے میں سے نکالے۔ چند لمحے انہیں دیکھتی رہی سیٹ اسے بہت پسند آیا تھا۔

اس نے تینوں چیزیں پہنیں۔ پھر دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی جگمگ کرتے ڈائمنڈ اچھے لگ رہے تھے۔ اس کانوں کی لوئیں دمک رہی تھیں۔ گلے میں پڑی فائن سی زنجیر بھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اسی ہفتے اس کی دوست ناصرہ علیم کی برتھ ڈے تھی۔ کاش ابو اس میں شرکت کی اجازت دے دیں۔ پھر وہ یہ سیٹ پہن کر وہاں جائے۔ اس پر آوازے کسنے اور دبے دبے انداز میں تمسخر سے ہنسنے والی لڑکیاں کچھ تو مرعوب ہو جائیں۔

لیکن

اس کے چہرے پر جیسے کثیف بادلوں کے دھوئیں پھیل گئے۔ برتھ ڈے پر اسے جانے کی اجازت کہاں ملنا تھی۔

"ہونہہ۔" اس نے نوچ کر ٹاپس اتارے۔ پھر کھینچ کر گلے سے زنجیر کو الگ کیا اور انگلی میں پڑی نازک سی انگوٹھی جھٹک کر انگلی سے اتار کر ڈبے میں رکھ دی۔ اسے اباجی پر غصہ آنے لگا۔

وہ چیزیں ڈبے میں رکھ کر وہیں سٹول پر بیٹھ گئی۔ اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کرے اباجی اتنے سخت کیوں تھے۔ ان معاملوں میں امی بھی تو بس بزدل سی تھیں۔ کبھی اباجی سے ٹکرانے کا حوصلہ ہی نہ ہوا تھا۔ وہ جب بھی ماں کو مجبور کرتی ماں یہی جواب دیتی "خود اجازت لے لونا اور کبھی ڈانٹنے کا موڈ ہوتا تو غصے سے کہہ دیتیں۔" نہ جاؤ گی تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ کچھ اچھا ہی سمجھتے ہوں گے نا جو اتنی پابندی لگاتے ہیں۔"

نازیہ کے اباجی واقعی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کٹر تھے۔ ان کی اپنی دنیا گھر بیوی اور بچے تھے۔ رشتہ داروں سے ملنا جلنا واجبی سا تھا۔ خوشی غمی کے موقعوں پر پیچھے نہ رہتے لیکن خواہ مخواہ کھلے بندوں کہیں۔ آنا جانا اچھا نہ لگتا تھا۔ نازیہ سہیلیوں کے جس ٹولے میں گھری تھی۔ وحید صاحب کے علم میں ہوتا تو شاید بچی کی نفسیات سمجھ لیتے اپنے اصولوں کو ذرا ڈھیل دے لیتے لیکن انکو کیا پتہ تھا۔

ناصرہ کی برتھ ڈے بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ اپنے گروپ کی لڑکیوں کو اس نے دعوت دی تو سب نے کہا۔ "خوب مزہ آئے گا بھئی وہ تمہارے سارے کزن بھی آئیں گے نا بہت سمارٹ ہیں۔ سب کے سب......"

لڑکیاں قہقہے لگاتے ہوئے ناصرہ کے کزنوں کی باتیں کر رہی تھیں۔ نازیہ کو عجیب سا لگا لیکن اس کے اندر بھی اک انوکھی سے ہلچل مچ گئی اس کا جی بھی چاہا کہ اس تقریب میں وہ ضرور شرکت کرے۔

ناصرہ نے اس سے بطور کہا۔ "نازیہ ضرور آنا ہوگا۔"

"کوشش کروں گی۔"

"کہو تو میں خود لینے آجاؤں۔"

"پہلے اجازت تو ملے۔"

"میں آج ہی تمہارے ہاں آؤں گی آنٹی اور انکل کو مجبور کروں گی کہ تمہیں۔ اجازت دے دیں۔"

نازیہ چند لمحے چپ رہی پھر بولی۔ "میں پہلے پوچھ لوں۔ اگر اجازت نہ ملی تو تم خود آنا۔ میں ضرور اٹینڈ کروں گی۔"

ناصرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

پاس کھڑی آسیہ بولی۔ "نازیہ تمہارے ابو اتنی سختی کیوں کرتے ہیں۔"

"بس۔"

"امی بھی ان کی حامی ہیں۔ ثوبیہ بولی......

"امی نے کبھی ان کی بات ٹالنے کی جرات ہی نہیں کی۔"

"بہت ڈرتی ہیں۔ ناظمہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"بڑے جابر لگتے ہیں۔ تمہارے ابو۔" رخشی نے آوازہ کسا۔

"نہیں۔ نہیں بالکل بھی نہیں۔ بس دو چار باتیں ہیں۔ جن پر سختی کرتے ہیں۔ ویسے تو بہت اچھے ہیں۔ کبھی جھڑکا نہیں۔ کبھی کچھ کہا نہیں مجھ سے تو بہت پیار کرتے ہیں۔"

لڑکیوں کو طبیعت کا یہ تضاد سمجھ نہ آیا۔ الہڑ عمر میں دور رس باتوں کو سوچنے کے انداز کیسے آتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی ہانک رہی تھی۔ ناظمہ اور آسیہ کے ابو بھی لڑکیوں کی بے جا آزادی پسند نہیں کرتے تھے۔

"پھر بھی ہم ان سے اجازت لے ہی لیتے ہیں۔ انہیں۔ بھی تو اپنی بیٹیوں کا پتہ ہوتا ہے۔ ہم کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں نہ اٹھاتیں۔"

"بھئی سچی بات میں تو کبھی کبھی ناجائز فائدہ بھی اٹھا لیتی ہوں۔" سیرا بولی۔ "جہاں اجازت ملنے کی توقع نہ ہو وہاں چھپ کے بھی چلی جاتی ہوں۔ تفریح کے لئے تھوڑا سا

جھوٹ بول لیں تو کیا حرج ہے......"

سیرا کی تائید اسماء نے بھی ہنستے ہوئے کی۔ "پتہ ہے پچھلی دفعہ جب ہم سب پکچر گئی تھیں۔"

"ہاں ہاں۔"

"میں نے گھر بتایا تھوڑا ہی تھا۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ نازیہ نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

باقی لڑکیاں بھی ہنسنے لگی۔ ہر کوئی اپنا اپنا تجربہ بیان کرنے لگی۔

ناظمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بھئی پکچر کی اجازت تو مل جاتی ہے۔ رو دھو کر لیکن ریسٹوران میں جا کر سہیلیوں کے ساتھ چائے پینے کی تو مر بھی جائیں تب تب بھی اجازت نہ ملے۔"

"لیکن تم تو۔" نازیہ خوفزدہ سی تھی۔

"او مائے ڈیر یہی کہنا چاہتی ہوں۔کہ میں اکثر سہیلیوں کے ساتھ چائے پینے سینکا کھانے گئی ہوتی ہوں۔"

"ہاں......"

"سب بغیر پوچھے۔"

"اللہ۔ ڈر نہیں لگتا تمہیں۔"

"ڈر کس بات کا میں خود ایسی باتیں گول کر جاتی ہوں۔ گھر میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔" آسیہ نے کہا۔ "ہاں سہیلیوں کے گھر جانے کے لئے ضرور پوچھنا پڑتا ہے۔ امی یا ابو سے۔"

نازیہ کے لئے آسیہ ناظمہ اور سیرا کی باتیں حیران کن تھیں۔ کتنی جرات اور بے باکی سے وہ کلام لیتی تھیں۔نازیہ نے چاہا ان سے کہے کہ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

لیکن

وہ جانتی تھی۔ یہ بات منہ سے نکلتے ہی لڑکیاں اس کے پیچھے پڑ جائیں گی۔

☆☆☆

اس کے گروپ کی لڑکیاں نئے ریسٹورانٹ کی بڑی تعریفیں کر رہی تھی۔ وہاں کے سینکس ۔ شامی کباب اور چائے بے حد لذیذ تھی۔ چونکہ ریسٹورانٹ نیا کھلا تھا۔ اس لئے سروس بھی بہت اچھی تھی۔ ہال بے حد خوبصورت تھا کیبنز صاف ستھری تھیں ایرکنڈیشنڈ تو تھا ہی ۔مغربی موسیقی کی دھنیں اس فضا میں لہریں لیتی رہتی تھیں۔ لڑکیاں دو ایک بار وہاں ہو آئی تھیں کچھ اپنے ماں باپ بہنوں کے ساتھ کچھ کزنوں کے ساتھ اور کچھ گھر والوں سے چھپ چھپا کے۔

آج ان کا چھٹی آخری پریڈ میں کر کے وہاں جانے کا ارادہ تھا۔ دس بارہ لڑکیوں میں سے کچھ نے گھر دیر سے آنے کی اطلاع فون کر کے دے دی۔ دو لڑکیوں نے امی سے کہہ دیا کہ وہ سہیلیوں کے ساتھ چائے پینے جا رہی ہیں۔ سیرا آسیہ اور ناظمہ حسب معمول چھپ کر جانے والی تھیں۔گروپ میں صرف نازیہ ہی تھی۔ جو جا نہیں سکتی تھی۔

اجازت ملنے کا سوال نہیں تھا۔ اور بغیر اجازت جاتے ہوئے وہ مجسم خوف تھی۔

سہیلیوں نے بے حد اصرار کیا بہت کہا۔ طنز کئے خوشامدیں کیں اور بات راز میں رکھنے کی قسمیں کھائیں تو نازیہ جو پہلے ہی انتشار کا شکار تھی۔ ڈرتے ڈرتے ان لڑکیوں کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی۔

سیرا کی باتوں سے اسے حوصلہ ہوا۔ آسیہ کی بے باکی سے جرات ہوئی ناظمہ کے بے دھڑک ہونے سے اس کی ہمت بندھی ۔ آخر وہ بھی تو اسی جیسی لڑکیاں تھیں۔ ماں باپ تھے۔ بھائی تھے۔ رشتہ دار تھے۔ وہ خراب تو نہیں۔ ہو گئی تھیں۔

"چھوڑو یار۔ کالج لائف کے یہی تو مزے ہیں۔"

"آخری سال ہی تو ہے۔ گھٹ گھٹ کر کیوں گزاریں۔ اس کے بعد گھریلو ماحول میں گھٹ گھٹ مرنا ہی تو ہے۔"

"اور کیا کونسے رشتے تیار ہیں۔ جو امتحان دیتے ہی شادیاں ہو جائیں گی گھر ہی بیٹھنا ہے۔ تا پھر یہ آزادیاں کہاں۔"

"ہمارے گھر والے تمہارے گھر والوں سے کم تو نہیں۔"

"مزے کرو مزے۔ یہ وقت پھر نہیں آنے کا......"

"ایک دفعہ ہی جرات کرنے کی دیر ہے۔ پھر خود بخود قدم اٹھنے لگیں گے سمجھیں۔"

نازیہ ان کی باتوں پر بڑے خوفزدہ انداز میں مسکرائی لیکن قدم جو اٹھا لیا وہ پیچھے نہیں ہٹایا۔

آخری پیریڈ مس کر کے وہ سب کی سب آگے پیچھے کالج سے نکلیں۔ پچھلی لین سے ہوتیں سڑک پر آئیں پھر چند گز کے فاصلہ پر ہی ریسٹورانٹ تھا۔ یہ فاصلہ سب ہنسی مذاق میں طے کر رہی تھیں۔ اک نازیہ تھی۔ جس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ دھڑکنوں سے دوچار تھا۔ ڈری ڈری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

سہیلیوں کے ساتھ چائے پینے اور کباب کھانے کا جو لطف آیا۔ وہ اس کے لئے اک تجربہ تھا۔ ہال میں اس وقت زیادہ لوگ نہیں تھے۔ پھر بھی وہ سب کی طرف کمر کر کے دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھی لڑکیوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔

دوسری میزوں پر کالج کے لونڈے بھی تھے۔ شاید وہ آگاہ تھے۔ کہ یہاں لڑکیاں آتی ہیں۔ اسی لئے وہ بہت شو دکھا رہے تھے۔ سنا سنا کر باتیں کر رہے تھے۔ ان کوشش یہی تھی کہ لڑکیوں سے براہ راست گفتگو کریں......

نازیہ اندر ہی کانپ رہی تھی۔ ڈر تھا۔ دھڑکا تھا۔ خوف تھا۔ پھر بھی اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ لڑکوں کی باتوں اور آوازوں سے وہ محظوظ ہو رہی تھی۔ یہ انوکھا سا تجربہ تھا۔ بڑا مسرور کن بڑا لطف آمیز۔

اس لطف و مسرت کو سمیٹے وہ گھر آئی امی لاؤنج ہی میں تھیں۔ وہ ساتھ کے بنگلے والی مسز رحیم سے باتیں کر رہی تھیں۔ ٹرالی سامنے پڑی تھی۔ دونوں چائے پی رہی تھیں۔

نازیہ کا دل ایک دم زور زور سے دھڑکا امی کا چہرہ دیکھتے ہی ملامت کا احساس جاگا احساس جرم سے وہ کانپ گئی۔

اتفاق سے امی مسز رحیم سے کہہ رہی تھیں۔ "بس ہمارے گھر کا ماحول ہی ایسا ہے نازو کے ابو پسند نہیں کرتے۔ ہم بھی راضی بہ رضا ہیں......

نازیہ نے دونوں کو سلام کیا۔

امی بڑے فخر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اب اسے دیکھ لیں جوان ہو گئی ہے۔ مجال ہے۔ جو کہیں۔ اکیلے آنے جانے کا سوچے جو بات اس کے ابا جی پسند

نہیں۔ یہ اس کے لئے کبھی تنگ نہیں۔ کرتی پکچر دیکھنی ہو یا بازار جانا ہو تو جب تک ابا جی اجازت نہ دیں میں ساتھ نہ جاؤں یہ نہیں۔ جاتی بعض اوقات ضد کرتی ہے۔ لیکن ان کی مرضی کے خلاف قدم کبھی نہیں۔ اٹھاتی......"

"آجکل کی جوان اولاد اتنی پابندیاں قبول تو نہیں۔ کرتی۔" مسز رحیم نے بسکٹ اٹھا کر تھوڑا سا دانتوں سے کاٹتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"اپنے اپنے گھر کا ماحول ہوتا ہے نا۔ انسان اپنے آپ کو اسی کے مطابق ایڈجسٹ کر لیتا ہے۔ پچیس سال ہو گئے ہیں۔ شادی کو خدا کے فضل سے اچھی نبھی ہے۔ چند پابندیاں ہی تو ہیں۔ نا اس کے علاوہ اپنے گھر میں جو سکون طمانیت اور عیش و آرام ہے۔ وہ تھوڑا ہے۔"

نازیہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ دھک دھک کرتے ایک دم بند ہو جائے گا۔ وہ اپنی کتابیں اور چادر اٹھائے اوپر اپنے کمرے میں آ گئی اور بیدم سی ہو کر بستر میں اوندھی گر گئی۔

اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے اعتماد کو دھوکہ دیا تھا۔ اپنے پیارے سے ابا جی کے اصولوں کی بے حرمتی کی تھی۔ یہ کتنا بڑا گناہ تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو گئی۔

شمو امی کے کہنے پر اوپر آئی تو وہ بستر میں اوندھی پڑی تھی۔

"چھوٹی بی بی......"

"چھوٹی بی بی......"

"بی بی جی......"

"بی بی۔"

اس نے اس کا کندھا ہلایا۔

"کیا ہے۔" نازیہ نے پوچھا۔

"امی جی چائے کے لئے بلا رہی ہیں۔"

وہ بستر میں سیدھی ہو بیٹھی۔ چائے تو وہ ریسٹورانٹ میں پی آئی تھی۔ جی چاہا کہہ دے۔ "چائے نہیں پینی۔"

لیکن

امی نے تو سر ہو جانا تھا۔ کتنے خلوص اور پیار سے وہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی تھیں۔

"تم جاؤ میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا جی۔"

"وہ کتنی ہی دیر بے حال سی بیٹھی رہی ذہن پر جرم کا احساس مسلط تھا۔ سوچ رہی تھی۔

" امی سے کہہ ہی دوں ......

لیکن

کہہ دینا آسان نہیں تھا۔

رات اباجی کے سامنے جاتے ہوئے بھی اس کا ضمیر تازیانے برسا رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر خوفزدہ ہو رہی تھی۔ کہ اگر اباجی کو پتہ چل جائے ان کی نازو پلی لاڈلی بیٹی نے ان کی عدول حکمی کی ہے۔ تو کتنا صدمہ پہنچے انہیں۔

وہ کئی دن ذہنی طور پر منتشر رہی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا آئندہ کبھی ایسا قدم نہ اٹھائے گی جو اس کے اباجی کے اصولوں سے ٹکراتا ہو۔

لیکن ارادہ اپنی جگہ اور الہڑ عمر اٹھتی جوانی اور انا کے تقاضے اپنی جگہ۔ دوسرے ہی ہفتے اسما کی سالگرہ آگئی......

سہیلیوں نے اسے بھی گھسیٹا......

"میں نہیں۔ جاسکتی۔ میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے اجازت نہیں ملے گی۔"

وہ چیختی رہ گئی......

لڑکیوں نے اسے جرأت دلائی ہمت بندھائی۔

"اس دن کسی کو پتہ چلا کہ ریسٹورانٹ گئی تھیں۔" آسیہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بولی "لیکن میرا ضمیر مجھے برابر کچوکے دے رہا ہے۔"

"اوئے مار ڈالو اس کو۔" ناظمہ نے بازو گھما کر جیسے زمین پر کوئی چیز دے ماری۔ سب ہنسنے لگیں۔

"لیکن۔"

"بات سنو۔"

"کیا۔"

"کالج ہی سے چلی جانا اس کے گھر۔"

"ہاں ہاں۔"

"گھر بتانا ہی نہیں۔"

"لیکن گھر وقت پر نہیں۔ پہنچوں گی تو کوئی پوچھے گا نہیں کیا؟"

نازیہ نے مرعوب ہو کر خدشہ ظاہر کیا۔

"کہہ دینا مس نے روک لیا تھا۔ کوئی کالج کا بہانہ گھڑ لینا۔"

"آجکل ویسے بھی سوشل ورک کیلئے کچھ لڑکیاں رکتی ہیں۔ نمائش کی چیزیں تیار کرنے کے لئے ہیں نا۔"

"ٹھیک ٹھیک یہ بہانہ تو بالکل معقول ہے۔"

نازیہ چپ ہو گئی۔

"کپڑے چپکے سے بیگ میں ڈال لانا یہیں۔ سے تیار ہو کر چلی جانا۔"

"کپڑوں کی کونسی خاص ضرورت ہے۔ میرے پہن لینا میں لے آؤں گی۔"

سہیلیوں کے اصرار کے آگے وہ جھک گئی......

نازیہ نے ان کی بات مان لی کوئی ہرج بھی تو نہیں تھا۔ اس دن اس نے بیگ میں اپنا ایک خوبصورت جوڑا اڑس لیا۔ اور کالج جاتے جاتے امی سے کہا......

"امی آج کچھ دیر ہو جائے گی مجھے۔"

"کیوں۔"

"کالج میں کام ہے۔ نمائش کے لئے چیزیں تیار ہو رہی ہیں۔ مس نے ہم سے بھی چیزیں بنوائی ہیں۔"

"کتنے بجے آؤ گی بھائی لینے آجائے۔"

"نہیں۔ امی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اور لڑکیاں بھی رکیں گی تانگہ ہی لینے آئے گا......"

"اچھا بہت دیر نہ لگانا۔"

"اچھا" کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ تیز تیز قدموں سے چلی گیٹ سے باہر نکلی اور تانگے میں بیٹھ گئی......

امی سے جھوٹ بولنے پر ضمیر نے آج بھی ملامت کی۔ لیکن اس ملامت پر اس نے الٹا ضمیر ہی کو ملامت کیا......

☆ ☆ ☆

کالج میں اس نے اکثر اسے دیکھا تھا۔ لیکن بات کبھی نہیں۔ ہوئی تھی۔ ٹونی تھرڈ ایر کی طالبہ تھی۔ درمیانے سے قد کی بے حد سمارٹ ماڈرن اور آزاد سی لڑکی تھی۔ انگریزی فر فر بولتی تھی۔ نت نئی گاڑی میں کالج آتی تھی۔ دنیا جہاں کے فیشنوں کا اسے پتہ تھا۔ ہر ہوٹل ہر ریسٹورانٹ اور ہر کیفے کی خصوصیات کا اسے علم تھا۔ شہر کے سارے سینما گھروں سے واقف تھی۔ پکنک سپاٹ اسے پتہ تھے۔ شہر تو شہر اسے تو مری سوات اور کاغان کے چپے چپے سے بھی واقفیت تھی نازیہ کا جس گروپ سے تعلق تھا۔ وہ شوخ و شنگ بے ضرر قسم کی لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ چند لڑکیاں چوری چھپے عیاشی کرنے کی عادی تھیں۔ لیکن یہ عیاشی صرف کبھی کبھار چوری چھپے پکچر دیکھ لینے یا کہیں جاکر چائے پینے سے آگے نہ بڑھی تھی۔ نازیہ بھی اس ٹولے کے رنگ میں رنگ چکی تھی۔ اپنے لحاظ سے اس نے یہ بہت بڑا قدم اٹھایا تھا......

لیکن جب سے اس کی دوستی ٹونی سے ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھل گئی تھی۔ کیا چٹخارے دار باتیں سناتی تھی۔ ہر دوسرا نوجوان لڑکا اس کا کزن تھا۔ بے شمار انکل تھے۔ جن کی گاڑیاں وہ اڑائے پھرا کرتی تھی۔ اس کی جیب ہمیشہ بھاری ہوتی تھی۔ آٹھ دس لڑکیوں کو بیک وقت کالج کی کینٹین جاکر ٹریٹ دینا اس کا مشغلہ تھا......

نازیہ سے بھی اس کی دوستی کینٹین ہی میں ہوئی تھی۔ نازیہ آسیہ انجم اور ناظمہ چاٹ کھانے آئی تھیں۔ خوب کراری سی چاٹ بنوائی تھی۔ ٹونی بھی دو تین لڑکیوں کو لے کر آگئی تھی......

"چاٹ خوب کراری خوب مصالحے دار۔" اس نے آرڈر کیا۔

"کتنی پلیٹیں......"

ٹونی نے اردگرد نگاہ ڈالی لڑکیاں گنیں پھر دس پلیٹوں کا آرڈر کیا......

"ہم نے اپنے لئے بنوالی ہے۔" ناظمہ نے ٹونی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ پیسے میں دوں گی" ٹونی نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"ہائے نہیں۔" نازیہ بولی۔

"ہائے کیوں نہیں۔" ٹونی نے ہنس کر نازیہ کی نقل اتاری۔

"بھئی خواہ مخواہ۔" نازیہ کہا......

"کوئی بات نہیں۔ کل تم کھلا دینا۔" ٹونی نے نازیہ سے کہا۔

"ٹھیک ٹھیک۔" آسیہ بولی۔

"یہ بہت شائے سی ہیں۔" ٹونی نے نازیہ کو دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک کہا تم نے۔" ناظمہ بولی......

"ہم اس کی جھجک اتارنے کی کوشش کررہے۔ ہیں۔" آسیہ نے میز دونوں ہاتھوں سے بجایا......

"میرے حوالے کردیں۔" ٹونی نے گہری گہری نظروں سے نازیہ کو دیکھا......

"کردی۔" ناظمہ نے سہلایا۔

سب ہنسنے لگیں۔ میزوں کے گرد بیٹھ کر سب نے خوب گپ شپ لگائی نازیہ اور ٹونی اس پہلی قربت ہی میں ایک دوسرے پر ریجھ گئیں......

دونوں میں جلد ہی گہری دوستی ہوگئی۔ اتنی گہری کہ آہستہ آہستہ نازیہ اپنے گروپ سے الگ ہی ہوگئی۔ اس کی سہیلیوں کو دکھ بھی ہوا غصہ بھی آیا اسے ٹونی سے الگ کرنے کی انہوں نے کوشش بھی کی۔

سب لڑکیاں تو ٹونی کے بارے میں کچھ خاص نہیں۔ جانتی تھیں۔ لیکن اسماء اور رخشی گلبرگ کی رہنے والی لڑکیوں کو ٹونی کے بارے میں کچھ کچھ پتہ تھا۔ اس کی ممی کی ریپوٹیشن کچھ اچھی نہ تھی۔

ایک دن تو رخشی نے اپنے گروپ کی لڑکیوں کو بڑی رازداری سے بتایا......

"پتہ ہے اس کی ممی سپلائر ہے۔"

"کیا سپلائی کرتی ہے۔" معصومیت سے سیرا نے پوچھا۔

"لڑکیاں۔"

"ہائے اللہ میں مرجاؤں......"

"سچی۔"

"تمہیں۔ کس نے بتایا۔"

"میرے ایک کزن ہیں۔ وہ ان کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔"

"توبہ توبہ......"

رخشی کی بات کی تائید اسماء نے بھی کی۔ "میری چھوٹی پھپھو جان کا گھر اسی لین میں ہے۔ بابا مجھے تو اس لڑکی کے سامنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔
یہ جو اس کے بے شمار کزن اور انکل ہیں۔ نا۔"

"ہاں۔"

"بس سمجھ لو......"

لڑکیاں خوفزدہ سی ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

"نازیہ کی تو خوب گاڑھی چھنتی ہے۔ اس سے۔"

"اسی لئے تو میں چاہتی ہوں۔ وہ اس کا ساتھ چھوڑ دے۔"

پر وہ کہاں مانتی ہے۔ کل مجھ سے تو لڑنے لگی۔"

"کون۔"

"نازیہ۔"

"تو نے کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ ٹونی اچھی لڑکی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ میل جول نہ بڑھاؤ۔"

"پھر......"

"مجھ سے لڑ پڑی کہنے لگی۔ تم جلتی ہو مجھ سے ٹونی نے تمہیں دوست جو نہیں بنایا

"دفع دفعان کرو ہمیں کیا لینا ہے......"

"تو اور کیا ہم کوئی اس سے سگے ہیں۔ جو تردد کرتے پھریں۔"

"بالکل بالکل......"

نازیہ کو اپنے گروپ سے چڑ سی ہوگئی۔ یہ لڑکیاں اسے ٹونی سے گھومنے پھرنے سے منع جو کرتی تھیں۔

لیکن

نازیہ تو اس معمول کی طرح تھی۔ جو کسی عامل کے عمل کے بعد اس سے لگا بندھا پھرتا ہے۔ جو اپنی عقل سے نہیں۔ سوچتا اپنے ذہن سے محسوس نہیں۔ کرتا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت بھی کھو دیتا ہے۔ ٹونی تو اسے رہبر کیطرح لگتی تھی۔ اس رہبر نے زندگی کی کتنی انوکھی اور حیران کن جہتیں اس پر کھول دی تھیں۔ وہ تو ہر وقت ازخود رفتہ سی نظر آنے لگی تھی۔ مسحور سرشار سی رہنے لگی تھی......

اس دن ٹونی اسے اپنے ایک کزن کی گاڑی میں ریسٹورانٹ لے گئی تھی۔ جہاں اس

کے دو بڑے خوبرو بڑے پروقار اور بڑے ٹھاٹھ دار کزن بھی آئے ہوئے تھے......

چاروں نے چائے ایک ہی میز پر بیٹھ کر پی تھی۔ نازیہ کے من میں ان دیوتاؤں کی گرم گرم جوشیلی نگاہوں سے ہلچل مچ گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ کہ لمحے صدیوں کا روپ دھار لیں وقت یہیں۔ رک جائے اور وہ نگاہوں کے اس لمس سے مسرور و شاد ہوتی رہے......

اس رات وہ سونے کے لئے بستر میں لیٹی تو پہلو میں گدگدی ہو رہی تھی۔ اسے دونوں نوجوان ہی پسند آگئے تھے۔ نیلی آنکھوں براؤن مونچھوں والا سرخ و سپید عامی اسے کس قدر چاہت اور پیار سے دیکھتا تھا۔ جی چاہتا تھا اس کی آنکھوں کے نیلگوں سمندر میں ڈوب ہی جائیں۔ اور وہ نکو جانے اصلی نام کیا تھا۔ ٹونی نکو نکو ہی کہہ رہی تھی۔ کتنے خوبصورت انداز میں ہنستا تھا۔ باتوں کا سٹائل بھی کس قدر دلکش تھا۔ جب سگریٹ کے کش لے کر دھواں چھوڑتا تھا۔ تو اس کا جی چاہتا تھا۔ اس دھوئیں میں مدغم ہو کر منتشر ہو جائے لیکن وہ ان دونوں سے کھل کر باتیں نہ کر سکی تھی۔ بات بات پر سرخ ہو جاتی تھی......

عامی نے کہا تھا۔ "بہت جلدی بلش ہو جاتی ہیں۔ تمہاری دوست ٹونی۔"

"پالش ہو جائے گی دنوں میں۔" ٹونی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اور نکو نے فری سٹائل لہجے میں کہا تھا۔ "مار ڈالا۔"

سب ہنس پڑے تھے۔ نازیہ کی خوبصورت پیشانی نم ہوگئی تھی۔ اور اسے عامی کی خوبصورت نگاہوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں چوم لیا تھا۔ اف کتنی شرم آئی تھی۔ اسے لیکن کتنا مزہ آیا تھا۔ اس پر تو مدہوشی سی طاری ہوگئی تھی۔

مدہوشی اس پر اس وقت بھی طاری تھی۔ وہ بستر میں تساہل سے پڑی تھی۔ آنکھوں میں رنگین و حسین سپنے لہرا رہے تھے۔ اسے ہنسی بھی آرہی تھی۔ کہ دونوں نوجوان اس کے من کو بھاگئے تھے۔ اس نے تو یہی سن رکھا تھا۔ کہ عورت کے من میں صرف ایک ہی مرد کی گنجائش ہوتی ہے۔ وہ صرف ایک ہی مرد کو چاہتی ہے۔ لیکن اسے تو دونوں ہی بہت اچھے لگے تھے۔ دونوں ہی کے لئے اس کے پہلو میں گدگدی ہو رہی تھی۔ نادان سی لڑکی یہ تھوڑا ہی سمجھ پا رہی تھی۔ کہ اسے عامی اچھا لگا ہے۔ نہ نکو۔

اسے تو۔

اسے تو صرف اور صرف مرد اچھا لگا ہے۔ جنس مخالف کی کشش کھینچ رہی ہے۔ اسے۔

اس نے تکیہ پر بازو رکھ کر اوندھے ہو کر سر بازو کے حلقے میں رکھ دیا......

وہ اپنا جائزہ لینے لگی۔ ایک نوجوان مرد کی طلب اس کے اندر سر ابھار رہی تھی۔
نوجوان خوبصورت نئی روشنی کا دلدادہ بھرپور مرد۔

رات خواب میں بھی اسے عامی اور نکو ایسے مرد نظر آتے رہے۔

خمار چڑھتا رہا۔ نشہ بڑھتا رہا۔

صبح وہ کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ تب بھی عامی اور نکو اس کے ذہن میں بسے تھے۔ وہ آج بھی ان سے ملنے کی تمنائی تھی۔ حوصلہ کچھ اس لئے بھی بڑھ گیا تھا۔ کہ ابو اور جمشید کراچی گئے ہوئے تھے۔ خورشید بڑی خالہ کے ہاں گیا ہوا تھا۔ کالج سے دیر سے لوٹنے کا اب اسے کچھ زیادہ ڈر نہیں تھا۔

ناشتے کی میز پر ہی بیٹھی تھی۔ کہ تانگہ آگیا۔ شمو نے آکر بتایا "چھوٹی بی بی تانگہ آگیا ہے......"

"اچھا۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ امی سامنے ہی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ جلدی سے بولیں۔ "ناشتہ تو پوری طرح کر لو تانگہ رک جائے گا......"

"نہیں امی۔"

"ہائے ہائے آدھا ٹوسٹ بھی نہیں۔ کھایا دودھ ہی پی لو۔"

"بس امی بس۔"

"نازو تجھی کالج سے آتے آتے پانچ جاتے ہیں۔ ناشتہ تو پوری طرح کر لیا کرو شام تک بھوکی پیاسی......"

وہ ہنس پڑی لیکن اپنی ہنسی پر خود ہی گھبرا گئی جلدی سے بات بنائی "امی کالج میں کینٹین ہے۔ چائے کباب بسکٹ نان چنے سب کچھ مل جاتا ہے۔"

"یہی الا بلا کھاتی رہتی ہے۔ نا اسی لئے گھر آکر کچھ کھاتی نہیں......"

نازیہ مسکرائی بیگ کندھے پر ڈالا لہراتے ہوئے ماں کی طرف بڑھی بڑی بے باکی سے اس نے چٹاخ سے ماں کے گال کا بوسہ لے لیا......

امی کو اس کی یہ حرکت عجیب سی لگی لیکن وہ مسکرادیں......

☆☆☆

"نازیہ۔"

"ہوں۔"

"کل ہمارے ہاں آئے گی۔"

"کیوں۔"

"پارٹی ہے۔"

"پارٹی ہے۔"

"پارٹی؟"

"ہاں ہمارے ہاں ہر ماہ پارٹی ہوتی ہے۔"

"کس خوشی میں۔"

"بس یونہی گٹ ٹوگیدر کچھ ممی کے دوست ہوتے ہیں۔ کچھ۔"

"ممی کے دوست۔ یعنی۔ ممی۔"

"ہاں۔ پریشان کیوں ہوگئی ہو۔ ممی کے دوست نہیں ہو سکتے کیا۔"

"یونہی مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"تجھے کیا عجیب نہیں لگتا......"

اس نے خفت سے مسکراتے ہوئے کندھے اچکائے۔ ٹونی نے ہنس کر اس کی گال مروڑی اور بولی۔ "تو نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔ میری جان۔"

"اب تو دیکھ رہی ہوں تیری وساطت سے۔"

"میرا شکریہ ادا کر۔"

نازیہ نے سر جھکایا اور مسکرا کر بولی۔ "شکریہ میڈم شکریہ۔"

ٹونی نے بیگ جھلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "بتا نا آئے گی۔"

"کیسے آسکتی ہوں ٹونی۔"

"تو پھر وہی بتانا کیسے آؤں۔"

"پھر وہی مجبوری والی۔ زہر لگتی ہو مجھے جب ایسے کہتی ہو۔"

"جیسے ریسٹورانٹ جاتی ہے۔ جیسے چاٹ کھانے دوڑتی ہے۔ انار کلی اور جیسے راوی۔"

"ہائے اللہ تو سمجھتی کیوں نہیں ٹونی تیری ساری باتیں صحیح ہیں۔ لیکن تیرے گھر آنا مشکل ہے نا......"

"کوئی مشکل نہیں۔ میں لے جاؤں گی تجھے اپنے ساتھ ۔ یار ممی بھی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ کئی بار کہہ چکی ہیں۔ ملاؤ اپنی نئی دوست کو۔ اب میں نے سوچا پارٹی ہے۔ تم بھی آجانا۔ ممی کے ساتھ ساتھ اور بہت سے لوگوں سے مل لوگی۔"

"ہائے ہائے بہت سے لوگوں سے؟"

"ہاں اور نہیں تو کیا۔ ممی کے ڈھیر سارے دوست سہیلیاں۔

"پھر میرے دوست کزن انکل سہیلیاں۔"

"اتنے لوگ ہوں گے۔"

"لگ بھگ چالیس پچاس۔"

"اچھا۔"

"بڑا مزہ آتا ہے۔ تم ایک بار شرکت تو کرو۔"

نازیہ نے مایوسانہ انداز میں نفی میں سرہلایا

"میں تجھے پیٹوں گی۔"

"ٹونی ظاہر ہے۔ پارٹی شام کو ہوگی میں کالج کا بہانہ زیادہ سے زیادہ پانچ ساڑھے پانچ تک بنا سکتی ہوں۔"

"تو سیدھی طرح پوچھ لینا اپنی ممی سے۔"

"توبہ کر پوچھنے اور اجازت ملنے کی گنجائش ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"تو لاکھ بہانے کر تجھے آنا پڑے گا۔"

"کیا کروں۔"

"وہ مرجائے گا نہ آئی تو۔" ٹونی نے شوخی سے نگاہیں گھمائیں نازیہ اس کی بات سمجھ کر مسکراتے ہوئے اسے مارنے کو لپکی۔ دونوں آگے پیچھے دوڑتی بیرون گیٹ کے قریب آگئیں آخری پیریڈ تھا۔ نازیہ اپنی کلاس چھوڑ کر ٹونی کے پاس آگئی تھی۔ کچھ اور لڑکیاں بھی لان میں تھیں۔ کچھ فری پیریڈ کی وجہ سے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ چند لڑکیاں برآمدے کے دروں میں بیٹھی تھیں......

ٹونی درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ نازیہ کے اشتیاق کو ابھارنے کو

"تیرا وہ عاشق میرا دماغ چاٹ جاتا ہے۔"

"بکواس نہ کر۔"

"سچ کہتی ہوں روز آجاتا ہے۔"

"پھر تیرا ہی عاشق ہوگا۔"

"میرا ہوتا تو چاہئے کیا تھا۔ کیا ٹھاٹھ وار آدمی ہے۔"

نازیہ کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک بھر گئی۔ لجاتے ہوئے ٹونی سے کہا۔ "ہے واقعی۔"

"شاندار......"

"بہت امیر ہے۔"

"مجھے اس کی امارت سے کیا غرض......"

"شکل و صورت رکھو رکھاء کے ساتھ ساتھ امارت سے غرض ہوتی ہے۔ میری جان۔"

"اوں ہوں۔"

"بہت اچھا لگتا ہے تجھے......"

"نہ لگے۔"

"ضرور لگے۔"

"پھر......"

"پھر اسی لئے تو کہتی ہوں پارٹی میں ضرور آنا۔ اس نے تو جب سے تجھے دیکھا ہے۔ دیوانہ ہوگیا ہے۔ دو دفعہ اس کے ساتھ ریسٹورانٹ کیا گئی ہو۔ ہوش و حواس بھلا دیئے ہیں اس کے......"

نازیہ ٹونی کی باتوں سے خوش ہو رہی تھی۔ مانی سے متعارف ہی ٹونی نے کروایا تھا۔ کیا سجیلا جوان تھا۔ اونچا لانبا سمارٹ سا کتنے دلفریب انداز میں باتیں کرتا تھا۔ کتنی خوبصورت اور روح تک میں اتر جانے والی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کے سامنے تو عامی اور نکو بھی ٹھہر ہی نہ سکے تھے۔ ایک دم ہی وہ اپنی مسحور کن شخصیت سے نازیہ کے دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔ عامی اور نکو جنہوں نے اس کی کئی راتوں کی نیند حرام کی تھی۔ اس کے سامنے ہیچ نظر آتے تھے۔

دو دفعہ اسے ملی تھی۔ لیکن اپنا دل لٹا چکی تھی۔ دن رات اسی کے تصور میں کھوئی

رہتی تھی۔ اپنے من میں اس نے بڑی حسین دنیا آباد کر لی تھی۔

مانی سے ملنے کی تڑپ اسے بھی تھی۔ وہ دن رات یہی سوچا کرتی تھی۔ کہ کیسے اسے ملے روز روز ریسٹورانٹ میں جانا ممکن نہ تھا۔ لیکن روز روز ملنے کی خواہش تند ہوتی جا رہی تھی۔

وہ ٹونی کے گھر شاید روز ہی آتا تھا۔ اسی لئے تو ٹونی اس کے پیغام لا دیتی تھی۔ کبھی زبانی کبھی رقعہ۔

"اے۔" ٹونی کے اسے کندھے سے پکڑ کر اپنے ساتھ درخت کے تنے سے لگالیا۔

"کیوں۔"

"کس سوچ میں پڑ گئیں۔"

"ٹونی۔"

"ہوں۔"

"مانی تمہارے گھر روز آتا ہے۔۔"

"تقریباً تقریباً۔"

"اس کا گھر بھی گلبرگ ہی میں ہے۔"

"کیوں کیوں پتہ نہیں۔"

"اب میں اس کے گھر بار کا پتہ پوچھتی پھروں۔ ہمارے ہاں تو وہ عای کے ساتھ آیا تھا......"

"اس کا دوست ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"ہر بات پتہ نہیں۔ پتہ نہیں۔"

"غصے میں کیوں آتی ہو خود ہی ساری تفصیلات پوچھ لینا اس سے۔ کل ضرور آنا ہاں!

"ہائے کیسے آؤں۔"

"یوں کریں گے۔" ٹونی کے ذہن میں کوئی ترکیب آگئی۔ چٹکی بجائی اور بولی "کہ ریسس میں یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ہاں۔"

"تم......"

"نازیہ تم پانچ بجے تک تو کالج کے بہانے گھر سے باہر رہ سکتی ہو نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔"

"بس پھر سب ٹھیک ہے۔ میں آج مانی سے کہہ دوں گی کل بارہ بجے ہمارے گھر آجائے پانچ بجے تک تم دونوں ٹھیک۔"

اس نے شوخی سے نازیہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

نازیہ کو اس کی ترکیب پسند آئی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"گڈ گڈ گرل۔" ٹونی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ پھر اسے تسلی دیتے ہوئے بولی "ٹھیک پانچ بجے تمہیں گھر بھجوا دوں گی۔"

"وعدہ......"

اس نے ہاتھ بڑھایا نازیہ نے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ ابھی ٹونی سے کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی۔ کہ چند لڑکیاں ادھر آگئیں ان میں ٹونی کی دوست افشاں بھی تھی۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کئے پھر ٹونی نازیہ کو وہیں رکنے کہہ کر افشاں کے ساتھ دوسری طرح چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ الماری کھولے کھڑی تھی۔ گنگناتے ہوئے ہینگر ادھر ادھر ہٹا رہی تھی۔ اس کے ریشمی کپڑے ہینگروں میں لٹک رہے تھے۔ یہ کپڑے قیمتی بھی تھے۔خوبصورت بھی ۔ لیکن شلوار قمیض یا کرتے پاجامے ہی تھے۔ جدید طرز کا کوئی لباس نہ تھا۔ ٹونی یا دوسری ماڈرن لڑکیوں کے سے ڈریسز پہننے کا سے بھی بہت شوق تھا۔ لیکن شوق پایہ تکمیل کو کیسے پہنچتا۔ اس کے اباجی لونڈوں کے سے لباس بھلا اسے پہننے دیتے تھے۔وہ تو درزی سے خود ماپ دے کر کپڑے سلوانے کے بھی حامی نہ تھے۔ نازیہ ماں سے لڑ جھگڑ کر انہیں ساتھ لے جاتی تھی۔ اور درزی کو اپنی فٹنگ کے کپڑے سینے کو دے آتی تھی۔ اباجی کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ان کی لاڈلی بیٹی کے انگ انگ کا ماپ درزی خود لیتا ہے۔

نازیہ جوں جوں ایک مسحور کن اور انوکھی دنیا سے متعارف ہو رہی تھی۔اسے اپنے گھروالوں کی قدامت پسندی پر غصہ آتا تھا۔ اباجی جب فیشن ایبل عورتوں کے حوالے سے باتیں کرتے ہوئے طنزیہ لہجہ اختیار کرتے یا ان پر لاحول پڑھتے ہوئے بات کرتے تو اس کا جی چاہتا اباجی کا سر زور زور سے ہلائے تاکہ غیر متوازن پرزے ٹھیک جگہ پر آجائیں اسے تو امی سے بھی چڑ تھی۔ جو اس لکیر کی فقیر تھیں۔ جو کچھ اباجی نے کہہ دیا آنکھیں بند کر کے اس پر عمل پیرا ہوگئیں اور تو اور اس کے تو بھائی بھی اباجی کی طرح تھے۔ ان کے جوان جسموں پر پرانی روحیں تھیں۔ نازیہ پر تو پہرے دار بنے پھرتے تھے۔ بڑے فخر سے کہتے تھے۔

"ہماری بہن بھی تو آجکل کے زمانہ کی ہے نا۔ ہوا تک نہیں لگی اس زمانے کی ۔"

"خدا کا شکر ہے۔ معصوم اور سیدھی سادی ہے۔"

"یہ سب ہمارے گھر کی تربیت ہے۔ ورنہ اس کے ساتھ کی لڑکیاں تو آسمان سے تارے توڑتی ہیں۔"

"آزادی بے راہ روی کی طرف لے جاتی ہے۔"

"حد ہی کر دیتی ہیں آجکل کی لڑکیاں ۔"

وہ اکثر نازیہ کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہا کرتے۔ "نازو زیادہ سہیلیاں نا بنانا بھی ایک آدھ ہی سے مراسم رکھا کرو۔ اس کے متعلق بھی پہلے تحقیق کر لیا کرو کہ ٹھیک ٹھاک لڑکی تو ہے نا......"

نازیہ کا جی چاہتا دقیانوسی قسم کے ان جوانوں کا منہ نوچ لے۔ جوانی ہی میں تارک الدنیا بنے پھرتے تھے۔ غیرت ہی کا پرچار کرتے پھرتے تھے۔ جنگلیوں کی طرح غیر تہذیب یافتہ لوگوں کی طرح ذرا بھی تو مہذب انداز نہ تھا۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی کی بات تو تھی۔ چھوٹی خالہ عزرا ان کے گھر آئی تھی۔

آتے ہی اس نے سامنے والی کوٹھی میں رہنے والوں کی شکایت کی تھی ۔

"میں رکشے سے اتری تو بے ہودہ سا آوازہ کسا ذلیل کمینے کہیں کے۔"

عزرا کا یہ کہنا تھا۔ کہ خورشید کا خون کھول اٹھا ایک دم کمرے سے نکل آیا۔" خالہ کس نے آوازہ کسا تھا۔"

"وہ شاید سامنے والی کوٹھی میں رہتا ہے۔ لمبا تڑنگا سانولا سا لڑکا تھا۔ ساتھ چھوٹے قد کا موٹا سا......"

"میں سمجھ گیا۔" جمشید بھی اس کے ساتھ آکھڑا ہوا......

عزرا نے ان کی بات دہرائی تو دونوں کا خون کھول اٹھا۔ آستین چڑھاتے ہو باہر لپکے۔

اس کوٹھی میں شاید کوئی نئے کرایہ دار آئے تھے۔ جنہیں شاید علم نہیں تھا۔ کہ اس محلے میں غیرت مند اور عزت کے ایسے رکھوالے رہتے ہیں......

دونوں بھائیوں نے سامنے والوں کو للکارا۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر للکارا محلے دار آدمی بھی للکار سن کر جمع ہوگئے۔ وہ بیچ بچاؤ نہ کرتے تو دونوں بھائی شاید ان لڑکوں کا قیمہ بنا دیتے......

نازیہ گھر پہ ہی تھی۔ اسے بھائیوں کی یہ حرکت ناگوار گزری تھی۔ اتنی سی بات پر یوں مرنے مارنے پر اتر آنا محلے میں للکارتے ہوئے لڑائی مار کٹائی کرنا غیر تہذیب یافتہ فعل تھا۔ شائستگی سے کوسوں دور

وہ من ہی من میں ان کا موازنہ ان شائستہ آدمیوں سے کرنے لگی۔ جن سے وہ ہوٹلوں ریسٹورانوں میں مل چکی تھی۔ عامی باتونی تھا۔ لیکن کس طرح سج سج باتیں کرتا تھا۔ وہ سیرا کے بھائیوں کو بھی دیکھ چکی تھی۔ کتنی شائستگی سے ملتے تھے۔ ٹونی کے دو کزن جن سے وہ مل چکی تھی۔" ایسی حرکت ان سے کبھی سرزد نہ ہو سکتی تھی......

نازیہ اپنے گھریلو ماحول سے بیزار ہوتی جارہی تھی۔اور جتنی بیزاری بڑھ رہی تھی۔فرار

کے اتنے ہی طریقے اس کے ذہن میں جگہ پا رہے تھے۔

اسے بہانے بنانے خوب آگئے تھے۔ امی کو چکمہ دینا تو بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ ہاں بھائیوں سے ڈر لگتا تھا۔ جو کبھی انہوں نے اسے کہیں دیکھ لیا تو اور اباجی۔

اس کے آگے اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ ہاں محتاط رہنے کے بارے میں ضرور سوچتی رہتی تھی۔

آج اس نے ٹونی کے ہاں جانا تھا۔ وہاں مانی اس کا منتظر ہوگا مانی اوہ وہ آدمی تھا۔ یا جادوگر۔ کس طرح جکڑ لیا تھا۔ اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا......

وہ زیرلب مسکرائی اور ہینگر ادھر ادھر کر کے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی اس کا جی چاہ رہا تھا۔ آج ایسے کپڑے پہنے۔ جو اس کے خوبصورت جسم کے نشیب و فراز کو قاتلانہ حد تک اجاگر کر دیں۔ مانی کی آتش شوق کو بڑھا دے۔ اس کو اپنا والا وشیدا دیکھنے کی اسے بھی تو تمنا تھی۔

تنگ پاجامہ کرتا اور لمبا سا دوپٹہ۔ اس نے ہینگر میں لٹکا دیکھا۔ چند لمحے جائزہ لیا پھر ہینگر نکال کر اپنے ساتھ لگا کر دیکھا یہ کپڑے اس نے سلمیٰ چچی کے بھائی کی شادی پر پہنے تھے۔ بہت جچے تھے۔ سب ہی نے تعریف کی تھی۔

ہاں وہ یہی کپڑے آج پہنے گی۔ یہ وہ اسی طرح کپڑے اپنے ساتھ لگائے قدآدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"نازیہ۔" امی کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا امی ڈھیلے ڈھالے ریشمی جوڑے میں ملبوس تھیں ڈوپٹہ سلوٹ زدہ تھا۔ وہ اوپر جانے کیوں آئی تھیں۔

"نازو۔"

"جی۔"

"کالج نہیں جانا آج۔"

"جانا ہے۔"

"تیار نہیں ہو رہیں۔"

"ہوتی ہوں۔"

"یہ کپڑے کیوں نکالے ہیں۔"

نازیہ کا دل دھڑکا۔ لیکن گھوم کر ماں کی طرف آئی ہینگر بیڈ پر ڈال دیا۔

"امی۔"

"کیا ہے۔"

"وہ وہ نمائش کے متعلق میں نے بتایا تھا۔ نا آپ کو اے امی جس کے لئے چیزیں تیار کرتے رہے ہیں ہم کالج میں۔"

"ہاں۔"

"آج نمائش ہو رہی ہے۔ صرف کالج کی لڑکیوں کے لئے......"

"اچھا۔"

"میں یہ کپڑے اس لئے نکال رہی ہوں۔"

"کالج پہن کر جائے گی۔"

"نہیں۔ وہاں پہن لوں گی۔ چھٹی کے بعد ہے نمائش۔"

"ہوں تو آج پھر دیر سے آنا ہوگا......"

"بالکل۔ آپ ٹھیک سمجھیں۔"

"کتنے بجے فارغ ہوگی۔"

"آج تو شام ہوجائے گی۔"

"زیادہ دیر نہ لگانا۔"

"اوہ امی۔ خدا کے لئے کچھ تو پابندیاں نرم کر دیں کالج کے فنکشنز بھی میں پوری دل جمعی سے اٹنڈ نہیں کر سکتی۔"

"نازو بیٹی تجھے کتنی بار سمجھایا ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اس گھر میں تیرے اباجی کی مرضی چلتی ہے۔ بس تو......"

"لیکن آج تو اباجی ہیں نہ بھائی۔ دیر ہو بھی گئی۔ تو فرق نہیں پڑے گا۔ بس میں آجاؤں گی۔ آپ فکر نہ کیجئے گا۔"

امی چپ رہیں۔ تو نازیہ نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کا ماتھا۔ چوم لیا۔ لڑکی پیار کے معاملے میں بڑی بے باک ہوتی جارہی تھی۔ آج بھی اس کے پیار کرنے کے انداز انہیں عجیب لگے۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولیں۔ اک غیر محسوس سی الجھن نے انہیں آلیا۔

اپنے گلے سے اس کے بازو نکالنے کے لئے انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ تو نازیہ نے ان سے چمٹ کر چٹا چٹ ان کے گالوں پر پیار کر لیا۔

"ہٹ بھی۔" امی کو اس کے جنونج انداز پر ہنسی آگئی۔ "چاپلو جسی کر رہی ہے۔ نا"

"اوں ہوں۔ پیار آرہا ہے۔ آپ پر۔ چاپلوسی کی آج ضرورت نہیں کہ اباجی کراچی گئے ہوئے ہیں۔ صرف انہیں سے ڈر لگتا ہے۔ آپ سے میں ڈرتی تھوڑا ہوں۔"

نازیہ بہت خوش تھی۔ امی مسکراتے ہوئے اسے تیار ہونے کا کہہ کر مڑیں۔ "تانگہ

آنے والا ہے۔ جلدی سے تیار ہو جا۔ پھر ناشتے کے بغیر ہی بھاگ کھڑی ہو گی۔"

وہ چلی گئیں نازیہ نے جلدی جلدی کپڑے بیگ میں ڈالے۔ دوسری چیزیں بھی رکھیں اور باتھ روم میں چلی گئی۔

وہ تیار ہو کر نیچے اتری۔ دودھ کی پیالی ہونٹوں سے لگائی ہی تھی۔ کہ تانگے والے کی آواز آئی۔

"ہائے ہائے پی تو لے دودھ" امی نے کہا۔

"جانے دیں امی - دودھ میں پی لوں گا۔" حمید بھی سکول جانے کو تیار کھڑا تھا۔ ہنس کر بولا۔

"میں کیوں نہ پی لوں۔" نازیہ کی پیالی اٹھا کر رشید نے غٹاغٹ پی لی۔

"شریر - اپنا دودھ بھی پی لیا۔ اس کا بھی پی گئے -" ماں نے پیار سے رشید کو تھپکا دیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" نازیہ نے ہنس کر بھائی کو دیکھا۔

پھر بیگ اور کتابیں اٹھائیں - چادر اوڑھی اور باہر دوڑی۔

"رات کو آؤ گی کیسے۔" امی نے پیچھے آواز دی -

"آجاؤں گی اور لڑکیاں بھی ہوں گی راستے میں مجھے ڈراپ کر جائیں گی......"

اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

امی لوہ کھلے دروازے میں آکر کھڑی ہو گئیں۔باہر گیٹ پر لڑکیوں سے لدا تانگہ کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھئی نہیں۔" نازیہ نے سر ادھر ادھر ہلا کر کہا۔

"نہیں کیوں نہیں۔" ٹونی نے پوچھا۔

"مجھے مجبور نہ کرو - پلیز۔" وہ بولی -

"مجبور میں تھوڑا ہی کر رہی ہوں۔ تیرا وہ چہیتا کر رہا ہے۔" ٹونی شوخی سے مسکرائی۔

"نازیہ میری خواہش ہے۔" مانی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"لیکن مانی۔" نازیہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"ڈرتی ہو ؟" وہ بولا۔

"کس سے ؟" ٹونی نے نازیہ کی جگہ پوچھا۔

"لوگوں سے۔" مانی منہ بناتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔" نازیہ نے اقرار کیا۔

"بی بولڈ۔" مان نے اس کے کندھے پر تھپکی لگائی۔

"نہیں مانی۔" وہ سمٹ گئی -

"نازیہ مان جاؤ بیچارے کی بات - کتنی منتیں کر رہا ہے۔ یہ مانی کے لئے نیا تجربہ ہے۔ کیوں مانی تم نے کبھی کسی لڑکی کی اس طرح منتیں کی ہیں کبھی -" ٹونی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی -

"تو...... تم جانتی ہو ٹونی - لڑکیاں مجھ سے لفٹ لینے کی کتنی کریزی ہوتی ہیں۔" وہ بڑی شان سے بولا۔

"اس لئے تو اس گاؤدی سے کہہ رہی ہوں یہ اپنی خوش نصیبی پر دولتیاں مار رہی ہے۔"

ٹونی کی بات پر مانی کھلکھلا کر ہنس پڑا پھر بولا۔ "میری سویٹ ہارٹ کو یوں نہ کہو - اس کافر نے تو میرے سارے اصول تہس نہس کر دیئے ہیں۔"

"اصول۔"

" ہاں۔ بھلا میں کبھی کسی لڑکی کی اس طرح منتیں کیا کرتا تھا۔ میرے پیچھے پھرتی ہیں لڑکیاں لیکن میں لفٹ ہی نہیں دیتا......"

" بہت مغرور ہو......"

" نہیں ٹونی مغرور تو نہیں ہوں ـ البتہ انسان کی پہچان ہے ـ مجھے۔"

" تو کونسا انساں ملا۔"

" یہ کافر ادا حسینہ ......"

سگریٹ کا کش لے کر نیم باز آنکھوں سے مانی نے نازیہ کو طرف دیکھ کر کہا۔ تو نازیہ کی دنیا الٹ پلٹ ہوگئی۔ یہ خوبرو نوجوان اس پر کس قدر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

" چلو نا نازیہ ـ مانی نے گھڑی دیکھی ـ" اڑھائی بج چکے ہیں چار بجے تک واپس آجائیں گے۔ انٹی کی پارٹی میں بھی شریک ہو جائیں گے ـ

" ہاں۔" ٹونی نے کہا۔ " ویسے پارٹی کی فکر نہ کرو۔ یہ پارٹی تو رات گئے تک چلے گی۔"

وہ تیکھی نظروں سے مانی کو دیکھ کر مسکرائی مانی جلدی سے بولا۔ " لیکن یہ تو رات گئے تک نہیں ٹھہرے گی نا۔"

" شام تک رک سکتی ہے۔ ٹونی نے نازیہ کی طرف دیکھا" گہری شام تک۔ اس کے بعد اسے گھر چھوڑنا ضروری ہے۔ ورنہ ڈھنڈیا پٹ جائے گی اور دونوں دھر لئے جاؤ گے......"

ٹونی ہنس ہنس کر نازیہ کی قدامت پرست گھرانے کے متعلق مانی کو بتانے لگی۔ مانی حیرت زدہ بن کر کچھ زیادہ ہی تعجب کا اظہار کرتے بار بار۔ "ویری بیڈ۔ ویری بیڈ۔ ویری سیڈ" کہنے لگا نازیہ کو بڑی شرم آئی بڑی ذہنی کوفت ہوئی ـ اپنا آپ اک ایسے خاندان سے وابستہ پاکر جہاں لڑکیوں پر اتنی پابندی تھی۔ اسے دکھ ہوا باغیانہ خیالات تقویت پکڑنے لگے ـ اور اپنا آپ منوانے کے احساس جاگنے لگا۔

وہ درخت کے تنے سے لگی کھڑی تھی۔ کپڑے بدل کر وہ لان میں تھوڑی دیر پہلے آئی تھی۔ اس کے سج دھج دیکھ کر مانی نے بیساختہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اور بڑے ہی بے باکانہ انداز میں اس نے اس حسینہ کی تعریف کی تھی۔

نازیہ اس تعریف سے من ہی من میں پھول رہی تھی۔ دونوں تھوڑی دیر آمنے سامنے کھڑے رہے۔ تھے۔نازیہ مانی کی تند و تیز شرابی نظروں کی تاب نہ لا لا کر بار بار آنکھیں جھکا رہی تھی اپنے آپ میں سمٹ جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے گالوں پر شہابی پھوٹ

رہا تھا۔

مانی اس کے ساتھ جی بھر کر باتیں کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس کی قربت کا تمنائی تھا۔ ـ اس کو دل میں سمو لینے کو بے چین تھا۔ اسی لئے اس نے کہا۔" آؤ نازیہ کہیں باہر چلتے ہیں۔"

" کہاں ؟

" کہیں بھی سڑکیں میلوں لمبی ہیں ـ ڈرائیو کے لئے چلتے ہیں ـ ویسے تمہارے ٹائم بڑے آڑے ہیں ـ پھر بھی خیر۔ ہمیں ایک دوسرے کی قربت چاہئے ـ تنہائی چاہیئے دن ہو یا رات کیا فرق پڑتا ہے۔"

وہ زیر لب مسکرا دی تھی۔

" گاڑی ہے۔ چلو چلتے ہیں۔"

" لیکن ......"

" لیکن ویکن کچھ نہیں سنوں گا۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا"

وہ تزبزب میں پڑ گئی تھی۔

مانی محبت سے اصرار کرنے لگا۔

وہ حامی نہ بھر رہی تھی

اسی اثناء میں ٹونی ادھر آگئی تھی۔ اور مانی نے اس سے کہا تھا۔ " ٹونی اسے کہو نا یہاں بھی تو ہم اکٹھے بیٹھے ہیں ـ باہر گھوم پھر آئیں تو کیا حرج ہے۔"

" میں تمہیں سمجھتی ہوں۔" ٹونی نے ہنس کر کہا تھا۔

" پلیز ٹونی تم اسے کہو نا۔"

اور پھر اس کے ایما پر ٹونی نے بھی کہا تھا۔ نازیہ اس کے ساتھ جاتے ہوئے ڈر رہی تھی ڈر اس لئے نہیں رہی تھی۔ کہ اسے مانی سے کوئی خطرہ تھا۔ ـ مانی پر تو وہ آنکھیں بند کر کے اعتماد کر رہی تھی ڈر تو یہ تھا کہ اگر اس کے ساتھ کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔

ٹونی کہنے پر بھی وہ نا مانی تو مانی نے منہ بنا لیا خفگی کے انداز میں بولا۔ " شاید تم میرا ساتھ پسند نہیں کرتیں ـ"

وہ ایک دم کہہ اٹھی " نہیں مانی یہ بات نہیں ڈر لگتا ہے۔ کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔"

ٹونی مسکراتے ہوئے دونوں کو چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی ـ جہاں نوکر لان میں کرسیاں نکال نکال کر رکھ رہے تھے۔

" نازیہ ڈرو نہیں ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ مجھے تمہاری فیلنگز کا احساس ہے۔ تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا وعدہ۔"

وہ ہولے سے مسکرائی " کہاں چھپا کر لے جاؤ گے مجھے ......"

" یہاں ۔" مانی نے دل کی طرف اشارہ کیا ۔

نازیہ سرخ ہوگئی ۔ اس کی آنکھوں میں نشیلی کیفیت لہرا گئی ۔

مانی نے انگلی پر چابی گھماتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ " آؤ"

وہ سحرزدہ سی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی ۔

ٹونی اور اس کی ممی لوھرلان میں کھڑی تھیں ۔ شام کی پارٹی کے لئے جگہ ٹھیک کروا رہی تھیں۔ دونوں کو گاڑی کی طرف جاتے دیکھا۔

تو ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں ۔

" چلی ہی گئی آخر" ٹونی بولی ۔

" آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔" ٹونی کی بھاری بھرکم فیشن ایبل ممی نے شیطانی مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے کہا۔

" داد دیں مجھے ممی ......"

" اوہ مائے سویٹ بے بی۔ ممی نے لپ سٹک اترے نیلے نیلے ہونٹوں سے اک ہوائی بوسہ اچھالا ۔ ٹونی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔"

" لڑکا کافی مالدار ہے۔" ممی نے چند لمحوں بعد کہا۔

" اور لڑکی بے حد سمپل۔" ٹونی ہنسی ۔

" اپنے وارے نیارے ۔" وہ بھی ہنس پڑی ......

"وہ ممی۔"

" افشاں آئی تھی۔"

" ہاں۔"

" دیکھی نہیں۔"

" یہاں کیا کرنا تھا اسے ۔"

" پھر"

" حسنی لے گیا اسے۔"

ٹونی مسکرا کر ممی کو دیکھنے لگی۔ " ٹکرا دیا اسے حسنی سے۔"

" اور کیا۔" ممی بولی ۔ دو ملازم لڑکے ادھر آگئے تھے۔ اس لئے ممی نے ٹونی سے کہا۔"

" میں انہیں کام بتا دوں۔"

ٹونی پورچ کی طرف آگئی ۔ جہاں ایک گاڑی میں نازیہ اور مانی بیٹھ چکے تھے۔

ٹونی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں وش کیا ۔

" تھینک یو۔" گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے مانی نے کہا ۔

" کتنے بجے واپسی ہے۔" ٹونی نے گاڑی کی کھڑکی میں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

" چائے میں شریک ہوں گے" نازیہ بولی ۔

مانی جلدی سے بولا۔ " بس آجائیں گے جب جی چاہے گا ٹونی چائے پر نہ بھی آسکے تو۔"

" نازیہ نے گھبرا کر بات کاٹی۔" نہیں مانی چائے تک واپس آجائیں گے میں زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتی ۔"

" اچھا بھئی جاؤ تو سہی آ بھی جانا۔" ٹونی نے نازیہ کے گال پر چٹکی کاٹی ۔ " بنتی بہت ہو دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ اور ......"

نازیہ مسکرائی مانی نے گاڑی چلا دی وہ بڑے دلفریب انداز میں نازیہ کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ نازیہ ان مسکراہٹوں پر لٹی جا رہی تھی

دونوں لمبی ڈرائیو پر نکل گئے۔ گنجان آباد راستوں سے وہ جلد ہی غیر آباد سڑک پر آگئے تھے۔ جتنی دیر گاڑی آباد راستوں پر رہی ۔ نازیہ کا سانس جیسے نکلا رہا۔ سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی رہی ۔

" یار بہت ڈرپوک لڑکی ہو۔" مانی نے سنسان سڑک پر آتے ہوئے اس کی طرف پیار سے دیکھا۔

" تم نہیں جانتے مانی کسی نے مجھے دیکھ لیا نا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی ۔ میرے گھر والے تو میری تکہ بوٹی کر دیں گے ۔"

" اوہو......ہو...... میری جان ۔" مانی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ " جب ہم ہیں تو کیا غم ہے۔"

نازیہ نے اس کی مضبوط گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی ۔ وہ تو اس حسین گرفت میں جکڑ کر لطف و انبساط کی انوکھی دنیا میں پہنچ گئی تھی ان لمحوں کی ہمیشگی کی تمنا جاگ اٹھی تھی۔ مانی نے اس ڈھیل سے اور فائدہ اٹھایا اسے اور قریب کر کے اپنے ساتھ لگالیا۔

نازیہ نے بے سدھ ہو کر اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ لیا .... مانی باتیں بھی کر رہا تھا

"میں انہیں کام بتا دوں۔"

ٹونی پورچ کی طرف آگئی۔ جہاں ایک گاڑی میں نازیہ اور مانی بیٹھ چکے تھے۔

ٹونی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں وش کیا۔

"تھینک یو۔" گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے مانی نے کہا۔

"کتنے بجے واپسی ہے۔" ٹونی نے گاڑی کی کھڑکی میں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

"چائے میں شریک ہوں گے" نازیہ بولی۔

مانی جلدی سے بولا۔ "بس آجائیں گے جب جی چاہے گا ٹونی چائے پر نہ بھی آسکے تو۔"

" نازیہ نے گھبرا کر بات کاٹی۔" نہیں مانی چائے تک واپس آجائیں گے میں زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتی۔"

"اچھا بھئی جاؤ تو سہی آ بھی جانا۔" ٹونی نے نازیہ کے گال پر چٹکی کاٹی۔ "جتنی بہت ہو دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ اور ......"

نازیہ مسکرائی مانی نے گاڑی چلا دی وہ بڑے دلفریب انداز میں نازیہ کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ نازیہ ان مسکراہٹوں پر لٹی جا رہی تھی

دونوں لمبی ڈرائیو پر نکل گئے۔ گنجان آباد راستوں سے وہ جلد ہی غیر آباد سڑک پر آگئے تھے۔ جتنی دیر گاڑی آباد راستوں پر رہی۔ نازیہ کا سانس جیسے نکلا رہا۔ سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی رہی۔

"یار بہت ڈرپوک لڑکی ہو۔" مانی نے سنسان سڑک پر آتے ہوئے اس کی طرف پیار سے دیکھا۔

"تم نہیں جانتے مانی کسی نے مجھے دیکھ لیا نا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ میرے گھر والے تو میری تکہ بوٹی کر دیں گے۔"

"اوہو......ہو...... میری جان۔" مانی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ "جب ہم ہیں تو کیا غم ہے۔"

نازیہ نے اس کی مضبوط گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تو اس حسین گرفت میں جکڑ کر لطف و انبساط کی انوکھی دنیا میں پہنچ گئی تھی ان لمحوں کی ہمیشگی کی تمنا جاگ اٹھی تھی۔ مانی نے اس ڈھیل سے اور فائدہ اٹھایا اسے اور قریب کر کے اپنے ساتھ لگا لیا۔

نازیہ نے بے سدھ ہو کر اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ لیا.... مانی باتیں بھی کر رہا تھا

لیکن نازیہ جیسے کچھ سن ہی نہ رہی تھی اسے تو کانوں میں صرف مترنم گنگناہٹیں اترنے کا احساس ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

" پھر کب ملو گی۔"

"کیا پتہ۔"

" یوں نہ کہا کرو نازیہ ڈارلنگ۔

" پھر کیا کروں مانی۔"

" کوئی راستہ نکالو کوئی طریقہ سوچو - ہر روز ملنے کے لئے - تم نہیں جانتیں - میں تمہارے بغیر وقت کیسے گزارتا ہوں -"

" مجھے احساس ہے۔ مانی - میں خود بھی گھڑیاں گنتی رہتی ہوں - لیکن روز روز بہانے بھی نہیں چلتے نا۔"

" مجھے کچھ پتہ نہیں میں روز تمہیں لینے کالج کے گیٹ پر آجا کرونگا۔"

" ہائے نہیں مانی - اس طرح تو سب کو پتہ لگ جائے گا۔"

" لگتا ہے۔ تو لگ جائے۔"

" میری رسوائی چاہتے ہو۔"

" ہرگز نہیں - لیکن تمہاری جدائی مجھے مار ڈالے گی - میں زندہ نیں رہ سکوں گا۔"

" اللہ نہ کرے۔"

" نازیہ پلیز پلیز کچھ سوچو - میں بن موت مرجاؤں گا۔ چاہے تھوڑی دیر کے لئے سہی ملا ضرور کرو آج بھی تو آگئی ہو نا اسی طرح آجایا کرو......"

" روز فری پیریئڈ میں بھاگنے لگی نا - تو سب لڑکیوں کے نوٹس میں آجائے گی بات۔ آج بھی ٹونی کی مہربانی سے آسکی ہوں= لڑکیوں کو پتہ نہیں چلا۔"

" میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے دیوانہ بنا کر اب دامن چھڑانا چاہتی ہو -"

" نہیں مانی ایسا کیوں سوچتے ہو۔ میری مجبوری کا بھی تو خیال کرو......"

" جہنم میں گئی مجبوری ......"

" مانی سمجھا کرو مانی تم نہیں جانتے میں تمہیں ملنے کے لئے کیا کچھ کرتی ہوں - کس

کس طرح بہانے بناتی ہوں - امی کو کس کس طرح فریب دیتی ہوں۔"

" مجھے احساس ہے۔"

" تو پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔

" دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تم نے جانے کیا جادو کر دیا ہے۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں - میں نے تو کبھی کسی لڑکی کو لفٹ ہی نہ دی تھی - میں تو ان کا مزاق اڑایا کرتا تھا۔ مکھیوں کی طرح بھنبھناتی پھرتی ہیں لڑکیاں میرے اردگرد۔"

" اب پھر؟۔"

" نہیں تو کیا۔"

" مانی - تمہاری باتوں سے تو مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں کوئی لڑکی تمہیں مجھ سے چھین ہی نہ لے ......"

" اس طرح بے اعتنائی برتو گی تو بعید بھی نہیں -"

" تم ہرجائی ہو۔"

" نہیں میں صرف اور صرف تمہاری زلف گرہ کا اسیر ہوں۔ لیکن تم نے پیچھا چھڑایا تو۔"

" میں تو مر کر بھی تم سے پیچھا چھڑانے کا نہیں سوچ سکتی مانی۔ مجھے الزام دیتے ہو۔ حالانکہ تم نے جانے کیسا جادو مجھ پر کر دیا ہے۔ کہ میں تمہارے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

" یہی حال اپنا ہے۔"

" تو پھر تم ہی کوئی طریقہ سوچونا۔"

" مجھے کیا سوچنا ہے۔ نازو ڈارلنگ سوچنا تو تم نے ہے۔ جس کے گھر والے اس زمانے میں بھی پرانی کی باتیں کرتے ہیں - ان سے نپٹنا سیکھو میری جان ......"

مانی نے نازیہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا ہاتھ زور سے دبایا نازیہ کسمسائی - مسکرائی۔ اور پھر انداز سپردگی سے اس کے ساتھ لگ گئی -

آج اس کا تیسرا پریئڈ فری تھا۔ ٹونی اسے کالج سے لے اڑی تھی۔ اور مال پہ فوارے کے قریب اسے ڈراپ کر دیا تھا۔ جہاں پہلے سے مانی گاڑی لئے اس کا منتظر کھڑا تھا۔ وہ مانی کے ساتھ کینٹ کے غیرآباد علاقے کی طرف آگئی تھی-- اب دونوں بڑی سڑک سے ہٹ کر کچے پکے راستے پر آگئے تھے۔گاڑی سے نکل کر گاڑی سے ہی ٹیک لگائے پاس پاس کھڑے باتیں کر رہے۔ تھے۔نازیہ کا بیگ فائل اور چادر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑی تھی اس نے

سفید یونیفارم پہنا ہوا تھا گلے میں نیلے دوپٹے کی پٹی تھی۔

مانی کی دلفریب باتوں سے وہ بڑی جذباتی ہو رہی تھی۔ مانی جو اس کے عشق کی معراج تھا۔ اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے قربت میں وہ بے سدھ ہوئی جا رہی تھی۔ مانی بھی اس کے اندر کی لڑکی جو اپنے گھریلو ماحول سے باغی تھی۔ جو سرکشی پر آمادہ تھی۔ جو فرار کی راہیں ڈھونڈتی تھی۔ بڑے ہولے ہولے ابھار رہا تھا۔ جزبات کی آنچ پر اسے لٹکا کر بڑی خوبصورتی سے سینک دے رہا تھا۔

"مانی۔" نازیہ پہلو بدل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہوں۔"

"کتنی عجیب بات ہے۔"

"کیا؟"

مجھے ابھی تک تمہارا صحیح نام پتہ ہے نہ یہ علم ہے۔ کہ تم کیا ہو۔ پڑھ رہے ہو یا نوکری......"

نازیہ نے کندھے کے پیچھے سے چوٹی کو سینے پر لاتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ناگن" مانی نے اس کی خوبصورت لانبی چوٹی کو چھوتے ہوئے کہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"مانی۔"

"پورا نام۔"

"کیا ہو سکتا ہے۔"

"سلیمان عثمان۔"

"بس ایک سمجھ لو۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"وہ ہنس پڑا اس کی چوٹی کو اسی کی گردن کے گرد لپیٹے ہوئے بولا۔ نام کوئی بھی کیا فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں مانی ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب آچکے ہیں۔"

اب ہمیں ایک دوسرے سے پوری طرح متعارف ہونا چاہیے۔"

"اچھا تو پہلے تم بتاؤ۔"

"کیا۔"

"اپنا حدود اربعہ۔"

نازیہ نے اک ادا سے اسے دیکھا۔ پھر اپنے خوبصورت سینے پر انگلی رکھتے ہوئے بولی "میں نازیہ وحید میرے اباجی کا لکڑی کا بزنس ہے۔ میرے چار بھائی ہیں۔ دو بڑے دو چھوٹے۔ امی سیدھی سادی عورت ہیں۔ ابو کا حکم اور سکہ چلتا ہے۔ گھر میں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مانی بھی مسکرانے لگا۔ نازیہ نے اسے اپنے گھر کے ماحول کے متعلق بتایا۔ اور اپنے عزت دار خاندان کے متعلق بھی۔

پھر اس نے مانی سے کہا "اب تم کہو......"

مانی نے درخت کی جھکی ہوئی شاخ سے پتے توڑے انہیں مسلا اور زمین پر پھینک دیا۔

نازیہ شوق اور تجسس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بولو نا۔"

"ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"اچھا بھئی سنو۔ میں سلیمان ملک ہوں۔ میرے ممی ڈیڈی کیلیفورنیا میں ہیں۔ وہاں وہ بزنس کے امکانات کا جائزہ لینے گئے ہوئے ہیں۔ ویسے دولت بے انتہا ہے۔ ان کے پاس۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ یہاں گلبرگ میں ہماری تین چار کوٹھیاں ہیں۔ کرایے پر اٹھی ہوئی ہیں۔ ایک میں میں رہ رہا ہوں۔ دو تین نوکر ہیں گاڑی اپنے پاس ہے۔ ڈیڈی کا کام سنبھالا ہوا ہے۔ شادی کے معاملہ میں بالکل آزاد ہوں۔ ممی ڈیڈی وہیں شادی کریں گے۔ جہاں میں چاہوں گا۔" اس نے دھڑا دھڑ ساری باتیں انگلیوں پر گن دیں۔

پھر وہ چند لمحے رکا۔ اور نازیہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباتے ہوئے بولا۔ "خوشی ہو گئی ہو ناکہ شادی کے معاملے میں میں آزاد ہوں جہاں چاہوں گا وہیں ہوگی۔ ہو خوش۔"

نازیہ خوش تو کیا اندر ہی اندر لہرا گئی تھی مسرت کا رنگ چہرے پر چھلکنے لگا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ مانی نے اک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ اس کے سینے جا ٹکرائی۔

"بڑے شریر ہو" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"تم کم تو نہیں ہو۔" مانی اس کی آنکھوں میں شراب کی سی مستی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"چلو واپس چلیں۔" نازیہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی سے۔"

"چھٹی کا وقت ہو رہا ہے۔ ٹائم کیا ہو گا۔"

مانی نے اپنی آستین قدرے اونچی کی کلائی اوپر اٹھائی۔ گھڑی دیکھی اور جلدی سے بولا۔

"واقعی چھٹی کا وقت ہو رہا ہے۔ وقت تو پر لگا کر اڑ جاتا ہے۔"

نازیہ نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی "چلو مانی جلدی کرو۔ یہ نہ ہو تانگہ چلا جائے۔ مجھے کالج کے پچھلی طرف ڈراپ کر دو......"

مانی بھی گاڑی میں آبیٹھا۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولا "کل ملو گی۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

مانی نے اس کی چٹیا پکڑ کر اس کا سر زور سے ہلایا "کل تم ضرور ملو گی سمجھیں۔"

"ہائے۔ کیسے ملوں گی۔"

"میں یہ نہیں جانتا تمہیں کوئی راہ نکالنا ہو گی۔"

"اچھی زبردستی ہے۔"

"وعدہ کرو۔ پھر کالج ڈراپ کروں گا۔"

"اگر نہ کروں تو۔"

"تو......تو......"

"ہاں۔"

"سیدھا تمہیں تمہارے باپ کی فیکٹری میں لے جاؤں گا۔"

"ہائے میں مر گئی۔ اتنے بے رحم ہو۔ انتہا پسند۔"

"محبت کے معاملے میں میں کچھ بھی کر گزرنے والا ہوں......"

"ڈرا رہے ہو۔"

"سمجھا رہا ہوں۔"

دونوں چہلیں کرتے ہوئے طویل کشادہ سڑک پر جا رہے تھے۔ مانی نے اس سے ملنے کا وعدہ لے ہی لیا۔

نازیہ کالج کی پچھلی سڑک پر مانی کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی سے نکل آئی احتیاط اس نے اپنے آپ کو چادر میں لپیٹ لیا تھا۔ کالج کے پچھلے گیٹ سے وہ اندر آئی ابھی لان ہی میں پہنچی تھی۔ کہ چھٹی کا گھنٹہ بج اٹھا۔ وہ کتابیں اٹھائے چادر بازو پر لٹکائے مستانہ ادا سے چلتی بیرونی گیٹ کی طرف آگئی۔

بہت جلد لڑکیاں کلاسوں سے نکل کر کالج کے وسیع و عریض صحنوں میں بھر گئیں۔ وہ سفید یونیفارموں پر مختلف کلاسوں کے مختلف رنگوں کے دوپٹے لئے۔ کتابیں اور بیگ

سنبھالے گھروں کو جانے کے لئے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

نازیہ بھی اودھر ہی جا رہی تھی۔ کہ اس کی پرانی دوستوں آسیہ اور ناظمہ نے اسے دیکھ لیا۔ وہ لپک کر آئیں اور اسے پیچھے سے آکر دبوچ لیا۔

"ہائے ہائے کون۔" نازیہ نے کہا۔

"ہاں اب تم ہمیں پہنچانتی تھوڑا ہی ہو۔" آسیہ اس کے سامنے آتے ہو بولی۔

"بالکل ہی بھلا دیا ہمیں۔" ناظمہ نے گلہ کیا۔ "ہوتی کہاں ہو۔ کبھی نظر ہی نہیں آتیں......"

"یہیں ہوتی ہوں۔" اس نے اک جھجک کے ساتھ کہا۔

"مانا ٹونی سے تمہاری دوستی بڑی پکی ہو گئی ہے۔ لیکن ہم بھی کبھی۔"

"تم لوگوں کو بس ٹونی سے حسد آتا ہے۔ کر لو نا تم بھی اس سے دوستی۔"

نازیہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔

"ناظمہ نے کندھے اچکائے۔ پھر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔" خدا نہ کرے جو ہم اس سے دوستی کریں۔"

"کیوں چڑیل ہے۔ ڈائن ہے وہ۔" نازیہ نے کہا۔

"تم مانو نہ مانو۔ لیکن وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔" آسیہ بولی "ہم تو تمہارے بھلے کی خاطر ہی کہتی ہیں۔"

"میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔ کیا بھلا ہے۔ کیا برا یہ بھی جانتی ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔"

ناظمہ نے منہ بنایا۔ آسیہ پھر بھی آگے بڑھی اور پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی "نازیہ ہم تمہاری دشمن تو نہیں ہیں۔ اتنے سالوں کا ساتھ ہے۔ ہم نے تو ٹونی کے متعلق جو کچھ سنا ہے۔ اسی سے ڈر کر تمہیں بھی کہتے ہیں۔ کہ اس کے ساتھ نہ گھوما پھرا کرو۔"

"شکریہ۔" نازیہ بھلا اس کے مشورے کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ طنزیہ انداز میں شکریہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

آسیہ اور ناظمہ نے ناک چڑھا کر بات سے یوں اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو "نہیں سنتی تو نہ سنو دفع ہو۔"

☆ ☆ ☆

بڑی سوچ و بچار کے بعد نازیہ نے ایک راہ نکالی - اس دن وہ ٹیرس پر امی کے پاس بیٹھی تھی- امی اپنے دوپٹے میں لیس ٹانک رہی تھیں - نازیہ کتابیں لئے بیٹھی تھی- دو تین کتابیں میز پر رکھی تھی - ایک گود میں کھلی پڑی تھی-

"امی-" اس نے کتاب بند کرکے کرسی میں سیدھی بیٹھتے ہوئے کہا-

"ہوں -" امی سوئی میں دھاگہ پروتے ہوئے بولیں -

"امی مجھے انگریزی کی بڑی پرابلم ہے-"

"کیوں-"

"بہت مشکل کورس ہے-"

"محنت کیا کرنا-"

"وہ تو کرتی ہوں - آج چھٹی ہے- لیکن آپ دیکھ رہی ہیں صبح سے بیٹھی پڑھ رہی ہوں -"

"پھر"

"ٹیوشن رکھ دیں نا مجھے بھی - سب لڑکیاں ٹیوشن لینے لگی ہیں -"

"اپنے اباجی سے کہو رکھدیں گے-"

"آپ کہہ دیں نا -"

"تمہیں ڈر لگتا ہے کہتے ہوئے -"

"اور نہیں تو کیا -"

"بے وقوف - تو اپنے اباجی کو نہیں سمجھتی - مجھ سے زیادہ تیری بات مانتے ہیں - پھر ٹیوشن ......- !! ضرور رکھدیں گے وہ تو خود چاہتے ہیں- تو کم از کم بی اے ضرور کرے-"

"اور مضمون تو خیر ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں - انگریزی مسئلہ بنی ہوئی ہے- خود پڑھنے سے کچھ سمجھ نہیں آتا- میری سب سیلیاں مسز ریاض سے پڑھتی ہیں-"

"تم بھی پڑھ لیا کرونا-"

"ہونہ - بہت آسان ہے نا یہ بات - اباجی تو ہزار میں میخ نکالیں گے سو سو وسوسے ظاہر کریں گے - یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا-"

امی کھلکھلا کر ہنس پڑی سوئی دوپٹے میں ٹانک کر ٹوکری میں دوپٹہ رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے نازیہ کی طرف دیکھا-

نیچے شمو سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آگئی "بی بی جی نیچے آئیے -"

"کیوں-" امی نے پوچھا - نازیہ بھی اس کی طرف دیکھنے لگی -

"ممانی جی آئی ہیں-"

"صغریٰ-"

"نہیں چھوٹی ممانی-"

"نسیمہ-"

"جی-"

"اوہ نسیمہ آنٹی-" امی سے پہلے ہی نازیہ کرسی سے اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی - نسیمہ آنٹی سے اس کی خوب بنتی تھی- اس پورے گھرانے میں وہی عورت تھی - جسے نئے زمانے کی ہوا لگی تھی - جو اپنے حق کے لئے آواز اٹھالیتی تھی - جو زمانے کے نشیب و فراز سے آگہی رکھتی تھی- جسے زندگی صحیح طور پر گزارنے کا ڈھنگ آتا تھا- جو نئے زمانے کے تقاضوں کا شعور رکھتی تھی- اپنی پینتیس سالہ خوش مزاج سی آنٹی نسیمہ سے نازیہ کی خوب بنتی تھی-

امی ٹوکری سنبھالتے ہوئے اٹھیں - شمو سے کہا- "چلو میں آتی ہوں-"

نازیہ نے کتابیں وہیں چھوڑیں- دوپٹہ کرسی کی پشت سے اٹھالیا کندھوں پر ڈالا اور لاؤنج سے ہوتی سیڑھیاں اتر گئی -

"ہیلو نازیہ-" نسیمہ نے اسے دیکھتے ہی خوش دلی سے کہا-

"السلام علیکم آنٹی" نازیہ تپاک سے آگے بڑھی اور آنٹی سے گلے ملی - سلام کا جواب دیتے ہوئے آنٹی نے اسے لپٹا لیا- پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے ڈالے قدرے پرے ہٹایا "کیسی ہو-"

"بالکل ٹھیک" نازیہ نے آنٹی کے گلے میں بازو ڈالے ڈالے کہا-

"جی نہیں چاہتا کبھی آنٹی کے پاس آنے کو-"

"ہائے کیوں نہیں آنٹی -"

"پھر آتی کیوں نہیں - کتنے ڈھیر سارے دن گزر گئے - تم آئیں نہ آپا بلکہ رشید حمید

بھی نہیں آئے۔"

"بیٹھئے۔" نازیہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "کالج سے فرصت ہی ملتی نہیں ایک چھٹی ہی ہوتی ہے۔"

"بہت پڑھنے لگی ہو۔" نسیمہ اس کے گال پر تھپکی دیتے ہوئے مسکرائی۔ ریحانہ بھی اب نیچے آگئی تھی۔ نسیمہ نے انہیں سلام کیا۔ جس کا جواب انہوں نے بڑے تپاک سے دیا۔

"بیٹھو نسیمہ۔ کیا حال چال ہے۔ بچے ٹھیک ہیں۔ ندیم کا خط آتا رہتا ہے۔ تائی! ساس اب کیسی ہیں۔"

امی نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ نسیمہ لاؤنج میں ہی ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ریحانہ کی باتوں کا جواب دینے لگی۔ دونوں نند بھاوج باتیں کرنے لگیں۔

"نازیہ" امی نے کہا۔

"جی" وہ بولی۔

"آنٹی کے لئے چائے بنواؤ شیر چائے پیو گی نسیمہ؟"

"پی لوں گی۔"

"نازیہ شیر چائے بناؤ۔"

"اچھا امی۔"

"بنالو گی نا۔"

"دیکھتی ہوں۔ مجھ سے ٹھیک رنگ نہیں نکلتا۔"

"اچھا میں خود ہی بناتی ہوں۔ تم آنٹی سے باتیں کرو۔"

"باتیں کروں۔ یا آپ لوگوں کی شکائتیں؟" نازیہ نے ہنس کر ماں کو چھیڑا۔
نسیمہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جو جی چاہے۔" امی کچن میں جاتے ہوئے بولیں "دل کا غبار نکال لے۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" نسیمہ نے دل چسپی سے کہا۔

"آنٹی وہی باتیں ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں۔"

"اب کیا مسئلہ درپیش ہے۔"

"آنٹی آپ ہی بتائیں۔" وہ دھم سے صوفے سے اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں بازو ڈال کر لہرائی۔

"ہوں۔"

"آنٹی آپ ایمانداری سے کہیں۔"

"کیا؟"

"کہ کیا مجھے کالج کی ایکٹیوٹیز میں بھی حصہ نہیں لینا چاہئے۔"

"ضرور لینا چاہئے۔"

"یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا۔ امی سے کہیں اباجی کو قائل کریں تو بات مانوں۔"

"وحید بھائی کچھ زیادہ ہی سختی برت رہے ہیں۔"

"تو اور کیا۔" وہ دونوں ٹانگیں صوفے پر چڑھا کر بیٹھ گئی۔ اپنے لمبے لمبے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے شکائتی انداز میں بولی۔ "آنٹی مجھے بڑی سبکی محسوس ہوتی ہے۔ جب میں کالج کی کسی پارٹی کسی فنکشن میں شرکت نہیں کرتی۔ سبھی لڑکیاں میرا مذاق اڑاتی ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔"

"کالج میں پارٹی ہو یا کوئی اور فنکشن۔ اباجی سے اجازت لیناجوئے شیر لانا ہے۔"

"لیکن وہ تمہیں پڑھانے کے تو بہت شوقین ہیں۔"

"اب انہیں کون سمجھائے کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اور ایکٹوٹیز بھی ہوتی ہیں۔"

"بالکل ہوتی ہیں یہی کالج لائف ہے۔ انجوئے کرنے کی۔"

نسیمہ اپنی کالج لائف یاد کرتے ہوئے بولی۔ "وہی دن پر بہار تھے۔ ہم نے تو کالج لائف جی بھر کے انجوئے کی۔ دیکھو نا شادی ہوگئی۔ گھر داری میں پھنس گئے۔ اب تو مصروفیت اور ذمہ داری اتنی ہے۔ کہ لائف انجوئے کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ میں تو کہتی ہوں ہر لڑکی کو خوب خوب انجوئے کرنی چاہئے یہ زندگی۔ کیا پتہ کل کو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے۔ کوئی اونچی آواز بھی نکالنے دے یا نا دے۔" اس نے اچھا خاصہ لیکچر دے ڈالا۔

امی چائے بنا کر لے آئیں۔ تو نازیہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "آنٹی کچھ ان لوگوں کے ذہن میں بھی ڈالئے نا اتنا پابند کر دیتے ہیں کہ ہلنے جلنے کی بھی مہلت نہیں ہوتی۔"

"ویسے ریحانہ آپا آپ لوگ بھی تو کچھ نرمی اختیار کریں۔ زمانہ کونسا جا رہا ہے۔"

"اب میں کیا کروں نسیمہ۔ اس کے اباجی سے مجھے تو سچی بات کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اسے کہا ہے۔ خود پوچھ لیا کرو۔ لیکن یہ مجھے ہی آگے کرتی ہے۔ خود کیوں نہیں ان سے کہتی۔ اتنا لاڈ اٹھاتے ہیں۔ بھلا مانیں گے نہیں اس کی بات۔"

"آپ ہی نے میرے ذہن میں ہوا کھڑا کر دیا ہوا ہے۔ اباجی سے پوچھنے کی جرات ہی

نہیں ہوتی۔" نازیہ نے تڑاخ سے جواب دیا۔ پھر نسیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "دیکھیں آنٹی اب میرا ایک اور مسئلہ ہے۔ مجھے انگریزی کی ٹیوشن چاہئے - تین چار مہینے امتحانوں میں رہ گئے ہیں - میرا یہ سبجیکٹ کافی کمزور ہے۔ سب لڑکیاں ٹیوشن رکھ رہی ہیں۔"

"اوہو۔" امی ایک دم سے بولیں "کون کہتا ہے۔ ٹیوشن نہ رکھو۔ آج ابا جی آئیں تو پوچھ لینا۔"

"نسیمہ نازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے زیرلب مسکرائی - وہ خاصی زرد ہو رہی تھی - نرمی سے بولی "کہاں جانا ہوگا ٹیوشن کے لئے۔"

"آنٹی ہماری انگلش کی مس ہیں - کالج کے قریب ہی رہتی ہیں۔ آٹھ دس لڑکیاں مل کر ان سے انگلش پڑھیں گی۔ ٹائم شام کو ہی دیں گی وہ۔"

"کتنے بجے سے کتنے بجے تک۔"

"آں -" نازیہ کچھ سوچا پھر بولی "پانچ سے سات تک۔"

"مسئلہ تو ہوگا ہی نازیہ جانے آنے کا۔" نسیمہ سوچتے ہوئے بولی -

"کوئی مسئلہ نہیں آنٹی - چھوڑ کے کوئی بھی آسکتا ہے۔ تانگے والے سے کہہ دوں تو آجایا کرے گا۔ پیسے ہی لے گا نا واپسی پر میں اپنی کلاس فیلو کے ساتھ آسکتی ہوں - اسے گاڑی لینے آیا کرے گی - راستے میں ہمارا گھر پڑتا ہے۔"

"پھر تو کوئی وجہ نہیں - کہ ٹیوشن نہ لو۔"

"ابھی ابا جی آجائیں - تو بات کیجئے گا نا۔ پلیز آنٹی۔ ٹیوشن کے بغیر میں فیل ہو جاؤں گی۔ کچھ نہیں آتا مجھے -"

نازیہ نے انگلش کو ایسا مسئلہ بنایا - کہ امی اور نسیمہ آنٹی قائل ہو گئیں -

آنٹی کو نازیہ نے دوپہر کھانے پر روک لیا - چھٹی تھی نا آج - ابا جی نے دوپہر کو گھر پہ ہی کھانا کھانا تھا۔ آنٹی کی بات ابا جی کبھی کبھی مان ہی لیا کرتے تھے۔ میٹرک میں پکنک پر جب پوری کلاس جا رہی تھی۔ تو نازیہ کو اجازت نہیں ملی تھی۔" نازیہ نسیمہ آنٹی کی منتیں کر کرکے ابا جی کے پاس اسے لائی تھی۔ نسیمہ آنٹی ہی نے مشکلوں سے اسے اجازت لے کر دی تھی۔ سیکنڈ ایئر میں بھی ایک دفعہ نسیمہ آنٹی ہی نے اسے کلاس کے ساتھ ٹیکسلا جانے کی اجازت لے کر دی تھی۔ نازیہ کی امیدیں اب بھی اسی سے وابستہ تھیں۔ ٹیوشن اور پارٹی کی اجازت اس کے توسط سے ملنے کی امید بندھ گئی تھی

دوپہر کھانے پر ابا جی بھی آگئے - نسیمہ سے علیک سلیک ہوئی - نازیہ نے ابا جی کے لئے اپنے ہاتھوں سے کباب بنائے - اور ان کی پسند کی سویٹ ڈش بھی تیار کی۔ ابا جی ان باتوں

سے خوش بھی تو بہت ہوئے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے آنٹی نسیمہ نے کبابوں کی تعریف کی -

"یہ بیٹی نے بنائے ہوں گے -" وحید صاحب نے پیار سے پاس بیٹھی نازیہ کو دیکھا۔

"جی ابا جی آپ کو پسند ہیں نا۔ چھٹی کے دن تو جی چاہتا ہے۔ آپ کے لئے سارے کھانے میں خود ہی بناؤں۔"

"جیتی رہو بیٹی جیتی رہو۔"

نازی کے تینوں بھائیوں نے نازیہ کا منہ چڑایا۔ خورشید تو ملازمت پر کراچی جا چکا تھا۔ تینوں بھائی کھانے کی میز پر موجود تھے۔ جب نازیہ کو ابا جی سے کچھ زیادہ ہی لفٹ ملتی - تو وہ اپنی ناراضگی کا اظہار منہ چڑا کر ہی کرتے تھے۔

نازیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "جل گئے ہونا۔"

"نہیں بیٹا ایسے نہیں کہتے تم ایک اکلوتی تو ان کی بہن ہو تم سے کیوں جلنے لگے وہ۔" ابا جی نے ملائمت سے کہا۔

"بڑی لاڈلی بنتی ہیں نا۔" رشید نے نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں لاڈلے تو آپ ہیں - اتنے بڑے ہوگئے ابھی تک چھوٹے ہونے کا فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔" نازیہ نے اس کی پلیٹ سے ایک تکہ اٹھا لیا - رشید نے شور مچا دیا۔ پلیٹ پرے ہٹا کر روٹھ بیٹھا۔

"نہ بیٹی - نہ ستایا کرو اسے۔" امی نے نازیہ سے کہا -

"آپ سے لاڈ میں خراب کر رہی ہیں۔" وہ اٹھلائی -

بھائی بہن کی نوک جھونک میں لطف لیتے ہوئے سب کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران ہی نسیمہ نے نازیہ کی ٹیوشن کی بات چھیڑ دی۔

"بھائی جی بی اے فائنل ہے اس کا۔ انگلش میں رہ گئی - تو خدانخواستہ سال ضائع ہو جائے گا۔"

"انگلش اتنی کمزور ہے تمہاری۔" وحید صاحب نے حیرت سے پوچھا......

"جی ابا جی۔" وہ ہولے سے بولی -

"کیا ہوگیا ہے۔ تمہیں اب تک تو تم نے ہمیشہ اچھے نمبر لئے۔"

"ابا جی بی اے کا کورس بہت مشکل ہے۔"

نسیمہ نے اس کا کیس کافی مضبوط بنیادوں پر پیش کیا۔ امی نے بھی اس کی طرف داری کی۔ نازیہ ابا جی کا فیصلہ دم روکے سننے کو تیار تھی۔

ابا جی نے آخری لقمہ توڑا اور آہستگی سے بولے۔ "رکھ لو ٹیوشن - میں کب منع کرتا

ہوں - گھر پہ آجایا کریں گی تمہاری مس -"

نازیہ بجھ گئی-

" بھئی فیس کی فکر نہ کرو- جتنے پیسے بھی کہیں گی دے دیں گے - ٹائم مقرر کر لو -"

نسیمہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نازیہ بولی " گھر آکر نہیں پڑھائیں گی - ان کے گھر سب لڑکیاں جایا کریں گی -"

وحید صاحب نے نفی میں سر ہلایا پھر میز سے اٹھتے ہوئے بولے -

" جتنے پیسے کہیں گی میں دے دوں گا گھر پہ آکر پڑھائیں -"

نسیمہ آنٹی بھی اٹھیں - نازیہ منہ بنائے وہیں بیٹھی رہی - نسیمہ نے اسے دیکھا اور ہولے سے مسکرا دی نازیہ اسے بہت عزیز تھی-

اس کی خاطر اس نے وحید صاحب کو قائل کرنے کا ارادہ کیا-

وہ ان کے پیچھے پیچھے لاؤنج میں آگئی- شمو برتن اٹھانے لگی - جمشید باہر نکل گیا - حمید اور رشید پچھلے لان میں چلے گئے -

نسیمہ نے پھر خود ہی ٹیوشن کی بات چھیڑی خوب دلائل دیئے-" سب لڑکیاں مل کر جایا کریں گی- ہرج تو کوئی نہیں -"

" میں کسی کے گھر جاکر پڑھنا پسند نہیں کرتا-" وحید صاحب سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے -

" توبہ ہے بھائی-" نسیمہ نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے کہا- " آپ تو حد ہی کرتے ہیں- اتنی اچھی نہیں ہوتی - بچی میں کونفیڈنس ہی نہیں آئے گا اس طرح سے جوان لڑکی ہے- ناسمجھ بھی نہیں - پھر جانا کہاں ہے- اپنی پروفیسر کے ہاں ! اور لڑکیاں بھی ہوں گی- بھائی جی - آپ اس لحاظ سے زیادتی کرتے ہیں-اسے سہیلیوں کے گھر نہیں جانے دیتے - سیروتفریح کے اجازت نہیں - سینما نہیں جاسکتی- درزی کو کپڑے دینے ہوں - کوئی چیز خریدنی ہو تو منتیں کرتی پھرتی ہے- اس کی ہم عمر لڑکیاں دندناتی پھرتی ہیں -"

" یہی بات تو مجھے پسند نہیں-"

" میں کب کہتی ہوں وہ بھی جدھر منہ اٹھائے جاتی پھرے لیکن کسی حد تک آزادی اسے بھی ملنی چاہئے - اب بیچاری کے کالج میں ڈنر ہے- سب لڑکیاں آرہی ہیں - وہ آپ سے ڈرتے ہوئے پوچھ ہی نہیں رہی کم از کم کالج کی ایکٹویٹیز میں تو اسے حصہ لینے دیا کریں-

وحید صاحب کچھ نہیں بولے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگے - ریحانہ نے بھی بہت ہمت کر کے دیا- " بہت دل چاہ رہا ہے- اس کا اس ڈنر میں جانے کو لیکن ان سے

ڈرتے پوچھ ہی نہیں رہی-"

" وحید بھائی - ڈنر میں اسے ضرور شریک ہونے دیں- کالج میں ہے نا سب لڑکیوں کے گھروں سے اجازت مل گئی ہے- اسے نہ ملی تو لڑکیوں کے سامنے وہ سبکی محسوس کرے گی- اس سبکی سے منفی رجحانات بھی پیدا ہو سکتے ہیں - اپ کبھی سوچا بھی کیجئے خدا نے آپ کو سعادتمند بیٹی دی ہے- آپ کی مرضی پر چلتی ہے- پوچھنے تک کی جرات نہیں کرتی- آپ کو تو خود خیال رکھنا چاہئے- ماشاء اللہ جوان بھائی ہیں وہ خود چھوڑ کے آسکتے ہیں - واپس لا سکتے ہیں- ہرج ہی کیا ہے-"

نسیمہ نے بہت کچھ کہا- وحید صاحب سنتے رہے- باتیں معقول تھیں - کیا تکرار کرتے-

" بیٹی پرایا دھن ہے- بھائی صاحب - اللہ جانے کل کو کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے- یہی دن تو ہوتے ہیں ماں باپ کے گھر میں من چاہی کرنے کے یہاں بھی سختی کے پہرے اور آگے بھی وہی - کیا دیکھا اس بیچاری نے ......"

" بھئی نسیمہ - میں اس کے بھلے ہی کی سوچتا ہوں - زمانہ بہت نازک ہے- خراب ہوا چل نکلی ہے- اسے سرد گرم سے بچانا چاہتا ہوں - شادی کے بعد جو جی چاہے- کرتی پھرے-"

" اور جو شادی کے بعد آپ سے بھی کٹر خیالات کے لوگوں سے پالا پڑ گیا تو-" نسیمہ نے ہنس کر کہا-

وحید صاحب نے بے قراری سے پہلو بدلا- نظریے منٹوں میں تو بدلے نہیں جاتے - لیکن ان پر پے درپے ضربیں لگتی رہیں تو ان میں لچک ضرور پیدا ہوجاتی ہے- نسیمہ نے وحید صاحب سے خوب بحث کی - اپنے تجربے کے حوالے سے سمجھایا - ذہن کی نفسیاتی گرہوں پر لیکچر دیا- انا کی تسکین اور اس کے مجروح ہونے کے منفی اثرات سے آگاہ کیا- نازیہ تو اوپر کمرے میں تھی نسیمہ اس کی وکالت بڑے پر زور طریق سے کر رہی تھی-اس وکالت میں ریحانہ پوری پوری مدد کر رہی تھی-

وحید صاحب اپنی مرضی کے خلاف ٹیوشن مسز ریاض کے گھر جاکر پڑھانے پر آمادگی ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئے -

اور ڈنر جو کہ وائس پرنسپل کے تبادلے پر دیا جارہا تھا- اس میں شرکت کی اجازت دیدی-

☆ ☆ ☆

نیم تاریک ہال میں اک ہنگامہ بپا تھا۔ ڈسکو میوزک پر ڈانس ہو رہا تھا۔ میوزک کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ نیلی پیلی لال گلابی بتیاں مختلف زاویوں سے روشنی کی پھواریں چھینکتے جل بجھ رہی تھیں ۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں میوزک کے سنگ تھرک رہے۔ تھے۔ان کے وجود جیسے سیال گوشت کے بن گئے تھے۔موسیقی کی دھمک کے ساتھ ساتھ پھڑک رہے۔ تھے۔ہا ہو اور چیخوں کا طوفان تھا۔ یہ شور شرابا بھی اتنا مترنم تھا۔ کہ بسیار قسم کی موسیقی کا اک حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔ جوانی سیلاب کی صورت امڈی ہوئی تھی۔

ماحول اور فضا ایسی تھی۔کہ جوانوں پر تو جوانی تھی ہی۔ ادھیڑ عمر کی عورتوں اور مردوں پر بھی جیسے جوانی دھاوا بول رہی تھی ۔ تھرکتے پھڑکتے شوریدہ سر شبابی جسموں کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنے وجود کی گھسیٹ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر ہنس بھی رہے تھے۔ لیکن عہد رفتہ کو ماضی سے چھین کر حال میں لے آنے کی شعوری جدو جہد بھی کر رہے تھے۔

دیواروں کے ساتھ ساتھ لگے صوفوں پر کچھ لوگ بیٹھے اس ہاؤ ہو اور رنگ و بو کے طوفان کو پسندیدگی کی نگاہ سے تک رہے تھے۔ جب ان کے جسموں میں بھی خون جوان ہو کر ہلکورے لینے لگتا ۔ تو وہ زور سے حلق سے آواز نکالتے چیخوں کا انداز اختیار کرتے اور بے اختیارانہ میوزک کے سنگ سنگ تالیاں پیٹنے لگتے ۔ تالیوں کی تھپ تھپ اور چٹاخ پٹاخ سے تھرکتے جسموں کا جوش و خروش اور بڑھ جاتا۔ یوں لگتا جیسے ناچنے والے اپنی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دیں گے ۔

نازیہ کے لئے یہ تجربہ بالکل ہی انوکھا اور نیا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ بڑے صوفے پر بیٹھی حیرت زدہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی

اس کے ہم عمر لڑکے لڑکیاں ڈسکو ڈانس کر رہے تھے۔اس کی امی اور اباجی کی عمر کی عورتیں اور مرد بھی کس قدر زندہ دل خوش باش اور زندگی سے بھرپور لطف اٹھانے کا فن جانتے تھے۔جوانوں کے ساتھ جوان بنے ناچ رہے تھے۔ جو نہیں ناچ رہے۔ تھے۔وہ داد دے دے کر انجوائے کر رہے۔ تھے۔ طربیہ آوازیں نکال رہے تھے۔تالیاں بجا رہے تھے۔

نازیہ کے قریب ہی دائیں ہاتھ دو بیگمات قیمتی جھلملاتی ساڑھیوں میں ملبوس بیٹھی تھیں۔ ایک تو ادائے دل ربائی سے سگریٹ کے کش لے لے کر دھوئیں کے مرغولے چھوڑ رہی تھی دوسری ٹانگ پر ٹانگ رکھے میوزک کے سنگ سنگ پاؤں ہلاتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی ۔ دونوں ناچنے والوں پر تبصرہ بھی کر رہی تھیں۔ انگریزی میں اردو ملا ملا کر باتیں کرنے کا انداز نازیہ کو بہت پسند آ رہا تھا۔

اس کے بائیں جانب کوئی صاحب بیٹھے سگار کے کش لیتے ہوئے نوخیز اور نو عمر لڑکیوں کی حرکات پر بے باک سا تبصرہ کر رہے تھے۔

ان کے قریب بیٹھی سیاہ تاروں بھری شیفون کی ساڑھی والی مرمریں جسم کی زیادہ سے زیادہ نمائش کرنے میں مصروف تھی ۔ اس کے ساتھ اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔جو غالباً اس کے جسم ساڑھی اور ڈائمنڈ کی تعریف کر رہے تھے۔

یہ ماحول کتنا مدہوش کن تھا۔ نازیہ کو تو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کسی تصوراتی دنیا میں آ گئی ہے۔

کچھ مرد اور عورتیں ساتھ والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ٹونی نے اسے بتایا تھا۔ کہ یہ بار ہے۔ اس کمرے میں سرخیوں کے غبار پھیلے تھے۔ یہاں بھی روشنی دھندلائی ہوئی تھی فرش پر سرخ قالین تھا۔ پردے اور صوفے بھی سرخی مائل ہی تھے۔یہاں جام کھنک رہے۔ تھے۔ اور شراب کے خم لنڈھائے جا رہے۔ تھے۔یہ لوگ ڈسکو ڈانس سے بھی کہیں زیادہ لطف لے رہے۔ تھے۔جوان لڑکے اور لڑکیاں بھی وہاں تھیں ۔ پی پی کر بہک رہے تھے۔اور بہک بہک کر پی رہے تھے۔یہ سب کچھ نازیہ کو بہت بہت اور بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔

ڈانس زوروں پر تھا۔ وہ مبہوت سی بیٹھی تھرکتے پھڑکتے جذباتی جسموں کو تک رہی تھی ۔ اس کے اندر بھی جوانی کسلمندی سے انگڑائیاں لے رہی تھی ۔ اس کا بھی جی چاہ رہا تھا۔ کہ مدہوش اور بے خود ہو کر ناچنے والوں کے اس ٹولے میں جا ملے اور مانی کی بانہوں میں سیال سی شے بن کر ناچتے ناچتے بہہ جائے ۔

مانی بڑا ماہر ڈانسر تھا۔ بڑی خوبصورتی اور والہانہ پن سے ناچ رہا تھا۔ ٹونی اس کی پارٹنر تھی ۔ پنکی کے ساتھ بھی وہ کولہے سے کولہا ٹکراتا رہا تھا۔ عنبرینہ سے بھی کندھے ٹکرائے تھے۔ یوں لگتا تھا۔ ہر لڑکی اس کے مقابل ناچنے کے لئے مری جا رہی ہے۔ تھرکتی پھڑکتی لڑکیاں کھلے بالوں کو جھٹکوں سے آگے لاتیں پیچھے گراتیں اس کے قریب آ رہی تھیں ۔ نازیہ کو لڑکیوں کا اس کے گرد اتنی والہانہ سپردگی سے گھیرا ڈالنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

لیکن چپ بیٹھی تھی تکے جا رہی تھی۔ اپنا آپ قصور وار لگ رہا تھا۔ مانی نے تو سب

سے پہلے ہاتھ بڑھا کر ناچنے کی آفر دی تھی۔ "کم آن نازی" لیکن اسے ڈسکو ڈانس کا کیا پتہ تھا۔ سٹپس کیسے لئے جاتے تھے۔ ردھم پر کیسے پھڑکا جاتا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ اسی لئے نادم نادم انداز میں معذرت کر دی تھی۔

"تم اٹھو تو سہی۔" مانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

"نہیں مانی۔ مجھے نہیں آتا۔" وہ ہولے سے بولی تھی۔ اور ساتھ بیٹھی بیگم نے سگریٹ کا دھواں منہ گول سا بنا کر چھوڑتے ہوئے جذبہ ترحم سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ "ہائے سویٹ۔ کتنی سادگی سے کہہ رہی ہے۔ مجھے نہیں آتا......"

"ویری بیڈ۔" دوسری بیگم نے ساڑھی کا پلو کندھے پر ڈالنے کے حیلے میں اور گراتے ہوئے کہا۔ "اتنی ینگ لڑکی اور ڈسکو ڈانس نہیں آتا۔ تت تت۔"

نازیہ پانی پانی ہوگئی۔ اسے یوں لگا تھا۔ جیسے ڈانس نہ آنا بہت بڑی خرابی ہے۔ دقیانوسی پن ہے۔ بالکل ہی اجڈ اور گنوار ہونے کی علامت ہے۔ اس نے تہیہ کر لیا۔ کہ وہ ڈانس ضرور سیکھ لے گی۔ وہ اس صوفے سے اٹھ کر دوسرے صوفے پر آگئی تھی۔ اور ڈانس کرنے والوں کی ایک ایک حرکت کا بنظرِ غائر مطالعہ کر رہی تھی۔

"ہیلو۔" ایک بھاری بھاری مونچھوں والے طویل قامت لڑکے نے اسے متوجہ کیا۔

"جی۔" نازیہ نے حیرانگی سے ادھر دیکھا۔ وہ خاصہ سمارٹ اور ہینڈسم لڑکا تھا۔

"آپ نہیں اٹھیں۔"

"کس لئے۔"

"سب ناچ رہے ہیں۔" اس نے جوش میں آ آکر سر دھڑا دھڑ ٹانگیں اٹھا اٹھا کر مارنے والوں کی طرف اشارہ کیا۔

"جی۔" وہ صرف اسی قدر کہہ سکی۔

"آیئے نا۔"

"نہیں۔"

"کیوں۔"

"مجھے نہیں آتا ڈانس۔"

"تو کیا ہوا محفل میں شریک تو ہو جائیں میں آپ کو سٹیپس سکھا دیتا ہوں۔ تو پرابلم.... ویری ایزی آیئے۔"

"اٹھیے۔" وہ ہاتھ سے اسے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"جی نہیں۔ شکریہ۔"

"آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" وہ تو جیسے نازیہ سے چمٹ ہی گیا تھا۔ نازیہ چند لمحے ہچکچائی۔ پھر سوچا یہ بداخلاقی تصور ہوگی۔ جاہلیت کا لیبل لگ جائے گا۔ بولی "نازیہ۔"

"خوبصورت لوگوں کے خوبصورت نام مجھے رشی کہتے ہیں۔"

"رشی۔" نازیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ مسکرایا "ہندوانہ نام نہیں ہے۔ میرا نام رشید ہے۔ لیکن یہ نام شاید میرے ممی ڈیڈی کو بھی نہیں پتہ۔ رشی نک نیک ہے۔"

نازیہ نے پہلو بدلا۔ رشی سے نظریں ہٹا کر وہ پھر مانی کو دیکھنے لگی۔

"اوہ رشی۔ کہاں بھاگ گئے۔ تھک گئے ہو کیا۔ چلو آؤ"

ایک نیم برہنہ سی لڑکی نے اپنے ریشمی مائل بالوں کو جھٹکے سے ماتھے۔ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ شاید تیز ڈانس کرتی آئی تھی۔ سانس کچھ کچھ پھولا تھا۔

"میں ان سے درخواست کر رہا تھا۔" اس نے لڑکی کے کھینچنے پر نازیہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کون ہے۔" لڑکی نے انگریزی میں پوچھا۔

"مس نازیہ۔"

"تمہارا تعارف کیسے ہوا۔"

"یہاں یہ اکیلی بیٹھی تھیں۔ میں نے سوچا انہیں ڈانس کی آفر دوں۔"

"چلو۔" لڑکی نے بڑے ناگوار انداز میں رشی کو دیکھا۔ نازیہ مسکرا دی۔ رشی نے اک روٹھی نگاہ اس پر ڈالی اور لڑکی کے ساتھ چلا گیا۔

نازیہ کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگا۔

پھر جب میوزک وحشیانہ رنگ اختیار کر گیا۔ اور ناچنے والے سدھ بدھ بھولنے لگے تو مانی نازیہ کی طرف لپک آیا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور زبردستی گھسیٹتے ہوئے ہجوم وحشیانہ میں لے گیا۔ نازیہ کا دل سینے میں اچھل رہا تھا۔ مانی نے ناچتے ہوئے دو ایک بار اس کے کندھے سے کندھا ٹکرایا اور کولہے سے کولہا مارا تو وہ گھبرا گئی حلقہ توڑ کر وہ باہر نکل آئی۔

مانی اس کے پیچھے لپکا "یہ کیا حماقت ہے۔" وہ غصے سے بولا۔

"میں نہیں ناچوں گی مانی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تم تو جاؤ نا میری وجہ سے کیوں موڈ خراب کر رہے ہو۔"

"موڈ کہاں خراب کر رہا ہوں۔ آؤ ہم تم باہر چلتے ہیں۔"

"باہر کہاں؟"

"باہر لان میں۔ چاہو تو ڈرائیو پہ چلتے ہیں۔"

"نہیں مانی۔"

مانی نے زبردستی اسے پکڑا اور کھینچتے ہوئے باہر لے آیا۔ دونوں سائیڈ والے لان میں آگئے ۔ موسم قدرے خنک تھا۔ لیکن مانی ناچ ناچ کر جسم اور خون کی حدت بڑھا چکا تھا۔ اس لئے خوشگوار سا لگا لان میں آنا۔ وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے ٹہلنے لگے

"میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر بولا۔

"کہ میں پارٹی میں آگئی۔" وہ مسکرائی ۔

"ہاں۔"

"جو نہ آتی تو۔"

"تو میں تمہیں لینے تمہارے گھر پہنچ جاتا۔"

"لوئی کبھی ایسا کر نہ بیٹھنا۔"

"تم نے جس دن زیادہ تڑپایا کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہائے نہیں مانی ۔ میں بھلا چاہتی ہوں کہ تم سے نہ ملوں ۔ میرا تو جی چاہتا ہے۔ ایک لمحہ کو بھی ہمارا ساتھ نہ چھوٹے۔"

"اب مان گیا ہوں تمہیں ۔"

ڈنر کے بہانے آئی ہوں ۔ کالج میں ڈنر نہ ہوتا ۔ تو پھر میرا آنا کہاں ممکن تھا۔"

"اوہ میری جان نازی۔" مانی نے بے اختیارانہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

نازیہ کے لئے کسی جوان مرد سے سینے میں سمو جانے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جو واقعی ہیجان خیز تھا۔ اس کے جسم میں برقی لہریں دوڑ گئیں اس کا دل تھم سا گیا۔

اور وہ لمحہ بھر کو گردوپیش سے بے خبر ہو گئی ۔

دونوں کچھ دیر لان میں رہے۔ کبھی ٹہلنے لگتے ۔ کبھی مرمریں بینچ پر بیٹھ جاتے کبھی باتیں کرنے لگتے ۔ کبھی چپ چاپ جزبات کی مہکتی سرگوشیاں سننے لگتے مانی تو گھاگ کھلاڑی تھا۔ ہاں نازیہ پر سرور و کیف کے نئے نئے راز کھل رہے تھے۔ عجیب عجیب حقیقتیں منکشف ہو رہی تھیں۔ اسے سب کچھ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ چاہتی تھی ۔ لمحوں کے دل رک جائیں ۔ وقت رکنے کا پابند ہو جائے اور وہ یونہی مانی کی مہکتی قربت میں سرشار بیٹھی رہے۔

"جان۔" مانی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسکی طرف دیکھا۔ وہ اس

خطاب سے شرما گئی۔

مانی نے اس کی تھوڑی کو انگلی کا سہارا دے کر اونچا کیا۔

"نازی۔"

"ہوں۔"

"کل کس بہانے آؤ گی۔"

وہ ادائے ناز سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نے بندوبست کر لیا ہے۔"

"کل ملنے کا۔"

"سچ۔"

مانی نے اس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر اسے پھر قریب کر لیا۔

"کیسے۔"

"ٹیوشن کے بہانے۔" وہ ہنس پڑی۔ مانی نے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر اسے لپٹا لیا۔ "نازیہ میں خوشی سے پاگل نہ ہو جاؤں کہیں۔" نازیہ فخر سے مسکرا دی ۔

کچھ لوگ لور بھی لوھر آگئے تھے۔ اس لئے مانی لور نازیہ الگ ہوگئے ۔

دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے روشنی سے قدرے دور ہو گئے ۔

نازیہ نے ٹیوشن کے متعلق اسے بتایا۔ جس طرح آنٹی نے اجازت دلائی تھی۔ اور اس نے جو جو پاپڑ بیلے تھے۔ مانی سن سن کر ہنستا رہا ۔ اور بڑے جذباتی انداز سے اس کا ہاتھ دباتا رہا۔

"روزانہ پانچ بجے آیا کروں گی۔"

"میں وہیں سے تمہیں پک کر لیا کروں گا۔"

"نہیں مانی۔ اور کوئی جگہ تجویز کرو ۔ کالج چھوڑنے مجھے بھائی آیا کرے گا۔

"ٹھیک ہے۔ جہاں کہو میں سراپا انتظار رہا کروں گا۔ میری جان تم نہیں جانتیں۔ تم نے کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے جی چاہتا ہے۔ تمہیں تمہیں ۔ تمہیں۔"

وہ شوخی سے مسکراتا ہوا اس پر جھکا۔ لیکن وہ ہنستے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ "کچھ ہوش کرو مانی لوگ ہیں۔"

"ہوتے رہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے ۔ سمجھیں ۔ یہ بھی اپٹی کیٹس ہیں ۔ یہاں کے۔"

"وہ مسکرا دی۔"

دس بجنے میں کچھ منٹ تھے۔ جب ٹونی نے اسے گاڑی میں بٹھایا۔ اور کالج لے گئی۔

لڑکیوں کو ڈنر کے بعد گھروں سے لوگوں نے لینے دس بجے آنا تھا۔ نازیہ بھی جمشید کو کہہ آئی تھی۔ کہ ٹھیک دس بجے جوہ کالج کے گیٹ پر کھڑی ہو گی۔ وہ گاڑی لے کر آجائے۔ یقیناً وہ آنے والا تھا۔

ٹونی اسے ڈراپ کرکے چلی گئی۔ اور وہ بھائی کے انتظار میں گیٹ پر کھڑی ہوگئی۔ لڑکیاں ایک ایک دو دو کر کے باہر آرہی تھیں۔

☆☆☆

"نازیہ۔"

"ہوں۔"

"روزانہ سڑکوں پر آوارہ گردی کر کرکے میں تنگ آگیا ہوں۔"

"تو۔"

"میں نے ہوٹل میں ایک کمرہ بک کرایا ہے۔"

"کس لئے۔"

"وہاں ہم تم دونوں آرام سے بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں۔ پیار کر سکتے ہیں۔ جی بھر کے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔"

"ہائے نہیں ملنی۔"

"کیوں۔"

"میں کیسے جا سکتی ہوں وہاں۔"

"جیسے یہاں آسکتی ہو۔"

"یہ تو اور بات ہے۔ دھڑکا تو مجھے لگا ہی رہتا ہے۔ کہ کوئی دیکھ نہ لے پھر بھی ہم اکثر ویران سڑکوں پر ہی گاڑی دوڑاتے ہیں نا۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں۔ روز روز ڈرائیونگ کچھ جدت ہونی چاہئے۔"

وہ مسکرا دی۔

"ڈرائیونگ میں دھڑکا تو رہتا ہی ہے۔ واقعی اگر تمہیں۔ کوئی دیکھ لے تو۔"

"برقعہ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ تم برقعہ اوڑھے ہوتی ہو۔ اور یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی......"

"سارا وقت تھوڑا ہی اوڑھتی ہوں۔ صرف وہیں۔ جہاں زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اب میرا جی ڈرائیونگ سے بھر گیا ہے۔ اور تمہارا برقعہ میں لپٹے رہنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ برقعے میں بھی تو تم پہچانی جا سکتی ہو نقاب ہر وقت تو گرایا نہیں

ح ہو تا۔"

"اسی لئے تو ڈرتی ہوں۔"

"پھر میں نے ٹھیک ہی کیا ہے نا۔"

"کیا۔"

"ہوٹل کا کمرہ بک کروالیا ہے۔ فائیو سٹار ہوٹل کا شاندار کمرہ مائے ڈیئر۔"

"ہائے میں۔"

"میں روٹھ جاؤں گا۔"

"ہائے نہیں۔"

"ہر بات ہائے نہیں۔"

"کیا کروں پھر۔"

"میری بات چپ چاپ مان لیا کرو۔ تمہارے بھلے کی بات کرتا ہوں۔ تم میری ہو ہمیشہ کے لئے میری۔ پھر بات ماننے میں ہرج ؟"

"مانی کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ کہ تم جادوگر تو نہیں ہو۔"

وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ نازیہ بھی ہنس دی۔

کئی دنوں سے وہ اس کو روزانہ مل رہی تھی۔ پانچ بجے کبھی خورشید اور کبھی ڈرائیور اسے کالج چھوڑ جاتا واپسی پر ٹونی گھر ڈراپ کر دیتی یوں ملاقات روز ہی ہوتی مانی اسے لے کر شہر سے باہر نکل جاتا پہلے پہلے نازیہ ڈرتی تھی۔

"کوئی پہچان نہ لے۔" اس نے ٹونی سے کہا تھا ٹونی نے ہی اس کا یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ اس کی ممی اس کے لئے ایک ریڈی میڈ برقعہ لے آئی تھی۔ یہ برقعہ مانی کی گاڑی میں پڑا رہتا گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ برقعہ اوڑھ لیتی گاڑی جب تک آباد راستوں سے گزرتی وہ برقعہ اوڑھے رہتی وہ ممی کی شکر گزار تھی۔ جنہوں نے برقعہ لا دیا تھا۔ اور اسے مسلسل دھڑکے سے نجات دلائی تھی۔

"کیوں نازیہ جواب دو نا۔ میرا پروپوزل درست نہیں کیا۔"

"ہائے مجھے کیا پتہ۔"

چلیں آج۔"

"ہوٹل"

"ہاں۔"

"گھر کیوں نہیں چلتے۔" نازیہ نے چند لمحوں بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"نازیہ۔" مانی اس کی بات پر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا "میرے گھر؟"

"ہاں آپ اکیلے ہی تو ہوتے ہیں۔ گھر میں۔"

"اور وہ جو تین چار نوکر ہیں۔"

"ہوں۔"

"ویسے مجھے ان کا کوئی ڈر نہیں۔ میرے ممی ڈیڈی نے مجھے پوری پوری آزادی دے رکھی ہے۔ کہ میں جس لڑکی کو چاہوں۔ اپنی شریک حیات بنالوں ابھی کل ہی ان کا خط آیا ہے۔"

"کیا۔"

"میں نے تمہارے متعلق انہیں لکھا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے ہیں۔ انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ میں انگیجمنٹ کر لوں۔"

نازیہ جو اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ گردن موڑ کر اسے تکتے ہوئے بولی۔

"انگیجمنٹ ؟"

"ہاں تو اور۔ کیا ساری زندگی ہم یوں ہی ملتے رہیں۔ گے ڈر ڈر کر۔ چھپ چھپ کر۔ تمہیں اپنانا تو ہے ہی۔"

"لیکن۔" وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"کیا۔"

"انگیجمنٹ کا تو سوال تب پیدا ہوگا۔ جب تمہارے ممی ڈیڈی میرے والدین سے رشتہ مانگیں گے۔"

"لوہ ڈارلنگ میرے ممی ڈیڈی فرسودہ خیالات کے نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے۔ کہ میں اپنی پسندیدہ لڑکی کو منگنی کی رنگ پہنا دوں۔ جب وہ آئیں گے شادی کر دیں گے۔"

"وہ کب آئیں گے۔"

"جلد ہی۔ بس دو ایک ماہ تک آجائیں گے۔" پھر شادی کر کے ہم دونوں کیلیفورنیا چلے جائیں گے میری جان۔"

"کیلیفورنیا۔"

"ہاں وہیں۔ ڈیڈی اپنا کاروبار منتقل کر رہے ہیں نا۔"

دونوں باتیں کرتے رہے۔ گاڑی سڑکوں کی لمبائیاں ماپتی رہی۔ اس دن واپسی پر گلبرگ تھری سے گزرتے ہوئے مانی نے اپنی کوٹھی باہر سے نازیہ کو دکھائی۔

"ہائے کتنی خوبصورت ہے۔" نازیہ بیساختہ بولی۔

"اندر سے اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ دراصل میری ممی کو گھر ڈیکوریٹ کرنے کا بہت شوق ہے۔ ہر کمرہ انہوں نے خود سجایا ہے۔ کلر کو نیٹیشن تو غضب کی ہے۔ نوادرات اتنے اکٹھے کئے ہیں۔ کہ بس۔"

"اندر سے دکھاؤ نا کسی دن۔" نازیہ شوق و تجسس سے بولی۔

"اندر سے تو شادی کے بعد ہی دیکھو گی۔" وہ چند لمحوں بعد بولا۔ اور گاڑی چلا دی۔

"کیوں۔"

"بھئی یہ نوکر لوگ ہیں نا۔ بہت بے اعتبارے ہوتے ہیں۔ ایک جوان لڑکی کو میرے ساتھ دیکھ کر رنگ رنگ کے قصے گھڑ کر پھیلا دیں گے سب طرف۔"

"ہوں۔"

"اس لئے تو میں نے ہوٹل میں کمرہ لے لیا ہے۔ وہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوگا"۔

وہ چپ ہو گئی۔

"کل ہوٹل ہی میں ملیں گے۔"

"میں کیسے جاؤں گی وہاں۔"

وہ اس کی سادگی پر مسکرایا پھر بولا۔ "خادم کس لئے ہے۔ میں لے جاؤں گا جانِ من۔"

"ہٹو جی۔" وہ شرما گئی۔

ہوٹل میں ملنے کا وعدہ لے کر وہ اسے ٹونی کے گھر ڈراپ کرنے آیا۔ ٹونی کہیں گئی ہوئی تھی۔ اس کی ممی نے دونوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

"تم ٹونی کے کمرے میں بیٹھو آنے ہی والی ہے۔" ممی نے اس سے کہا۔

"دیر نہ ہو جائے ممی سات بجنے ہی والے ہیں۔" نازیہ نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"ابھی تک اس لڑکی میں کونفیڈنس پیدا نہیں ہوا۔" ممی نے پیار سے اس کے گال کو چھو کر مانی کی طرف دیکھا۔

"ہو جائے گا آنٹی۔ ہو جائے گا" مانی نے کہا۔

نازیہ اسے خدا حافظ کہہ کر ٹونی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ممی اور مانی تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔

"کیسا جا رہا ہے رومانس۔" ممی نے بڑی ابلیسانہ چمک آنکھوں میں لاتے ہوئے مانی سے پوچھا۔

"ایک دم فرسٹ کلاس۔" مانی نے انگوٹھے اور انگلی کو جوڑ کر گولہ سا بناتے ہوئے ہنس کر کہا۔ وہ بھی ہنس پڑی۔

"لڑکی بہت سادہ ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں یہ سادگی ہی تو لے ڈوبی ہے۔ ہمیں۔" وہ ہنسا۔

"بہت بدمعاش ہو۔" ممی نے مانی کے گال پر چٹکی کاٹتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"آپ کی صحبت کا اثر ہے۔" اس بھی شرارت سے کہا۔

دونوں نے ایک اونچا قہقہہ لگایا۔

چند لمحے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد ممی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹونی فرمائش کر رہی تھی۔"

"ایک کیا سو فرمائشیں کرے ٹونی۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکا۔

"ایک ڈائمنڈ کی رنگ دیکھ آئی تھی۔ جیولر کے پاس۔" اس نے ہولے سے کہا۔

"بندہ حاضر ہے جناب۔" مانی مسکرایا۔

ممی نے ہنس کر کہا۔ "جیتے رہو۔"

"کل ٹونی سے کہیں۔ میں ساتھ جا کر لے دوں گا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک۔" ممی نے جلدی سے کہا۔ مانی کی بات سے وہ پھولی نہ سما رہی تھی۔

"مانی چلو اندر چائے وغیرہ ہو جائے۔" ممی نے خوشی اندر ہی اندر پیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ آنٹی اب میں چلوں گا۔" اس نے معذرت کی۔

"اچھا۔"

"خدا حافظ۔"

"بائے۔"

وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ ممی نے ہاتھ ہلایا اور وہ جواباً ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا۔

ٹونی کوئی سات بجکر پچیس منٹ پر گھر آئی۔ نازیہ اس کے انتظار میں تھی۔ دیر ہونے پر بے طرح گھبرا رہی تھی۔ کمرے میں آتے ہی ٹونی نے کہا "سوری دیر ہو گئی تمہیں۔ پریشانی ہو رہی ہو گی۔"

"تو اور کیا۔ میرا تو دم ہوا ہوا جا رہا ہے۔ جانتی ہو میرے گھر والوں کو منٹوں کی دیر بھی گوارہ نہیں۔"

" اٹھو چلیں - پہلے تمہیں چھوڑ آؤں بھئی تمہارے گھر والوں سے تو میں بھی ڈرنے لگی ہوں۔"

نازیہ مسکرا دی - ٹونی گلے سے سکارف اتارتے ہوئے بولی۔ " ویسے تمہاری امی بڑی سویٹ ہیں۔"

" برے اباجی بھی نہیں۔" وہ ہنسی۔ " ان سے بھی کبھی ملو - تو دیکھنا کتنا پیار کرتے ہیں۔ کتنی شفقت اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ بس ایک ہی برائی ہے۔"

ٹونی نے ہنس کر کہا۔ " اس کا تدارک ہم نے ڈھونڈ ہی لیا ہے۔ یار یہ ٹیوشن والی بات تم نے خوب گھڑی۔"

" سب کچھ مانی کے لیئے کر رہی ہوں۔ حالانکہ کبھی کبھی میرا ضمیر مجھے بڑی ملامت کرتا ہے۔"

" اور - اس سالے ضمیر کو دفن کر دو - تب ہی زندگی کی دلفریبیوں اور رنگینیوں کو انجوئے کر سکو گی۔"

نازیہ نے سرہلایا۔

دونوں کمرے سے نکل آئیں - کوریڈور سے ٹونی نے ماں کو آواز دی - " ممی میں جارہی ہوں۔ نازیہ کو چھوڑنے۔"

" اچھا۔" ممی نے وہیں سے کہا۔

ٹونی نازیہ کو ساتھ لے کر گاڑی کی طرف آگئی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے نازیہ سے کہا۔

" آج بھی تمہاری امی سے ملنا پڑے گا۔ دیر کی وجہ بتانے کے لئے ۔"

" نہیں میں خود ہی کہہ دوں گی۔"

" بہانے بنانے میں خوب تیز ہوگئی ہو۔"

" تم نے بنا دیا ہے۔ کیا سے کیا مجھے ۔"

" میں نے یا اس چیت چور نے ۔"

نازیہ مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں مانی کی شبیہہ اتر آئی۔ اپنے پیار پر وہ نازاں تھی۔

گاڑی کھلی سڑک پر آگئی - تو نازیہ نے ٹونی سے مشورہ لینے کو پوچھا - "مانی نے ہوٹل میں کمرہ بک کروالیا ہے۔ ٹونی مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ پر وہ اصرار کر رہا ہے۔ کہ اب ہم وہاں ملا کریں مجھے کیا کرنا چاہیئے ۔"

ٹونی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا - پھر نگاہیں اس پر گاڑ دیں - ہولے سے مسکرائی

اور بولی۔ " تم اس پر فدا وہ تم پر فدا میں کون مشورہ دینے والی۔ جو جی چاہے کرو۔"

" نہیں ٹونی بتاؤ۔"

ٹونی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔" کل ممی سے پوچھ لینا۔"

" یہ ٹھیک کہا تم نے۔" نازیہ مطمئن ہو گئی -

ویسے مانی کی پیش کش کے متعلق نازیہ رات بھر سوچتی رہی۔ کبھی لگتا ٹھیک ہے۔ کوئی ہرج نہیں۔

اور کبھی غیر محسوس سا خوف ذہن پر مسلط ہو جاتا۔

☆ ☆ ☆

ریحانہ وحید صاحب سے باتیں کر رہی تھی- وہ بستر میں لیٹے تھے - ریحانہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھی تھی- سرہانے لیمپ جل رہا تھا- اور وحید صاحب نے کتاب جو وہ پڑھ رہے- تھے - بند کر کے میز پر رکھدی تھی -

" ہوں --"اب وہ پوری طرح متوجہ تھے -

" سلمٰی آپا آنا چاہتی ہیں-" ریحانہ نے کہا-

" تو آئیں بھئی- دروازہ کھلا ہوتا ہے- بیٹی والوں کا جس کا جی چاہے آئے -"

" وہ ڈرتی ہیں-"

" کس بات سے-"

" آپ انکار نہ کر دیں-"

" تو گویا وہ پہلے اقرار چاہتی ہیں-"

" شاید-"

" تو پھر یوں کرو- پہلے لڑکے کے متعلق پتہ کرلو-"

" گھر والی ہی بات ہے-"

" گھر والی بات نہیں ریحانہ- میں تو تمہاری سلمٰی آپا کو بھی نہیں جانتا- دور کا رشتہ ہے- ملنا ملانا بھی کوئی خاص نہیں-یہی نا کبھی خوشی غمی کے موقعہ پر علیک سلیک ہوگئی -"

" ٹھیک کہتے ہیں- آپ سلمٰی آپا میری کزن کی نند ہیں- کشور کی کشور ہی ان کی تعریفیں کرتی ہے-"

" لڑکا دوبئی میں ہوتا ہے- خوب پیسہ کما رہا ہے- "

" تعلیم کیا ہے- پتہ نہیں- بی اے ہوگا شاید- لوگ بہت اچھے ہیں- "

" ریحانہ تعلیم بہت ضروری ہے- میں اپنی بیٹی کو بھی تعلیم اسی لئے دلا رہا ہوں- کہ مجھے تعلیم یافتہ لوگ پسند ہیں- صرف دولت نہیں چاہئے- "

" میں پتہ کرلوں گی-"

" کشور سے سب کچھ پوچھ لینا- ویسے سلمٰی آپا خوشی سے آئیں ضروری تو نہیں- رشتے کی بات بن جائے -"

" ہاں رشتے کی بات تو مقدروں سے بنتی ہے- جہاں بچی کا نصیب ہوگا بات طے ہوجائے گی "

" بی اے تو کرے نازی- شادی کا بھی سوچ لیں گے -"

" رشتے ناطے طے ہوتے بھی وقت لگتا ہے- اب لوگ پوچھ رہے ہیں- تو ہمیں بھی سنجیدہ ہونا چاہئے دو تین ماہ تو رہ گئے ہیں- امتحانوں میں کہیں- بات چل جائے تو اچھا ہے- فارغ ہوتے ہی شادی کر دیں- "

" خدا نے چاہا وہ ہوجائے گا - ویسے میرے ایک دوست سیٹھ الیاس ہیں-وہ بھی اگلے دن پوچھ رہے- تھے - نازیہ کے متعلق-"

" سیٹھ الیاس-"

" ہاں -جن کی سفید کوٹھی ہے- شادمان میں- بہت امیر کبیر آدمی ہیں-"

" ان کا لڑکا کیا کرتا ہے- "

" باپ کے ساتھ بزنس- "

" اچھا ہے- "

" دیکھنے میں تو اچھا ہے- "

" اس کی تعلیم -"

" بس واجبی شاید الف اے بھی نہیں کیا ہوا - اسی لئے تو میں نے ان کی بات کو اہمیت نہیں- دی تھی-"

ریحانہ چپ ہوگئی-

" پھر بولی- ایک رشتہ اور بھی ہے- "

" وہ کون سا-"

" وہ بھی دور پار کے عزیز ہیں میرے - سلمان کی شادی پر ان لوگوں نے نازیہ کو دیکھا تھا-"

" پیغام بھجوایا ہے کوئی- "

" پیغام تو نہیں کہہ سکتی - فائزہ سے انہوں نے نازیہ اور ہمارے متعلق بڑی تفصیل سے پوچھا ہے-"

" ہوں- ان کا لڑکا کیا کرتا ہے- "

" بنک میں ملازم ہے۔"

" کس عہدے پر۔"

" پتہ نہیں۔"

وحید صاحب ہنس پڑے - پھر بولے۔ " رشتوں کے متعلق بہت سنجیدہ ہو رہی ہو۔ ریحانہ لیکن اتہ پتہ کسی کا ہے۔ ہی نہیں ۔"

" اتہ پتہ لے لیں گے۔ میں تو آپ کو بتا رہی تھی - کہ اب نازیہ کے متعلق آپ سنجیدہ ہوجائیں ۔"

" میں سنجیدہ ہوں بھئی۔ اچھا رشتہ مل گیا تو انشاء اللہ اس کے ہاتھ پیلے کر دیں گے۔ ایک ہی تو بیٹی ہے۔ اپنی سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرنا ہوگا۔"

" خدا کرے میری بچی کا رشتہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ عمر بھر راج کرے ۔"

" آمین ۔"

" پھر آپا سلمٰی کو کیا کہلواؤں "

" بھئی میں کیا کہوں۔ لڑکے کے متعلق جب تک پوری طرح معلوم نہ ہو گا۔ ہاں یا نہ کا سوال ہی نہیں ویسے آپا کو آنے دو بات کرنے میں کوئی ہرج بھی نہیں۔"

" مجھے تو ان کی عادت بہت پسند ہے۔ بڑی سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔"

" بیٹا بھی ویسا ہی ہو گا ؟"

" کیا خبر۔"

دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نازیہ کے لئے رشتہ آ رہے۔ تھے - اس لئے ریحانہ سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ لڑکیوں پر رشتے آنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ یہ وقت گزر جائے تو مسائل ہی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔اپنی تینوں نندوں کے رشتوں کا اسے تلخ تجربہ تھا۔ تینوں کی شادیاں عمر ڈھلے بڑی مشکلوں سے ہو پائی تھیں۔ اس دیری کی بڑی وجہ یہی تھی کہ جب ان پر رشتے آتے تھے - تو توجہ نہیں دی جاتی تھی ۔ "کر لیں گے۔" اس کی ساس نخوت سے کہتی تھی۔اور پھر خوب سے خوب تر کی تلاش بھی تھی - اس لئے وقت گزر گیا۔ جوانی ڈھلنے لگی۔ اور اچھے تو کیا برے رشتے بھی نہ ملے۔ ریحانہ ہی نے تگ و دو کی تھی۔ کسی کو رنڈوے کے پلے باندھا تھا۔ کسی کو بچوں والے سے بیاہا تھا۔

وہ یہ تجربہ اپنی ایک اکلوتی بیٹی پر نہ کرنا چاہتی تھیں۔ اسی لئے رشتوں کے معاملہ میں ابھی سے سنجیدہ تھی - اور انہوں نے پکا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ کہ بی اے کے امتحان کے بعد

نازیہ کی شادی کر دیں گی -

وحید بھی آمادہ و تیار تھے۔ لیکن اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے ڈھنگ کا رشتہ چاہتے تھے - ان کا عقیدہ تھا کہ دولت مقدر میں ہو تو مل جاتی ہے۔ تعلیم بہت ضروری ہے۔ لڑکا تعلیم یافتہ ہو یہ ان کی پہلی شرط تھی۔

ریحانہ کو سلمٰی آپا بہت پسند تھیں۔ان کا گھربار بھی اچھا تھا۔ بھرا پرا کنبہ تھا۔ جس بیٹے کے لئے وہ خواہش مند تھیں۔ وہ دوبئی میں تھا۔ اور خوب کما رہا تھا۔

" ٹھیک ہے۔" وحید صاحب نے پہلو بدل کر کہا۔ "کشور سے سلمٰی آپا کے لڑکے کے متعلق پوری معلومات حاصل کرلو پھر دیکھیں گے۔"

" اچھا۔" ریحانہ اٹھتے ہوئے بولی " کسی دن جاؤں گی کشور کے ہاں۔"

کشور کے ہاں وہ اگلے دن ہی چلیں گئیں۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں۔ نے سلمٰی کے بیٹے کے متعلق پوچھا۔

" وحید صاحب چاہتے ہیں۔ کہ لڑکے کے متعلق معلومات حاصل کرلیں۔"

" لڑکا اچھا ہے۔ کوئی عیب نہیں۔ یہاں تو سگریٹ تک نہیں پیتا تھا۔

اب بھی میرے خیال میں عادت نہیں اپنائی تعلیم ایف اے تک ہے۔ لیکن اس سے کیافرق پڑتا ہے۔ آپا شرافت ہے۔ اور لڑکا کماؤ ہے۔ اب تواس نے الگ زمین خریدی ہے۔ کوٹھی بنوارہا ہے۔ ذاتی سوسائٹی میں ۔"

کشور سلمٰی کے بیٹے ناصر کی تعریفیں کرنے لگی - ریحانہ سنتی رہیں۔ بات کچھ کچھ دل کو لگ رہی تھی - اس لئے بولیں۔ " بہتر ہوگا سلمٰی آپا وحید صاحب سے خود مل لیں پیغام لے کر آہی جائیں - باقی رشتہ ہونا نہ ہونا تو مقدر کی بات ہے۔ "

" ٹھیک ہے۔سلمٰی آپا بھی یہی بات کہتی ہیں۔ کہ رشتہ مانگوں گی - وہ دیں نہ دیں ان کی مرضی۔"

" بس پھر تو ٹھیک ہے۔ آجائیں کسی دن۔"

" میں ان سے کہدوں گی ....جو دن انہوں۔ نے بتایا آپ کو مطلع کر دوں گی۔"

ریحانہ سراثبات میں ہلایا

اگلے ہفتے کشور کا پیغام آگیا۔وہ اپنی بڑی بیٹی سلمٰی آپا کے ساتھ پیغام لے کر آرہی تھیں۔ اتوار کو شام چار بجے کا وقت دیا تھا۔

ریحانہ خوشی خوشی تیاریوں میں لگ گئیں -

" کیا بات ہے امی کوئی آرہا ہے۔" نازیہ نے کالج سے آتے ہی پوچھا - کچن میں چائے

کے کافی لوازمات پڑے تھے۔ اور گھربار کی صفائی بھی خوب ہوئی تھی۔

"ہاں۔" امی نے مسکراتے ہوئے کہا "سلمٰی آپا آرہی ہیں۔"

"سلمٰی آپا۔"

"اپنی کشور کی نند ہیں نا۔"

"اچھا وہ موٹی عورت جو چشمہ بھی لگاتی ہیں۔"

ریحانہ ہنس کر بولی "ایسے نہیں کہتے بیٹی۔ سلمٰی آنٹی کہہ سکتی ہو۔"

"لیکن آپ اتنا اہتمام کیوں کر رہی ہیں۔"

"ہے کوئی بات۔"

امی نے جس انداز میں کہا نازیہ کا ماتھا ٹھنکا چند لمحے ماں کو گھورتی رہی۔ پھر بولی "کیا مطلب؟"

امی حسب عادت مسکراتے ہوئے بولیں۔ "تمہارے لئے آرہی ہیں۔"

"کیوں۔" اسنے بے اختیارانہ پوچھا۔

"بھولی بیٹی۔ رشتہ لے کر آرہی ہیں اپنے بیٹے کا۔" ماں نے اس کے گال پر ہولے سے چٹکی کاٹی۔ وہ بہت خوش تھیں۔

نازیہ بت بنی انہیں۔ دیکھتی رہ گئی۔

"آج ٹیوشن کے لئے نہیں جانا۔" امی نے کچن میں جاتے جاتے کہا۔

نازیہ پر جیسے کسی ٹوٹی چٹان کا تودہ آن گرا۔ کچھ سمجھ نہ پائی کہ کیا کرے ایک دم پلٹی۔ اور سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی۔ اسے تو کچھ سوجھ بوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ دن میں جیسے تارے نظر آنے لگے تھے۔ اس پہلو کو تو وہ یکسر فراموش کر چکی تھی۔ کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ کہ ماں باپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کو کوئی قدم اٹھالیں گے تو اسکے بہکے قدموں کا کیا بنے گا۔ وہ بستر میں اوندھی گر گئی۔ اور سوچوں کے کھولتے سمندر میں ڈوبنے لگی۔

☆☆☆

وہ گاڑی میں بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ مانی نے بے تابی سے پوچھا۔ "کل کیوں نہیں آئیں۔"

"بیٹھنے تو دو بتاتی ہوں۔" سیٹ پر سے کالے برقعے کا اوپر والا حصہ اٹھا کر اوڑھتے ہوئے نازیہ بولی۔

ہاتھ بڑھا کر مانی نے دروازہ بند کیا۔ دریں اثناء ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نازیہ نے برقعے کا نقاب گرالیا۔

"ہوں۔" مانی نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"مانی پہلے یہاں سے چلو کسی نے دیکھ لیا تو۔"

"دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ تمہارے وسوسوں سے میں تنگ آگیا ہوں۔"

"الجھتے کیوں ہو۔"

"بتاتی کیوں نہیں۔ کل کیوں نہیں۔ آئیں۔ کچھ اندازہ تو کیا ہوتا۔ کہ یوں غائب ہوجانے سے مجھ پر کیا بیتے گی ٹوٹی ہی کو بتا دیتیں۔"

وہ گاڑی نکال لے گیا اب چھوٹی سڑک سے بڑی سڑک پر جارہا تھا۔

یہاں آنے جانے والے گو کم تھے لیکن نازیہ احتیاطاً نقاب اوڑھے بیٹھی تھی۔

"ہٹاؤ بھی اب یہ پردہ۔" مانی نے الٹے ہاتھ سے اس کا نقاب کھینچا۔

وہ جلدی سے اسے درست کرتے ہوئے بولی۔ "یہاں لوگ ہیں۔ بڑی سڑک پر پہنچ گے تو ہٹاؤں گی۔"

گاڑی اب بڑی سڑک پر آگئی۔ یہاں راہگیر نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہاں کبھی کبھی گاڑی رکشہ یا ٹیکسی قریب سے گزر جاتی یا پیچھے سے راستہ دینے کے لئے ہارن بجاتی گزر جاتی تھی۔

نازیہ نے برقعہ اتار دیا۔

"ہوں۔ کل کیوں نہیں آئیں۔ جی چاہتا ہے۔ تمہیں اس کوتاہی کی کڑی سزا دوں۔"

وہ خاموش رہی۔

مانی نے اس کی طرف دیکھا۔ "میں ساری عمر اتنا بور نہیں ہوا جتنا کل ہوا۔ وقت گزرتا ہی نہیں تھا۔ تم تو بنا اطلاع نہ آئیں۔"

"اطلاع کیسے دیتی۔"

"کیوں۔"

"آنے کو تیار ہو رہی تھی کہ امی نے آنے سے منع کر دیا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بہت بڑی بات ہو گئی مانی۔"

"کیا؟"

"کل کچھ لوگ میرا رشتہ لے کر آئے تھے۔"

"اوہ۔"

مانی نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ نازیہ اس کے قریب کھسک کر بولی۔ "گھبراؤ نہیں۔ مانی اباجی کو وہ رشتہ پسند نہیں آیا۔ اس لڑکے کی تعلیم صرف ایف اے تک ہے۔ اس لئے اباجی نے صاف انکار کر دیا۔ جان بچ گئی۔"

"اوہ" مانی نے ایک طویل سانس چھوڑا۔

"لیکن ۔"

"کیا۔"

"مانی ایک بات کہوں۔"

"ہاں ہاں۔"

"تم کسی کو ہمارے ہاں بھیجو نا۔"

"کیا مطلب ؟"

"ہائے ہائے تمہیں۔ تو ہر بات تفصیل سے سمجھانا پڑتی ہے۔ بھئی مانی اس دفعہ تو جان بچ گئی کہ اباجی کو صرف ایف اے ہونا پسند نہ آیا۔"

"پھر۔"

"کل کو ان کے معیار کا کوئی رشتہ آگیا تو۔"

"تو۔ تو کیا تم عام لڑکیوں کی طرح والدین کی مرضی کے سامنے سر جھکا دو گی ؟"

وہ چپ رہی ۔

"بولو بولو نا۔"

"مانی اس سچوایشن سے پہلے ہی تمہیں چاہئے کہ میرے ماں باپ سے مجھے مانگ لو۔"

وہ چند لمحے تذبذب میں رہا پھر بولا۔ "تمہیں بتا چکا ہوں۔ کہ میرے ممی ڈیڈی یہاں نہیں ہیں۔"

"لیکن ممی ڈیڈی نے تمہیں رشتہ طے کرنے کی تو اجازت دے دی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔"

"پھر کسی کو بھیج دو نا ہمارے ہاں۔"

"کسے بھیجوں۔"

"واہ یہ کیا بات ہوئی ۔ تمہارے عزیز رشتہ دار تو یہاں ہونگے ہی۔"

"کیا۔"

"بھئی کوئی چچی ممانی خالہ پھوپھی۔ کوئی تو ہوگا۔"

مانی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ کوئی بھی نہیں۔ ایک چچا چچی ہیں۔"

"انہیں ہی بھیج دو۔" وہ جلدی سے بولی ۔

"ان سے ہماری بول چال بند ہے۔"

"کیوں۔"

"وہ چاہتے تھے۔ اپنی بیٹی کا رشتہ مجھ سے طے کریں۔ میں نے انکار کر دیا بس مرنا جینا ختم ان سے۔"

"پھر پھر کیا ہوگا مانی۔"

"گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیسے ٹھیک ہو جائے گا میں نے کہا نا اباجی کے معیار پر جونہی کوئی رشتہ پورا اترا۔ وہ بات پکی کر دیں گے۔ جانتے بھی ہو ۔ میرے گھر والے کس قسم کے ہیں۔ وہ میرا انکار بھلا سن سکیں گے یہ سننے سے پہلے مجھے قتل نہ کر دیں گے۔"

"ہوں۔"

"کوئی ترکیب سوچو نا۔"

"سوچوں گا۔ مہلت تو دو۔" اس نے بازو نازیہ کی کمر کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "تمہیں دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے چھین نہیں سکتی۔"

نازیہ نے سر اس کے کندھے سے لگا دیا۔ آنکھیں بند کر کے وہ اک حسین دنیا میں کھو

گئی- کل اسے بی سلمیٰ کے آنے سے جو گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی تھی- وہ رات اباجی کی چھپ کر باتیں سننے سے دور ہوگئی تھی - اباجی نے امی سے صاف کہہ دیا تھا- " میری بیٹی بی اے میں ہے- ایف اے پاس لڑکے سے رشتہ نہیں کروں گا- تمہیں یہ بات پہلے مجھے بتادینا چاہئے تھی- سلمیٰ آپا کو آنے کی زحمت ہی نہ ہوتی -"

اباجی کا فیصلہ- آخری فیصلہ تھا- امی بھی چپ ہوگئی تھی - اور نازیہ کی ساری پریشانی دور ہوگئی تھی -

لیکن وہ مانی سے اصرار کر رہی تھی - کہ رشتہ لینے کی کوئی ترکیب سوچے-

" ہوں- پھر کیا سوچا ہے-" اس نے مانی کے کندھے سے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا-

" فی الحال تو یہی سوچا ہے- کہ ہوٹل چلیں-"

" نہیں بھئی-" وہ ایک دم پرے ہٹ گئی -

" کیوں-" مانی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا -

وہ مسکرائی پھر بولی- " پہلے ٹونی کی ممی سے پوچھ لوں-"

" وہ کیوں-" وہ بولا-

" بس - ٹونی نے کہا تھا-" وہ سادگی سے بولی -

" کیا کہا تھا-"

" یہی کہ ممی سے پوچھ لو-"

" یعنی میرے ساتھ ہوٹل میں جانا چاہئے یا نہیں- ؟ یہی پوچھنا ہے- ممی سے-"

اس نے معصومیت سے سر ہلا دیا-

" کیوں - اس کی ضرورت کیوں پیش آئی-"

" بس- کسی بڑے سے مشورہ کرلینا برا تو نہیں وتا-" وہ اٹھلائی مانی اس کی سادگی پر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرایا-

وہ تھوڑی دیر سڑک کے کنارے غیر آباد سی جگہ پر رکے رہے-

پھر مانی نے گھڑی دیکھی- " واپس چلنا چاہئے-"

" ابھی وقت ہے-" وہ بولی-

" تمہیں ٹونی کی ممی سے مشورہ بھی تو کرنا ہے-"

" او ہاں-" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی -

" چلتے ہیں-"

" چلو-"

مانی نے گاڑی موڑی - وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا گاڑی چلاتا رہا-

" مانی-" نازیہ نے خاموشی سے الجھ کر کہا-

" ہوں-"

" چپ کیوں ہوگئے ہو-"

" تم نے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے-"

" کیا-"

" یہی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے -"

" ہمارے گھر آنے کے متعلق ؟ رشتہ لے کر ؟

" ہوں-"

نازیہ چپ ہوگئی - سر جھکا کر سوچنے لگی- پھر ایک دم بولی-

" ٹونی کی ممی سے کہونا.....وہ .....وہ-"

" بخشو مجھے-" مانی نے ہاتھ ماتھے- تک لے جاتے ہوئے کہا- " ان سے مشورے تم ہی کر سکتی ہو- میں خود کوئی راہ نکالوں گا-"

" لیکن جلدی-"

" ہاں-"

وہ اسے ٹونی کے ہاں لے آیا- دونوں ٹونی کی ممی کے پاس آگئے- ٹونی کہیں گئی ہوئی تھی- دوسرے کمرے میں کچھ لڑکے لڑکیاں ناچ گا رہے تھے- وہ ممی کے پاس ہی بیٹھے -

" آنٹی-" ادھر ادھر کی باتوں کے بعد مانی نے شوخ نظروں سے نازیہ کو دیکھ کر کہا-

" ہوں-"

" میں اب جاؤں اب-"

" کیوں بیٹھو-"

" نہیں- آنٹی - میں جاتا ہوں- یہ نازیہ جو ہے نا- آپ سے مشورہ کرنے آئی ہے-"

ممی نے قدرے گھبرا کر دونوں کو دیکھا- پھر مسکرانے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی " خیریت ؟"

" اسی سے پوچھیں-"

وہ اٹھ کھڑا ہوا- ممی نے اٹھ کر نازیہ کے قریب صوفے پر آبیٹھی مانی بائے کر کے چلا گیا-

"کیا بات ہے۔؟ ممی نے بڑے جہاندیدہ انداز میں پوچھا۔

"وہ آنٹی۔ میں نے ٹونی کو بتایا تھا۔"

"کوئی گڑ بڑ کر بیٹھی ہو؟۔"

نازیہ کچھ بھی نہیں۔ آنٹی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی۔ "آنٹی ٹونی نے ہوٹل میں کمرہ بک کروایا ہے۔ کہتا ہے اب سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کی بجائے میں اور وہ اس کمرے میں ملا کریں۔"

"تو۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔"

"جی۔"

"سویٹی۔ میں حیران ہوں۔ تم نے اتنی عمر کس کونے کھدرے میں گزاری ہے۔"

نازیہ نے شرمندگی کے احساس سے سر جھکا لیا۔

آنٹی نے سرگوشی کے انداز میں بڑی شاطرانہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی وہ جوان آدمی ہے۔ہوٹل میں ملنے کی آفر تو دے گا ہی۔"

کچھ نہ سمجھتے ہوئے نازیہ نے پوچھا۔ "تو میں وہاں جایا کروں۔"

"ضرور۔ وہ تمہارا دیوانہ ہے تم بھی اسے چاہتی ہو۔ پھر ملنا سڑکوں پر ہو یا ہوٹل کے کمرے میں کیا فرق پڑتا ہے۔"

نازیہ کچھ نہیں بولی۔ صرف ہراساں سی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ پیار سے اس کی پشت تھپکتے ہوئے مسکرائی۔ لیکن ایک احتیاط ضروری ہے۔"

"جی؟؟"

ممی نے سرگوشی کے انداز میں جو کچھ اسے سمجھایا۔ وہ سر تاپا کانپ گئی اس کے اندر خون کا ابال کبھی جوش مارنے لگتا اور کبھی رگوں میں اتنی آہستگی سے سرکنے لگتا کہ اسے جم جانے کا احساس ہوتا۔

لیکن

جو کچھ بھی تھا۔ بات سحر انگیز اور طرب خیز تھی۔ وجود میں سنسنی پھیلا دینے والی تھی۔

آنٹی اٹھی۔ اور اپنی الماری کھول کر گولیوں کا ایک کاغذی پتہ نکال لائیں کھانے کا طریق سمجھایا۔ اور پھر اس کے کندھے کو دباتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ ویسے تمہاری مرضی ہاں یہ گولیاں چھپا کر رکھنا کسی کو پتہ نہ

چلے۔ خاص کر تمہارے گھر میں ہوں۔ سمجھیں شاباش بس ان کا استعمال ضروری ہے۔ پھر کوئی خطرہ نہیں۔ ڈوب کر محبت کرو ٹوٹ کر پیار کرو کوئی ڈر نہیں۔ کوئی خطرہ نہیں۔ ٹھیک ہوں۔؟"

وہ گولیوں کا پتہ ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی آنٹی بڑی ملائمت اور بڑے رومانوی انداز میں اسکے جذبات ابھارتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"نازیہ نے ایک طائرانہ سی نگاہ کمرے پر ڈالی۔ دروازے سے اندر آتے ہی دائیں ہاتھ باتھ روم تھا۔ بائیں ہاتھ دیوار گیر وارڈ روب چوکور سے کمرے کی سامنے والی دیوار شیشے کی تھی۔ جس کے آگے آف وائٹ پردے تنے تھے۔ ایک طرف ڈبل بیڈ تھا۔ ساتھ ہی سائیڈ ٹیبل پر لیمپ تھا۔ ایک کونے میں ٹی وی رکھا تھا۔ دوسرے میں چھوٹا سا فرج دو بڑی بڑی مخملیں صوفہ نما کرسیاں تھیں۔ اور شیشے کی ٹیبل پر خوبصورت پھولوں کا گلدستہ سجا تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ میز مع کرسی کے پڑا تھا۔ اور دیوار پر خوبصورت سی پینٹنگ لگی تھی۔ بیڈ کے ایک طرف سائیڈ ٹیبل پر فون رکھا تھا

"یہ ہوٹل کا وہ کمرہ تھا۔ جو مانی نے بہر ملاقات بک کروایا تھا۔ آج وہ نازیہ کو باہر لے جانے کی بجائے یہاں لے آیا تھا۔

"نازیہ دھڑکتے دل کو بمشکل قابو کئے دبے دبے قدموں سے آگے بڑھی اور کمرے کے عین درمیان کھڑی ہوگئی۔ کسی ہوٹل میں آنے کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ لفٹ کے ذریعے وہ چوتھی منزل پر مانی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہر تجربہ نیا انوکھا لیکن دلفریب تھا راہداری سے گزرتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ کسی جادوئی محل کی راہداری سے گزر رہی ہے۔ ہر طرف سرخی مائل ٹھنڈا ٹھنڈا غبار پھیلا ہوا تھا۔

"مانی۔ اندر آتے ہوئے وہ دروازہ لاک کیا۔ اور دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے خوشی سے اونچی آواز میں بولا "نازیہ ڈئیر کیسا۔"

وہ ہچکچائی۔

لیکن

مانی نے بیساختہ انداز میں اسے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگالیا وہ کسمسائی اور اس کی مضبوط گرفت سے نکلنے کی کوشش میں سرخ ہوتے ہوئے بولی۔ "ہائے چھوڑو نا۔

"لو چھوڑ دیا۔" مانی لے زور سے گھما کر چکر دے ڈالا ۔ وہ ہنسنے لگی گو سہمی سہمی تھی۔

مانی نے شوخ نظروں سے اسے گھور کر دیکھا "خوفزدہ ہو۔"

"اس نے بے اختیارانہ نفی میں سرہلا دیا۔

"او میری زندگی" مانی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر یوں کہا جیسے نشے سے بہک رہا ہو۔

"بیٹھو۔" اس نے نازیہ کو مخملیں صوفے پر بٹھا دیا۔

وہ بیٹھ گئی۔

مانی اس کے قدموں کے پاس قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا "نازیہ۔"

"ہوں۔"

"یہاں مزہ ہے نا۔ نہ کوئی دیکھنے والا۔ نہ کسی کا دھڑکا جتنا چاہیں پیار کریں جتنی چاہیں باتیں کریں ہوں۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ اسے تو جانے کیا ہو رہا تھا۔ کبھی خوف کی ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں بدن میں اٹھنے لگتیں اور کبھی نشاط آمیز چنگاریاں وجود میں چٹخنے لگتیں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں مندی جارہی تھیں۔

مانی نے اس کے گھٹنوں کے گرد بازو حلقے کی صورت ڈالتے ہوئے اپنا سر اس کے زانوں پر رکھ دیا۔

"میں بہت خوش ہوں نازیہ آج میں بہت خوش ہوں۔"

"اس لئے کہ مجھے یہاں لے آئے۔" نازیہ نے اس کے خوبصورت بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے جذبات سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ ممی ڈیڈی نے اجازت دے دی ہے۔ کہ میں شادی کر لوں۔"

نازیہ چند لمحے چپ رہی پھر آہستگی سے بولی۔" یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو"۔

"آج اور خط آیا ہے شاید وہ اگلے ماہ آرہے ہیں۔ آتے ہی مجھے امریکہ بھیج دیں گے۔ اس لئے انہوں نے کہا ہے کہ شادی کر کے بیوی کا پاسپورٹ وغیرہ بنوالوں۔"

نازیہ کچھ نہیں بولی۔ ویسے ہی بیٹھے بیٹھے مانی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "خوش نہیں اس بات سے۔"

اس نے نفی میں سرہلا دیا۔

"کیوں۔"

"کتنی بار رونا روؤں اپنے گھر والوں کا۔ تم تو سمجھتے ہی نہیں ہو۔

شادی اپنے آپ تو نہیں ہو جائے گی نا۔"

" ہو جائے گی۔"

" کیسے ۔"

" ایسے کہ ایسے کہ"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا نازیہ بھی مسکرانے لگا۔

" گولی مارو شادی کو۔" مانی نے اٹھتے ہوئے کہا

وہ ہنس پڑی۔

" بولو کیا پیو گی جائے ؟ کافی۔ یا" وہ شوخی سے ہنسا۔

" یا۔ کیا۔" وہ بھی مسکرائی۔

" یا شراب۔" وہ لپکا۔

" ہائے میں مرگئی" نازیہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

مانی ہنس پڑا" بزدل ہو شراب کے نام سے یوں دہل گئیں۔"

" مانی ایسی فضول باتیں نہ کرو"

" یہی تو کام کی باتیں ہیں۔"

" تم ۔ تم شراب پیتے ہو۔"

اس کی ہراسانی دیکھتے ہوئے مانی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ " نہیں میں شراب نہیں پیتا۔"

" ویسے میں پیوں گا ضرور" وہ کرسی کے ہتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس پر جھکا۔

" فضول باتیں مت کرو۔" نازیہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلا۔

" پیونگا اور ضرور پیوں گا۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

نازیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

" اے پگلی تم تو بزات خود شراب کی بھری بوتل ہو۔ اسے پینے سے تو مجھے منع نہیں کر سکتیں نا۔" اس نے سر جھکا کر نازیہ کے ہونٹوں کو ہونٹوں سے چھونا چاہا۔

لیکن ۔

گھبرا کر۔ سٹپٹا کر نازیہ نے سر ایک طرف کر کے وار بچایا ۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلا وہ بے طرح گھبرا گئی۔

وہ پرے ہٹ گیا۔

نازیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

" کیوں ۔"

" تم تم ایسی حرکتیں کرو گے۔ تو میں چلی جاؤں گی۔"

وہ ہنس پڑا۔ نازیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر گراتے ہوئے وہ بھی قریب لیٹ گیا۔ نازیہ بوکھلا گئی۔ مانی کو پرے دھکیلا ۔ وہ اٹھ بیٹھا۔

نازیہ کسی ایسے فعل کے لئے تیار نہ تھی۔ جو جرم و گناہ کی لپیٹ میں آتا ہو۔ گھبرا کر وہ اٹھی ۔

" مانی ۔ " اس نے رندھی آواز میں کہا۔ " مجھے باہر لے چلو۔"

مانی بڑا گھاگ شکاری تھا۔ نازیہ کی پریشانی بھانپ گیا۔ اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے بولا ۔ " تم ضرورت سے زیادہ بھولی ہو بیٹھو۔"

وہ کھڑی رہی۔ مانی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ خود اسی انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا " نازیہ ۔"

"ہوں۔ " وہ ڈری ہوئی تھی۔

"کب تک تڑپاؤ گی۔ " وہ مجنوناں انداز میں بولا۔

" مانی ۔"

" ہاں۔"

" شادی سے پہلے ۔ ایسی حرکتیں "

" اوہ نازیہ مجھے معلوم ہوتا کہ تم اتنی قدامت پسند ہو تو۔"

" تو تو کیا کرتے ۔"

"تم سے دل نہ لگاتا۔"

" دل لگانا اپنے بس میں ہوتا ہے کیا۔"

" ایک بات بتاؤ ۔"

" ہوں۔"

" تمہیں مجھ سے پیار ہے۔"

" شاید یہ پوچھنے کی بات نہیں ۔"

" میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتا ہوں۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم میری روح میری زندگی ہو ۔ میں شادی تم ہی سے کروں گا پھر پھر تمہیں اپنا آپ میرے حوالے کرتے ہوئے کیا جھجک ہے "

وہ چپ رہی۔

"بولو نا کیا تمہاری محبت خام ہے اس میں سچائی نہیں گہرائی نہیں۔

"یہ سب کچھ ہے۔"

"پھر۔"

"پھر مانی۔ شادی سے پہلے۔" اس نے مایوسانہ نفی میں سر ہلایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"گناہ۔"

"وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور نازیہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

نازیہ نے سر جھکا لیا۔ آہستگی سے بولی۔ "ہم گناہگار نہیں ہوں گے۔"

"تو پھر"

"وہ رک رک کر بولی "شادی تک۔ انتظار کرنا ہوگا۔"

وہ بے صبری سے بولا۔ تم جانتی ہو۔ یہ اک مسئلہ ہے میرے ماں باپ باہر ہیں تمہارے ہاں رشتہ آ رہے ہیں۔ یہ نہ ہو ان کے آنے سے پہلے ہی تمہیں کوئی اور لے جائے۔"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ چند لمحے چپ رہا۔ بڑے شاطرانہ انداز میں پانسہ پھینکنے کے متعلق سوچتا رہا۔

وہ بھی اسی انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"نازیہ۔" وہ کرسی کی پشت پر آ کر جھک گیا۔

"ہوں۔" نازیہ نے بالوں کی لٹ پیچھے ہٹاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کوئی تدبیر سوچو۔ کوئی راہ نکالو۔ میں اب صبر نہیں کر سکتا میں۔ تمہارے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تم ہی بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔"

"شادی کا انتظار۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔

وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ کچھ سوچا۔ اور بولا اس میں انتظار کی ضرورت نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"میں شادی آج بھی کر سکتا ہوں۔"

"خود۔"

"وہ ہنس پڑا۔ نازیہ کی معصومیت پر اسے خوب ہنسی آئی۔

"میں اپنی زندگی کا مالک و مختار ہوں۔ میرے والدین نے بھی مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہوئی۔ بلکہ وہ تو مصر ہیں کہ میں جتنی جلدی ہو سکے شادی کر لوں۔"

"تو پھر۔"

"پھر ٹھیک ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ شادی کر لیتی ہیں۔"

"مانی۔ آپوں آپ۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تمہیں تو کسی بات سے فرق پڑتا ہی نہیں۔"

وہ مسکرایا۔ پھر بیڈ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ تمہیں حاصل کرنا میرے لئے حاصل زیست ہے۔ سمجھیں تم گنہگار ہونا نہیں چاہتیں۔

"اور میں میں۔"

نازیہ نے اس کی طرف دیکھا وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے شوخی سے بولا۔ "میں صبر نہیں کر سکتا اس لئے چلو تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ ہم دونوں شادی کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد تو ثواب و عذاب کے چکر میں نہ پڑو گی۔"

نازیہ نے ہنس کر کہا "کیسی باتیں کر رہے ہو۔ شادی بچوں کا کھیل ہے کیا۔ خود ہی کر لیں ہم دونوں۔"

وہ یونہی سر ہلاتا رہا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ چند لمحے سرک گئے پھر وہ ایک دم گویا۔ چٹکی بجاتے ہوئے سرشار سے لہجے میں بولا "نازیہ بس ٹھیک ہے ہم نکاح کر لیتے ہیں۔"

نازیہ کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ "سمجھ بھی رہے ہو جو کچھ کہہ رہے ہو۔"

"ہاں۔ خوب سمجھ رہا ہوں۔ کوئی ہرج نہیں۔ ہم نکاح کر لیتے ہیں۔ ٹھیک!"

"خاصے احمق لگ رہے ہو۔" وہ ہنسی۔

"نازیہ۔" مانی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ "تمہیں فیصلہ کرنا پڑے گا۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"یہی کہ نکاح کر لیا جائے۔"

"مانی۔"

"میں کچھ نہیں سنوں گا۔ اگر تمہیں مجھ سے پیار ہے۔ تو میری بات ماننا پڑے گی بولو مانو گی۔"

"مانی پلیز۔"

"میں ہاں یا نہ میں جواب چاہوں گا۔"

وہ روٹھ گیا۔

نازیہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

" نازیہ۔" وہ اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر بولا۔ " میری تجویز سے متفق ہو؟"

وہ چپ رہی۔

تیزی سے گھوم کر وہ نازیہ کو تکتے ہوئے بولا۔ " محبت کا سوانگ رچا رکھا ہے نا فراڈ۔ پیار ویار کچھ نہیں تمہیں۔"

وہ روہانسی ہو کر بولی۔ "کیا کہہ رہے ہو۔"

"جو حقیقت ہے تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔ اگر تمہیں مجھ سے پیار ہوتا تا تو میری تجویز سے اتفاق کرنے میں پس و پیش نہ کرتیں۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ تم سے ملوں گا بھی نہیں۔ تمہارے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جانا مجھے منظور ہے۔"

" ہائے مانی ایسا نہ کہو۔"

" آزما دیکھو۔ میں محبت کی آزمائش میں پورا اتروں گا۔ تم نے میری بات نہ مانی تو خودکشی کر لوں گا۔"

" ہائے ہائے کیسی بری باتیں منہ سے نکال رہے ہو۔" نازیہ نے اٹھ کر اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

نازیہ موم ہو رہی تھی۔ مانی نے اپنی محبت کے دعوے اور بلند کر دیئے۔ سادہ سی معصوم سی لڑکی پگھلتی گئی۔

" میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا نازیہ نہیں جی سکتا۔ تم مجھے نہ ملیں تو میں مر جاؤں گا۔ میں تمہارے ملنے کی آس پر لمحہ گن گن کر گزارتا ہوں تم نے میرا سکون۔ میرا چین۔ میرا عیش و آرام سب چھین لیا ہے۔

" اب زندگی بھی چھیننا چاہتی ہو تو بخوشی چھین لو۔ تمہارے نام پر مرنا میرے لئے عین خوشی ہے۔"

" وہ نازیہ کو چکنی چپڑی باتوں سے رام کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ نازیہ موم بنتی گئی۔ پگھلتی گئی۔ اور جب وہ بالکل سیال سی شے بن گئی تو مانی کے لئے جان لینا مشکل نہ ہوا۔ کہ اب اسے جس سانچے میں چاہے فٹ کر سکتا ہے۔

" اس نے نازیہ کو مجبور کر ہی دیا۔ وہ سحر زدہ سی نظر آ رہی تھی۔

"کچھ مہلت تو دو۔ بولی۔

" منظور ہے۔" مانی نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہے۔ پھر مانی نے اس کے کان میں سرگوشی کی "نازیہ۔ کوئی ہرج والی بات نہیں ہم اس نکاح کو ظاہر نہیں کریں گے۔ جب میرے والدین آجائیں گے۔ تو پھر رسمی سی شادی کر لیں گے۔

ٹھیک ہے نا۔ نکاح پہلے ہو جائے تو کیا مضائقہ۔ آخر تو ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ہونا ہی ہے نا۔ تمہارے والدین مجھے یقیناً قبول کر لیں گے۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ رکاوٹ کی وجہ بھی تو کوئی نہیں۔"

وہ چند لمحے چپ رہا۔ پھر بولا۔ " تمہاری کلاس مری ٹرپ پر جا رہی ہے۔ نا تمہیں بھی جانے کی اجازت مل گئی ہے گھر سے۔"

نازیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ " آنٹی نے دلا دی۔" وہ ہولے سے بولی۔

" یہ تین دن کافی ہیں۔" وہ بولا۔

نازیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ شاید وہ اس کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔

مانی نے اسکی ٹھوڑی کو ہاتھ سے پکڑ کر اونچا کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ " یہ تین دن ہم اس کمرے میں گزار سکتے ہیں۔ نکاح کے بعد آجاؤ گی نا میرے پاس بولو۔"

وہ چپ رہی۔

مانی اسے اکسانے لگا ورغلانے لگا۔ جب بھی وہ کچھ نہ بولی تو اس نے چیلنج کے انداز میں کہا " نازیہ ابھی کچھ دن ہیں تمہارے ٹرپ میں۔ تم خوب سوچ لو۔ اگر مجھ سے پیار کرتی ہو۔ تو مری جانے کی بجائے میرے پاس آجانا نہیں کرتیں۔ تو جیسے تمہاری مرضی میں اپنا فیصلہ بتادوں۔ تم اگر نہ آئیں تو میں زہر کھالوں گا۔ بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

نازیہ بے تاب ہو گئی۔ اسے کندھے سے مضبوطی سے پکڑ کر ماتھا کندھے سے ٹکا دیا۔

وہ کانپ رہی تھی۔

مانی نے پھر اپنا فیصلہ دہرا دیا۔ اس دفعہ اس نے اور بھی زیادہ موثر الفاظ استعمال کئے۔

نازیہ بے بس ہو گئی۔

مانی اسے ڈراپ کرنے گیا۔ اس کے گاڑی سے اترتے ہوئے بھی اس نے وہی الفاظ دہرائے۔

" تم نہ آئیں۔ تو مجھے زندہ نہیں پاؤ گی۔ اتنے دن ہیں۔ خوب سوچ لو۔"

نازیہ پریشان تو ہو گئی۔ لیکن مانی کی تجویز پر اب اسے غور کرنا ہی تھا۔

" مانی نے کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ چوری چوری نکاح کر لینے میں مضائقہ بھی کیا تھا۔

جبکہ اول آخر وہ اسی کی تھی۔ اور اسی کی ہونا تھا۔ ملی کے بغیر وہ بھی تو جینے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔

گھر پہنچنے تک وہ قریب قریب آخری فیصلہ کر ہی بیٹھی۔

☆ ☆ ☆

"ریحانہ۔"

"جی۔"

"نازیہ کی بات کہیں پکی تو نہیں کی۔"

"نہیں بھابی۔"

"سلمٰی آپا کو جواب دے دیا۔"

"بس خاموشی اختیار کر لی ہے۔ وحید مانتے ہی نہیں۔ اسی دن جواب دے دیا تھا۔"

"لوگ تو اچھے تھے۔ تعلیم کم تھی لڑکے کی۔"

"ہاں۔ نازیہ ماشاء اللہ بی اے میں ہے۔ اس سال پاس کر لے گی۔ لڑکا کم از کم بی اے تو ہونا چاہئے۔"

"بالکل پھر نازیہ ایک اکیلی تو ہے ٹھونک بجا کر رشتہ کرنا۔"

"اپنی خواہش تو یہی ہے کہ اچھا گھرانہ ملے۔ خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکا ہو۔"

"ایک لڑکا ہے میری نظر میں۔"

"کون۔"

"میری رابعہ کے گھر کے قریب رہتے ہیں۔ جدی پشتی امیر لوگ ہیں لڑکا بزنس کرتا ہے۔ لاکھوں ہی کما رہا ہے۔ بھئی خوبصورت۔ اپنی رابعہ نے بیٹے کا عقیقہ کیا تھا۔ تو بلایا تھا۔"

"اچھا۔"

"میں نے لڑکا دیکھا تو نازیہ کا خیال آیا۔ پھر سنا کہ سلمٰی آپا تمہارے ہاں آئی ہیں۔ اس لئے پوچھ کچھ نہیں کی تم کہ تو رابعہ سے ان کا اتہ پتہ لوں۔"

"جیسے مناسب سمجھیں بھابی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تو ڈر ہی لگتا ہے۔"

"اے ہے۔ ڈر کی کیا بات۔ کہیں تو کرنا ہی ہے نا بچی کا رشتہ۔ آخر نندوں کو بھی تو تو نے ہی بیاہا ہے۔"

"ہاں بھابی لیکن پتہ نہیں کیوں نازیہ کا نام جب بھی لیا جاتا ہے۔

" کچھ وہم سا ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ جی بھی چاہتا ہے کہ ادھر امتحان دے ادھر اس کے ہاتھ پیلے کردوں ۔ خورشید اور جمشید کی شادیاں بعد میں کروں۔"

" بالکل ٹھیک ہے۔ عقل کی بات ہے۔ لڑکوں کی کوئی بات نہیں ۔ دو سال اور بھی گزر جائیں تو ہرج نہیں۔ لڑکی بیس سال سے پہلے پہلے اپنے گھر کی ہوجانی چاہئے۔"

" بجا کہتی ہیں آپ۔ لیکن بات تو مقدروں پہ جا ٹکتی ہے۔ رشتہ مل جائے تو شادی کونسا مشکل کام ہے۔ بیس چھوڑ اٹھارہ سال کی عمر بھی ٹھیک رہتی ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ۔ اچھا اور من پسند رشتہ ملے۔"

" ہاں جی ویسے ریحانہ تمہاری بچی ہے بڑی پیاری۔ ماشاء اللہ خوب قد نکلا ہے۔ بال خوبصورت ہیں۔ آنکھوں کا مول نہیں۔ خدا شاہد ہے۔ میرا بیٹا بڑا ہوتا تو چرا کر لے جاتی اسے۔"

" بھابی کی بات پر ریحانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ صبیحہ بھی مسکرانے لگی۔ ریحانہ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا شبیر جوان ہوتا تو میں خود ہی نہ پلے باندھ دیتی نازیہ کو اس کے۔"

" مجھے تو دل سے پیاری لگتی ہے۔"

" آپ کی بچی ہے۔"

" صبیحہ ریحانہ کے تایا زاد بیٹے نصیر کی بیوی تھی۔ بہت اچھی عورت تھی۔ ریحانہ سے دوستی تھی۔ کبھی کبھی ملنے آجاتی تھی۔ ریحانہ بھی کبھی موقعہ ملتا تو اس کے ہاں چلی جاتی تھی۔ آج صبیحہ کا گزر ادھر سے ہوا تو ملے بغیر جانے کو جی نہ چاہا ریحانہ اس کی آمد سے بے حد خوش ہوئی۔

" چائے دونوں نے لاونج ہی میں پی شمو ٹرالی سجا کر لے آئی تھی۔ چائے پیتے ہوئے انہوں نے دنیاجہان کی باتیں کر ڈالی تھی۔ خاندان برادری میں ہونے والی خوشیوں غموں کے متعلق دونوں نے ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کیا۔ دوسروں کی باتیں کرتے کرتے دونوں اپنی اپنی باتوں پر آگئی تھی۔ صبیحہ اپنی دونوں بڑی بیٹیاں بیاہ چکی تھی۔ اب اسے کوئی اچھا رشتہ نظر آتا۔ تو سب سے پہلے نازیہ ہی کا خیال آتا اس وقت وہ نازیہ ہی کے رشتے کی بات کر رہی تھی۔

رابعہ کے گھر کے قریب ہی شعیب کا گھر تھا۔ دونوں گھرانوں میں دوستانہ مراسم تھے۔ رابعہ کی ساس شعیب کی ماں جی کی منہ بولی بہن بنی ہوئی تھی۔

صبیحہ نے رابعہ کے بیٹے کے عقیقے کی تقریب میں ماں جی کو دیکھا تھا شعیب سے بھی

وہیں ملی تھی۔ لڑکا اس کے من میں سماگیا تھا۔ اتنا خوبصورت اور ایسا شائستہ مزاج لڑکا پسند کئے جانے ہی کے قابل تھا۔ اس وقت تو اس نے رشتے کی بات نہیں سوچی تھی۔ لیکن آج اس نے ایسا پکا ارادہ کر لیاتھا۔ کہ نازیہ کے لئے یہاں بات ضرور چلائے گی۔

" پھر ریحانہ " اس نے کہا۔

" جی ۔"

" اس لڑکے کے پتہ کروں۔"

" وہ جن کا ابھی آپ نے ذکر کیا ہے۔"

" ہاں۔"

" آپ چاہیں تو۔"

" بھئی مجھے تو بہت اچھا لگا تھا وہ۔"

ریحانہ نے مسکرا کر صبیحہ کو دیکھا۔ پھر بولی " بھابی کیا خبر اس کی کہیں بات لگ چکی ہو" پھر ہنستے ہوئے کہا۔ " کیا پتہ شادی بھی ہوگئی ہو۔ "

" صبیح بھی مسکرانے لگی " بات تو ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن نہیں شادی شدہ نہیں لگتا۔"

" کوئی منہ پر لکھا ہوتا ہے۔ آجکل تو لڑکیوں کا پتہ نہیں چلتا شادی شدہ ہیں یا نہیں۔ دو دو بچوں کی مائیں دیکھی ہیں اتنی جوان اور سمارٹ کہ بیاہی لگتی نہیں۔"

" خیر میں پتہ ضرور کروں گی۔ اور دعا بھی کروں گی کہ وہ کنوارہ ہی ہو۔"

" اتنا پسند آیا آپ کو۔"

" واقعی ۔ پڑھا لکھا بھی خوبصورت بھی دولت بھی ہے۔ کمائی بھی خوب کر رہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات کہ بہت بڑے خاندان کا بیٹا ہے۔ رابعہ کی ساس نے دو چار ہی باتیں بتائی تھیں۔ مجھے اس وقت خیال ہی نہ آیا۔ ورنہ پوری پوری تفصیل لے لیتی۔"

" اب سہی۔"

" اب تو ضرور پوچھوں گی۔ بلکہ جاؤں گی اسی نیت سے۔"

ریحانہ ہنس پڑی۔

چائے پی جا چکی تھی۔ شمو ٹرالی گھسیٹ کر واپس کچن میں لے گئی۔ اس کی اماں رات کے کھانے پکانے میں لگی تھی شمو نے ایک پلیٹ میں رکھا آدھا سموسہ اٹھا لیا اور جلدی جلدی منہ چلانے لگی۔ حصہ تو اسے ریحانہ ضرور دیا کرتی تھی۔ لیکن مہمانوں کی پلیٹوں میں

بچا کھچا کھانے کی اس کی عادت تھی۔

صبیحہ تھوڑی دیر اور بیٹھی اسے نازیہ سے مل کر جانا تھا۔ نازیہ ٹیوشن کے لئے گئی ہوئی تھی۔

" ابھی تک آئی نہیں نازیہ ۔" صبیحہ نے کہا۔

" وہ تو سواسات کے قریب آئے گی۔ ٹیوشن پڑھنے جاتی ہے نا۔"

ریحانہ نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

" ابھی تو دیر ہے اس کے آنے میں۔" صبیحہ نے بھی گھڑی دیکھی۔

" آپ کو کیا جلدی ہے آج رات کھانا کھا جایئے گا۔"

" اے نہیں بھئی۔ اتنی دیر نہین رک سکتی۔"

" کیوں۔"

" پتہ تو ہے تمہیں گھر پہ شبیر اکیلا ہوگا۔ نصیر تو نو دس بجے سے پہلے نہیں آتے رابعہ آمنہ کی شادیاں نہ کی تھیں۔ تو بڑا سکھ تھا۔ اب تو کہیں نکلنا بھی مشکل ہے ۔"

" ٹھیک ہے لیکن کبھی کبھار"

" نہیں ریحانہ اب میں چلوں۔"

" نازیہ مجھ سے لڑے گی کہ آنٹی کو روکا کیوں نہیں آپ جانتی ہیں کتنا پیار ہے اسے آپ سے۔"

" جیتی رہے خدا نصیب اچھا کرے۔"

" آمین ۔"

" اب اجازت دو ریحانہ۔" صبیحہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

" اے ہے بھابی۔ ایسی بھی کیا جلدی وحید سے نہیں ملیں گی۔"

" وحید بھائی کو میرا سلام کہہ دینا۔ وہ بھی تو رات گئے واپس آتا ہوگا۔"

" ہاں آجکل مصروف زیادہ ہی ہے۔ جمشید کے لئے پتہ نہیں کون کون سی ایجنسی لے رہے ہیں اسی کی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں۔"

" اچھا تو جمشید کا ارادہ بزنس کا ہے۔"

" ارادہ تو اس کا باہر جانے کا ہے۔ امتحان دے کر فارغ ہوئے کئی ماہ گزر گئے۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ اپنے طور پر باہر جانے کی دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔ اب اس کے اباجی نے صابن چائے اور مشروبات کی ایجنسیاں لی ہیں۔ دیکھیں وہاں کام کرتا ہے یا باہر ہی جاتا ہے ۔"

" اولاد منہ زور ہوتی جارہی ہے۔ بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ انہیں وہی کرنے دیا

جائے جو وہ چاہتے ہیں۔ سرپرستی کی کافی ہوتی ہے۔"

" بھابی آپ کو اپنے دیور کی عادت کا پتہ ہی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اولاد کیا چاہتی ہے۔ وہ جو خود چاہتے ہیں اولاد کو وہی کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ شاید۔ ٹھیک ہی کرتے ہیں ۔ وہ اپنے عمر بھر کے تجربے کی روشنی میں بچوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔"

" یہ پود جو ہے نا من مانی کرنے کی عادی ہوتی جارہی ہے۔"

" ٹھیک ہے لیکن خدا کا شکر ہے ہمارے بچے ابھی تک ہمارے تابع فرمان ہیں جمشید کا جی تو بہت چاہتا ہے باہر جانے کو لیکن اباجی کے ڈر کے مارے کچھ کہتا نہیں۔ مجھی سے کہتا رہتا ہے۔ خود ہی چلائے گا بزنس دلچسپی پیدا ہو ہی جائے گی۔"

" خدا کرے۔ پر وحید کو بھی کچھ نرمی برتنی چاہئے بچوں کے ساتھ۔"

" بس ٹھیک ٹھاک ہیں سب۔ باپ کی عادت کے عادی ہوگئے ہوئے ہیں۔ ویسے اب وہ بھی کچھ کچھ نرمی برتنے لگے ہیں۔ ورنہ آپ جانتی ہی ہیں ۔ نازیہ کو ٹیوشن پڑھنے کی بھی اجازت دے دی ۔"

ریحانہ مسکرائی صبیحہ ہنس کر بولی " واقعی۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ورنہ لڑکی شام کو اکیلی کہیں جائے آئے توبہ وحید جان کو آجاتے تھے۔ نازیہ جاتی آتی کیسے ہے۔"

" چھوڑنے چلے جاتے ہیں۔ کبھی بھائی کبھی ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ واپسی پر اپنی سہیلی کے ساتھ آجاتی ہے۔ اس کا گھر اسی راستے سے پڑتا ہے چھوڑ جاتی ہے۔"

" ہوں۔"

" آپ رک جائیں۔"

" نہیں ریحانہ بہت دیر ہوگئی ۔ میرا سلام وحید سے کہہ دینا۔ اور نازیہ کو بھی بہت بہت پیار دینا۔"

" جائیں گی کیسے ؟"

" رکشے ٹیکسیاں ملتی ہیں سڑک سے۔"

" تو بیٹھئے ذرا۔ شمو کو بھیجتی ہوں۔ کوئی رکشہ روک لے گاڑی بھی گھر پہ نہیں ہے ڈرائیور ہی چھوڑ آیا۔"

" صبیحہ نے اپنا پرس اٹھایا۔ دوپٹہ درست کیا اور بولی۔ " ان تکلفات میں نہ پڑو۔ میں خود ہی لے لوں گی رکشہ ٹیکسی جہاں بھی مل گیا۔"

دونوں باتیں کرتی باہر آگئیں۔

" ریحانہ گیٹ کے اندر ہی رک گئی ۔

" صبیحہ نے باہر نکلتے ہوئے خدا حافظ کہا۔

" کسی دن آنا ریحانہ۔"

" آؤں گی۔"

" اچھا میں پتہ کروں گی اس رشتے کا۔"

" ضرور کیجئے گا۔"

" شاید کل ہی چلی جاؤں رابعہ کی طرف اس کی بچی کو بخار آرہا ہے۔

" دیکھنے جاؤں گی۔"

" اچھا۔"

" ساری تفصیلات لے کر آؤں گی۔"

" ریحانہ مسکرا دی۔

سلام دعا اور خدا حافظ کے تبادلے کئی بار ہوئے۔ بات میں کوئی بات نکل آتی گیٹ پر ہی کئی منٹ ان باتوں کی نذر ہوگئے۔

" بھلا کیا تھا جو رات کھانا کھا کر چلی جاتیں۔ ریحانہ نے پھر کہا۔ تو صبیحہ نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ " اچھا بھئی خدا حافظ اب میں چلتی ہوں۔"

وہ تیزی سے قدم اٹھاتے سڑک کی طرف بڑھی۔ پیچھے سے اک رکشہ آرہا تھا۔ ہارن کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہاتھ اٹھایا۔ رکشہ قریب آکر رک گیا۔ صبیحہ اس میں بیٹھ گئی۔ جاتے سے اس نے پھر ریحانہ سے خدا حافظ کہا۔ ریحانہ جب تک رکشہ نظر آتا رہا۔ گیٹ کی اوٹ سے تکتی رہی۔

☆ ☆ ☆

چال لٹی لٹی سی قدم تھکے تھکے سے۔ نازیہ گاڑی سے اتر کر اندر آئی۔ آج وہ مضمحل تھی الجھی الجھی تھی۔ اس نے ٹونی کو بائے بھی نہیں کیا تھا۔ اور ڈراپ کرنے پر تھینکس بھی نہ کہہ سکی تھی۔

وہ اندر آئی شمو نے لپک کر چادر اور کتابیں پکڑنا چاہیں۔ " رہنے دو۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

" نہیں بی بی لائیں۔ میں اوپر رکھ آتی ہوں۔ آپ چائے وائے پی لیں۔" شمو نے زبردستی کتابیں اور چادر اسکے ہاتھ سے لے لی۔

" آگئی نازیہ۔" امی نے کچن سے آواز دی۔

نازیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

امی باہر آگئیں اس نے آہستگی سے سلام کیا۔

" چائے پیو گی۔" انہوں نے محبت سے پوچھا۔

" وہ صوفے میں گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

" کیا ہوا۔" امی جلدی سے قریب آئیں۔

" کچھ نہیں۔" وہ سنبھلی۔

" تھک گئی ہو۔"

" ہاں۔"

" چائے بنادوں۔"

" نہیں۔ جی نہیں چاہ رہا۔"

" جاؤ کپڑے بدل کر تھوڑی دیر آرام کرلو۔"

" اچھا۔"

اوپر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی

" میری مانو تو۔" امی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

" جی۔ " وہ ماں سے نظریں چار نہ کر سکی۔

" کچھ دنوں کے لئے ٹیوشن پڑھنا چھوڑ دو "

وہ چپ رہی۔

" بہت تھک جاتی ہو۔ کالج سے واپس آکر دو گھنٹے آرام بھی نہیں کرتیں کہ ٹیوشن کے لئے جانا پڑتا ہے۔ "

" ہوں۔ "

وہ بنا کچھ کہے سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ ریلنگ کو پکڑ پکڑ کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ کمرے میں آکر وہ بستر پر گر گئی ۔ اس کا ذہن سوچوں کی زد میں تھا۔

مانی نے نازیہ کو اتنے سبز باغ دکھائے تھے۔ اتنی برین واشنگ کی تھی۔ کہ اس کے حق میں فیصلہ اس نے کر ہی لیا تھا۔ بڑھال تو اسے اس کا ضمیر کئے ہوئے تھا۔ والدین ماحول اور معاشرے سے بغاوت کرتے ہوئے یہ ضمیر ہی ملامت کر رہا تھا۔

وہ رات بھر سوچتی رہی۔ مانی اس کے دل و دماغ روح وجود شخصیت سب پر حاوی تھا۔ چھایا ہوا تھا۔ اس کے بغیر تو وہ جینے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ کیف و سرور۔ لطف و انبساط کی دنیائیں آباد کر دی تھیں۔ مانی نے اس سحر اس کشش اس روپہلی جال سے نکلنا ممکن ہی نہ تھا۔ مانی اس کا سب کچھ تھا۔

پھر

پھر

مانی کی تجویز پر عمل کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ نکاح خفیہ رکھا جا سکتا تھا۔ جب شادی مانی ہی سے ہونا تھی۔ تو پھر فرق بھی کچھ نہیں پڑتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہونا تھا۔ کہ نکاح دوبارہ شادی کے دن پڑھا جاتا۔

تجویز معقول تھی۔ نازیہ کو اس میں کوئی ہرج کوئی برائی نظر نہ آئی تھی۔ مانی کے والدین بھی آنے ہی والے تھے۔ ان کا خط وہ خود پڑھ چکی تھی۔ مانی نے ان کا پتہ بھی اسے دے دیا تھا۔ اپنا یہاں والا گھر بھی دکھایا تھا۔ وہ کوٹھیاں بھی دکھا چکا تھا۔ جو کرایہ پر اٹھی تھی۔ خاصی مضبوط آسامی تھی۔ والدین اس رشتے کو رد نہیں کر سکتے تھے۔

اور

پھر

اس نے یہ بھی تو سوچ لیا تھا۔ کہ خدانخواستہ اباجی نے اس رشتے کو کسی بھی وجہ سے رد کرنے کی کوشش کی۔ تو وہ ساری حد بندیاں توڑ کر سینہ سپر ہو جائے گی۔

مانی بہت بے صبر ہوا جا رہا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے نازیہ کے لب مسکرا اٹھے۔ آنکھوں میں نشہ لہرا گیا۔ اسے اس لمحہ مانی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

" سوچیں تسلسل سے آتی رہیں۔ نازیہ کا دل مستحکم اور مضبوط ہوتا رہا۔

لیکن کبھی کبھی یہ سوچیں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتیں۔ اس کے اندر کی لڑکی ان سوچوں پر زور سے ضرب لگاتی ۔ اندر کی لڑکی جو اک شریف ماں باپ کی تابع دار بیٹی تھی۔ جسے والدین کی عزت اپنی ہر خواہش ہر تمنا ہر آرزو سے پیاری تھی۔جو ماں باپ کو کوئی دھوکہ دینے سے پہلے مر جانا بہتر سمجھتی تھی۔

رات کے تین بج چکے تھے۔ نازیہ جاگ رہی تھی۔ سائیڈ لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی کمرے میں بکھری تھی ۔ اس روشنی میں کمرے کی کوئی چیز بھی واضح نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن کوئی چیز نظروں سے اوجھل بھی نہ تھی یہی کیفیت نازیہ کے من کی بھی تھی۔

وہ بستر سے نکل کر سنگار میز کے سامنے آ بیٹھی ۔ اپنا آپ غور سے دیکھنے لگی اسے یوں لگا جیسے مانی اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے جھک کر آئینے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دعوت دے رہا ہے ٹوٹ کر پیار کرنے کی دعوت۔

نازیہ کا جی چاہا اس کے سینے میں چھپ جائے۔ وہ مڑی اور کمرے میں ٹہلنے لگی

اس کی نظریں امی اور اباجی کی تصویر پر پڑیں۔ یہ تصویر بیڈ کے قریب رکھی سائیڈ ٹیبل پر پڑی تھی۔

وہ غور سے تصویر کو تکنے لگی۔

" اباجی۔ " وہ بڑبڑائی " مانی بہت اچھا ہے آپ اس سے ملیں گے تو خوش ہوں گے۔ وہ خوبصورت ہے۔ مالدار ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ آپ ایسا ہی رشتہ میرے لئے چاہتے ہیں نا ؟ کیوں امی منظور ہے نا۔ "

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔

پھر تصویر اٹھالی۔ غور سے امی اور اباجی کو دیکھا۔ اباجی کے چہرے پر تقدس کی روشنی تھی۔ امی کے سراپا پر پاکیزگی ہی پاکیزگی تھی۔

اس کے اندر کی لڑکی تڑپ اٹھی۔ " اس تقدس کے پیکروں کو دھوکہ دو گی نازیہ ان سراپا شفقت ہستیوں سے فریب کرو گی ۔ انہوں نے کس سادگی سے تم پر اعتماد کیا ہے۔ اس اعتماد کے پرخچے اڑانے پہ تلی ہو۔ ان کے نام۔ ان کے وقار۔ ان کی عظمت کو لوگ سلام کرتے ہیں۔ تم اس کی دھجیاں بکھیرنے پہ تلی بیٹھی ہو۔ مانی کو تم سے پیار ہے۔ تو اپنے بزرگوں کی واپسی کا انتظار کرے۔ رسم دنیا اور دستور زمانہ نبھائے شریفوں کی طرح تمہارا ہاتھ

تھام کر عزت و آبرو کے ساتھ اس گھر سے لے جائے۔"

وہ اس ہتھوڑے جیسی ضرب سے تلملا گئی بے اختیاری سے بولی۔ مانی انتظار نہیں کرسکتا۔ وہ بے بس ہوجاتا ہے۔ میرے قریب آکر گناہ سرزد ہونے سے کیا بہتر نہیں کہ ہم نکاح کے بندھن باندھ لیں۔"

"تو پھر ڈرتی کیوں ہو۔" آواز گونجی "امی سے کہہ دو اباجی سے پوچھ لو۔"

"نہیں مجھے ڈر لگتا ہے۔ وہ میری اس جسارت کو برداشت نہیں کریں گے۔"

"پھر خیال چھوڑ دو۔ ڈوبنے سے بچو۔"

"ڈوبنے کی کیا بات ہے۔ نکاح ہی کریں گے نا ہم۔ ہرج بھی کیا ہے۔ گناہ تو نہیں یہ۔ میں جوان ہوں اپنے لئے راستہ چننے کا مجھے بھی حق ہے۔

میں دنیا کی جھوٹی رسموں اور دستوروں پرلات مارتی ہوں میں مانی کی تجویز پر ضرور عمل کروں گی۔

اس نے تصویر پھینکنے کے انداز میں میز پر رکھ دی اور خود کمرے میں ٹہلنے لگی اس کا بس نہیں چلتا تھا۔ کہ اپنے اندر سے اٹھنے والی اس آواز کا گلا گھونٹ دے۔

وہ جب بھی مستحکم ارادہ کرکے سوجانے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ آواز اسے چونکا دیتی۔ جنجھوڑ ڈالتی۔

رات گزر گئی صبح اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اس لئے کالج نہ گئی۔

"اچھا کیا ہے۔" امی نے اس کو دیکھ کر محبت سے کہا۔ "تم نے تو پڑھائی کے لئے اپنے آپ کو ہلاک کرڈالا ہے جیسے"

اور اباجی نے بھی یہی کہا۔ "ٹھیک کیا جو چھٹی کرلی۔ تم بہت نڈھال لگ رہی ہو۔ اتنا بھی فکر نہ کرو۔ پاس تو ہو ہی جاؤ گی۔"

وہ چپ رہی۔

پورا دن اس نے اپنے کمرے ہی میں گزارا۔

آج وہ گھر پہ تھی۔ اس لئے امی کو گھر سے نکلنے کا موقعہ ملا۔ چچی زینب کو دیکھنے جانا تھا۔ وہ گھر پہ تھی۔ ریحان کے بیٹے کی مبارک دینا تھی۔ اور رشتے کی نندوں بھابیوں سے بھی ملنا تھا۔ بہت دن ہو گئے تھے۔ ان سے ملے دوپہر کھانے کے بعد وہ تیار ہو کر چلدیں۔ رات کے کھانے کے لئے شمو کی ماں کو ہدایات دے گئیں۔

نازیہ نے کچھ سکون سا محسوس کیا۔ جانے کیوں وہ امی کے گھر میں ہوتے ہوئے کچھ الجھن کچھ دباؤ کچھ بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے

نہیں نکلی سوچیں اب بھی اس کے ذہن کو گھیرے ہوئے تھیں۔ بعض فیصلے ہو کر بھی ہو نہیں پاتے نازیہ فیصلہ مانی کے حق میں کر چکنے کے باوجود اپنے آپ کو ڈانواں ڈول پا رہی تھی۔

وہ کچھ دن کالج نہیں گئی ٹیوشن کے لئے بھی گھر سے نہیں نکلی امی ابا کے پاس بھی زیادہ نہیں بیٹھی۔ سارا وقت کمرے ہی میں گزارا ماں باپ یہی سمجھتے رہے کہ پڑھائی میں مشغول ہے۔ اس لئے زیادہ ڈسٹرب بھی نہیں کیا۔

پھر

"وہ دن آگیا۔

کلاس کے مری ٹرپ پر جانے کا دن۔ اس دن نازیہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ امی نے ساری تیاری کر دی تھی۔ اس کے بیگ میں ہر چیز کپڑے جوتے جرسیاں برش اور دیگر چیزیں رکھ دی تھیں۔ گرم کوٹ اور شالیں بھی نکالی تھیں۔ مری میں بہت ٹھنڈ تھی نا۔ وہ بار بار احتیاط کرنے کا بھی کہہ رہیں تھی۔ گرم کپڑے رکھ دیئے ہیں۔ بہت سردی ہوگی وہاں۔ موئی پروفیسروں کو بھی اتنی سردی میں وہاں جے کی سوجھی۔ نازیہ احتیاط کرنا۔ تمہیں ٹھنڈ جلدی لگ جاتی ہے۔ شام کو تو بالکل باہر نہ نکلنا۔"

"اباجی نے بھی محتاط رہنے کی تاکید کی تھی ڈھکے چھپے الفاظ میں شوخی شرارت سے منع کیا تھا۔ "باہر جا کر لڑکیاں مادر پدر آزاد ہوجاتی ہیں۔ ہوشمندی سے کام لینا بیٹی کوئی الٹی پلٹی حرکتیں نہیں کرنا پروفیسروں کے ساتھ ہی رہنا اکیلے ادھر ادھر نہ جانا۔"

وہ اندر ہی اندر کانپ گئی تھی۔

اس دن اباجی ہی اسے چھوڑنے کالج گئے۔ گاڑیوں اور تانگوں میں لڑکیاں بیگ سوٹ کیس اور بستر لئے اتر رہی تھیں۔ کچھ آرہی تھیں۔ کچھ سامان گھسیٹ کر اندر لے جارہی تھیں خوب ہڑبونگ مچی تھی۔

اور

اسی ہڑبونگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نازیہ نے اباجی کے جاتے ہی تانگے میں سامان رکھا اور ہوٹل جا پہنچی۔

☆☆☆

" میرا دل کہہ رہا تھا۔ کہ تم ضرور آؤ گی۔ میری جان۔ تم نے آج محبت کی لاج رکھ لی۔ میری جان۔ میری زندگی۔"

" کمرے میں آتے ہی مانی نے نازیہ کو بازوؤں میں بھر کر دیوانہ وار دوچار چکر دے ڈالے۔

" پاگل ہوئے ہو مانی " وہ بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکی۔

" پاگل۔ دیوانہ۔ مجنوں " اس نے نازیہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

" مانی۔ تم تو واقعی پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہے ہو۔ ہٹو مجھے بیٹھنے دو" اس نے بمشکل اپنا چہرہ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ مانی نے اسے ہولے سے دھکا دے کر صوفے میں گرا دیا۔

" بڑا اہتمام کیا آج۔" نازیہ نے درمیانی میز پر پھل مٹھائی اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں دیکھ کر کہا۔

" آج تو جی چاہتا ہے۔ آسمان سے تارے توڑ کر بھی لے آؤں۔"

" وہ کس لئے۔"

" تمہاری مانگ سجانے کے لئے۔"

وہ ہنس پڑی۔

مانی اس کے سامنے قالین پر دوزانو ہوتے ہوئے اس کے گھٹنوں پر بازو ٹکاتے ہوئے بولا۔ " خوش ہونا۔"

وہ ہچکچائی۔ پھر سر جھکاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ " مانی۔ دل بہت ڈر رہا ہے میرا۔"

" میرے ہوتے ہوئے جان۔ والہانہ انداز میں مانی نے کہا۔ تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

" کوئی پرواہ نہیں ہے آج۔" وہ بازو لہراتے ہوئے اٹھا۔" آج ہم تم دونوں ایک ہوجائیں گے۔"

" آج ؟؟ "

" ہاں آج اور ابھی۔ "

" مانی "

" میں نے سارا بندوبست کر لیا ہوا ہے۔ صرف تمہارا انتظار تھا۔ میری جان مولوی اور گواہ کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ "

وہ اک بار تو سرتاپا لرز گئی۔ اس نے کچھ کہنا بھی چاہا۔ لیکن مانی جس نشیلی کیفیت سے دوچار۔ وہ کب اس کی سننے والا تھا۔

" نکاح نامہ لکھا جا چکا ہے میری جان۔ صرف تمہارے دستخط ہونگے اور مولوی دو بول بول کر ہم دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک کر دے گا سمجھیں۔ "

وہ پتھرائے ہوئے بت کی طرح صوفے میں بیٹھی تھی۔

مانی الم غلم مارنے کے بعد بولا۔ " میں انہیں بتا آؤں کہ تم آگئی ہو۔"

" نہ جاؤ مانی۔ تم نہ جاؤ۔" وہ گھبرا گئی۔

مانی اک قہقہہ لگایا۔ پھر اس نے ٹیپ آن کر دی۔ بڑی دلفریب اور رومانوی دھن فضا میں تیرنے لگی۔

" تم یہ سنو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل گیا۔ نازیہ پر گھبراہٹ کا شدید دورہ پڑا اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔

لیکن

جلد ہی مانی آگیا۔ مسکراتے ہوئے بولا۔ " سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لو اب تم تیار ہو جاؤ۔"

نازیہ کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

" یوں کرو۔ اس بیڈ پہ بیٹھ جاؤ۔ اور اوپر چادر لے لو۔ میں نہیں چاہتا۔ کوئی گواہ تمہیں دیکھے۔ "

نازیہ ویسے ہی پڑی رہی۔ مانی نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا۔ اس کی ہمت بندھائی۔ بڑی مسرور کن باتیں کی۔ بڑے پیار سے سمجھایا۔

وہ سحرزدہ سی چپل اتار کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

" رخ دیوار کی طرف کر لو۔" مانی بولا۔

نازیہ نے رخ دیوار کی طرف کر لیا۔ مانی نے اس کی چادر اس کے اوپر ڈال دی۔

" فارم پر جہاں جہاں گواہ کے دستخط کر دینا۔ چہرہ چھپائے ہی رکھنا۔ گواہ میرے دوست ہیں۔ لیکن میں نے انہیں بھی تمہارے متعلق نہیں بتایا کہ تم کون ہو۔ کس خاندان کی ہو۔ اس لئے احتیاط ہی کرنا۔ سمجھیں۔"

وہ سمجھی یا نہیں سمجھی۔ مانی اسے اونچ نیچ سمجھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

" نازیہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

" تھوڑی ہی دیر بعد دو آدمی اندر آگئے۔ انہوں نے نازیہ کو سلام کیا۔ سلام کا جواب اس نے نہیں دیا۔

ایک گواہ نے ایک چھپا ہوا فارم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ " بی بی جہاں جہاں لال نشان ہیں۔ وہاں دستخط کر دیں۔"

نازیہ نے کاغذ نہیں پکڑے۔

گواہ نے دوبارہ پھر سہ بارہ وہی الفاظ دہرائے۔ اب کے دوسرے آدمی نے بھی دستخط کرنے کو کہا۔ اور کاغذات ہاتھ بڑھا کر آگے کر دیئے۔ پن بھی اس کی طرف بڑھایا۔

پھر پہلے آدمی نے کہا۔ " بی بی آپ کی رضامندی کا اقرار زبانی بھی ہوگا۔ آپ کو یہ رشتہ منظور ہے ؟"

دوسرے نے کہا " منظور ہے تو ہاں کہئے۔"

نازیہ نے سر ہلا دیا۔ اور ساتھ ہی دو تین جگہ دستخط کر دیئے۔

" مبارک مبارک۔" وہ دونوں بولے۔ اور کاغذات اٹھا کر کمرے سے باہر آگئے۔ نازیہ کا دل بے طرح گھبرایا اس نے چادر اتار پھینکی۔

اور دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا۔ جب کچھ دیر بعد مانی کمرے میں آیا۔ تو وہ بیڈ پر نیم بے ہوش سی پڑی تھی۔

مانی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ بڑے پیار سے سنبھالا۔ دلاسہ دیا۔ ہمت بندھائی۔ اس کی بزدلی کا مذاق اڑایا۔

" حد ہوگئی بھئی۔ عجیب لڑکی ہو تم بھی۔ خوش ہونے کی بجائے یہ کیا الٹی سیدھی حرکتیں کر رہی ہو۔ ہم دونوں نے بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔

" اب اس پر ثابت قدمی سے کھڑا ہونا ہے۔ ایسی بودی جذباتیت تو تمہیں لے ڈوبے گی۔ یہ نکاح والی بات جانتی بھی ہو کہ ہم نے فی الحال خفیہ رکھنی ہے تم نے اس طرح کیا تو یہ راز بہت جلد فاش ہو جائے گا۔"

اس نے گھبرا کر سر ہلایا۔ " نہیں یہ راز فاش نہیں ہونا چاہئے مانی۔ یہ شادی تک راز ہی رہنا چاہئے۔"

" بالکل ٹھیک۔ میں کب فاش کرنے کو ہوں تم اب ہمت سے کام لو ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرو۔"

اس نے سر جھکا دیا اور اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کو مسلنے لگی۔

" تم بالغ ہو۔ اپنی مرضی سے یہ کام کرنے کا تمہیں پورا حق ہے۔ صرف ماں باپ کی روایتی عزت ہی کا پاس ہے۔ ورنہ جو کچھ ہوا ہے۔ وہ کوئی بری بات نہیں۔ نکاح کیا ہے ہم نے۔ گناہ نہیں کیا۔"

اس نے یونہی سر ہلا دیا۔

" اس خوشی کے موقع پر ہنسو مسکراؤ۔"

مانی نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

" ہائے چھوڑو۔ مجھے تو تم سے شرم آنے لگی ہے۔"

" تو شرماؤ۔"

" نازیہ نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"گڈ۔" مانی بیڈ پر کہنی کے سہارے آڑا لیٹتے ہوئے بولا۔

" چپ رہو جی " وہ اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے بولی۔

مانی اس سے دل لگی اور چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اس کا حوصلہ بڑھانے کو باتیں کرتا رہا۔

" وہ لجائی شرمائی بیٹھی رہی۔

" چائے پیو گی۔" مانی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

" یار کچھ تو بولو۔ تم نے تو چپ ہی سادھ لی ہے۔ باتیں کرو ہنسو مسکراؤ۔ آج ہم نے نئی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ ایک دوسرے کے ہوگئے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا ہونے کا عہد کیا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔ کتنی بڑی خوشی ہے۔"

وہ بولے جارہا تھا۔ نازیہ بہل رہی تھی۔ اس کے اعصاب پر خوف دور ہو رہا تھا۔ وہ کچھ نارمل ہوئی تو اس نے فون کر کے چائے منگوائی۔

گرم گرم چائے سے نازیہ سنبھلی۔ مانی اس کا مذاق اڑانے لگا۔ اس کی نقلیں اتاریں۔ شرما شرما کر مسکرانے لگی۔

کچھ دیر وہ اس سے پیار بھری باتیں کرتا رہا۔ وہ خاصی بہل گئی۔ بیرا خالی برتن واپس

لے گیا۔ تو مانی نے اٹھ کر دروازہ لاک کر دیا۔ نازیہ ابھی بیڈ پر ہی بیٹھی تھی۔

مانی اس کی طرف آیا۔ چند لمحے اسے شوخ شوخ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ " ذرا سا گھونگھٹ تو نکال لو۔ رونمائی کا لطف۔ "

" ہائے مانی۔ ہٹو۔" وہ اسے پرے دھکیلنے لگی۔

" اوں ہوں۔" وہ بہک رہا تھا۔

" مانی پلیز۔ "

" اوں ہوں۔ آج تم مجھے روک نہیں سکتیں میری جان۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ شوہر جان من۔ "

اس نے اک جھٹکے سے نازیہ کو اپنی گود میں گرا لیا۔ نازیہ میں مزاحمت کی سکت ہی نہ رہی۔ اور مانی نے جھپٹنے کے انداز میں جھکتے ہوئے اپنے جلتے ہونٹ اس کے ان چھوئے کنوارے ہونٹوں میں گاڑ دیئے۔

وہ تڑپی

" پھڑکی

لیکن مانی کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔ مانی دیوانہ وار ہونٹوں کی جلتی مہریں اس کی آنکھوں گالوں ہونٹوں اور گردن پر لگائے جا رہا تھا۔

مانی اس سے بھی آگے بڑھا۔

تو

نازیہ چیخی......

لیکن

اس کی آواز کون سن سکتا تھا۔ کمرہ بند تھا۔ اور ٹیپ آن۔

وہ کہتی ہی رہ گئی۔

نہیں مانی نہیں۔ "

لیکن مانی بھلا اس کی کیوں سنتا۔

پھر۔ !

نازیہ نے عروسی جوڑا پہنا۔ نہ ہار سنگھار کیا۔ زیورات سے لدی خوشبوؤں سے نہائی۔

ماں باپ کی سسکیوں میں ڈوبتی ابھرتی دعائیں لیں۔ نہ بابل کی دہلیز چھوڑتے بلک بلک روئی۔

اس نے تو سسرال کی چوکھٹ بھی نہ چھوئی۔

اور

سیدھی مانی کی آغوش میں آ گئی۔

مانی بھوکے پیاسے گدھ کی طرح اس پر جھپٹ پڑا تھا۔

پھر

پھر

بہت کچھ ہو گیا۔

جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔

وہ بھی ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ریحانہ ظہر کی نماز پڑھ کر ابھی مصلے پر ہی بیٹھی تھیں۔ کہ نازیہ کی چھوٹی پھپھو اور اس کا میاں فدا علی آ گئے۔ دونوں بچے بھی ساتھ تھے۔ ممانی کو نماز پڑھ کر اٹھنے بھی نہ دیا۔ کہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول گئے۔

"او شریرو۔ ممانی جان نماز پڑھ رہی ہیں۔" عابدہ نے بچوں کو ڈانٹا۔

"نہیں نہیں۔" ریحانہ نے بچوں کو گود میں بھر کر پیار کرتے ہوئے کہا "نماز تو کب کی پڑھ چکی ہوں۔"

وہ مصلے کو تہہ کرتے ہوئے اٹھیں۔ مسکرا کر فدا علی اور عابدہ کو خوش آمدید کہی۔

دونوں نے ریحانہ کو سلام کیا۔

"بیٹھو" ریحانہ انہیں صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"کہو۔ کیسے ہو تم لوگ۔ بڑے دنوں بعد آئے۔"

"بس بھابی" عابدہ نے فدا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "روز ہی آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ آنا ہو ہی نہ سکا۔ اور سچ پوچھیں تو آج بھی ہم اک خاص وجہ ہے جو آئے ہیں۔"

فدا علی نے عابدہ کو گھورا۔ لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بنا بولی۔

"نازیہ کہاں ہے۔"

"کیوں خیریت۔ کیا خاص وجہ ہوگئی۔" ریحانہ نے مسکرا کر کہا۔

"کچھ نہیں بھابی۔" فدا نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ یوں ہی مار رہی ہے۔ آپ سنایئے کیا حال چال ہے۔ وحید بھائی تو فیکٹری ہی ہوں گے۔ بچے ٹھیک ٹھاک۔"

"سب خیریت۔ اللہ کا شکر ہے۔ خورشید کے لئے ایجنسیاں لی ہیں۔ ان دنوں باپ بیٹا اسی سلسلے میں مصروف ہوتے ہیں۔"

"نازیہ کالج سے نہیں آئی ابھی" عابدہ نے بھابی کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

ریحانہ مسکرا کر بولی "خیر ہے جو بار بار نازیہ کا ہی پوچھ رہی ہو"

"بھابی۔"

"عابدہ۔ چھوڑو بھی۔ تم چپ رہو تو اچھا ہے۔" فدا نے عابدہ کی بات کاٹی۔ تو ریحانہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔

عابدہ کے دونوں بچے سیڑھیوں کی طرف جا چکے تھے۔ ریلنگ کے ساتھ ساتھ جھولتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔

"بیٹا گر نہ جانا۔" ریحانہ نے ان کو دیکھا تو بولیں۔

"یہ بندر عادی ہیں۔" فدا ہنسے۔

ریحانہ اٹھ کر کچن میں گئیں۔ دوسرے دروازے سے شمو کی ماں کو آواز دی۔ جو پچھواڑے کے لان میں بیٹھی شمو کے الجھے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ جوئیں تو نہیں تھیں خدشہ تھا۔ اسی لئے بال بال دیکھ رہی تھی۔ نازیہ بی بی ہمیشہ کہتی تھی نا۔ کہ شمو کے بالوں میں جوئیں ہیں۔

"اے شمو کی ماں" ریحانہ نے آواز دی۔

"عابدہ آئی ہیں۔ چائے بنا دو۔ فدا بھی ہیں اور بچے بھی"۔

"اچھا بی بی جی۔"

"چائے کے لئے بسکٹ وسکٹ ہیں نا۔"

"جی"

"شامی کباب بھی پڑے ہیں تل لینا۔"

"اچھا جی"

"بس چھوڑو اس چڑیل کو آجاؤ اب۔ تم نے تو دوپہر کے کھانے کے برتن بھی ابھی نہیں دھوئے۔"

"سب کچھ کر لوں گی بی بی۔ اس مردار کے بال الجھے ہوئے تھے۔

"نازیہ بی بی کو چڑ لگتی ہے نا۔ آج وہ آجائیں گی۔ اس لئے سوچا کس کے چٹیا باندھ دوں۔"

"اچھا۔ اب چھوڑو اسے۔ ادھر آؤ تم۔ پھل پہلے دے جاؤ۔

"بچوں کے لئے مٹھائی بھی۔ عابدہ کے بچے بھی آئے ہیں"۔

"بچوں کا نام سن کر شمو نے بال چھڑائے۔ ماں کے کوسنے کے باوجود خود ہی چٹیا کے بل دیئے۔ اور بھاگتے ہوئے بولی۔ شانی اور راضی آئے ہیں لاں۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں دونوں۔"

لکڑی کی کنگھی سے بال نکال کر انگلی پر لپیٹتے ہوئے شمو کی اماں بھی اٹھی۔ پھر سامنے والے کوارٹر میں چلی گئی۔ کنگھی وغیرہ وہیں رکھنا تھی۔

ریحانہ واپس لاؤنج میں آگئی۔ عابدہ اور فدا علی کسی بات پر الجھ رہے تھے۔

" کیا ہوا بھئی۔ آج تم لوگوں کو۔ " ریحانہ عابدہ کے قریب بیٹھ گئی۔

" عابدہ بولی " ہوا کچھ نہیں۔ ایک بات پوچھنا ہے۔ فدا کی بات کا جھوٹ سچ پتہ چلے گا تب۔"

" جھوٹ سچ "۔ ریحانہ نے حیرانگی سے کہا۔

" فدا جلدی سے بولا " کچھ نہیں بھالی۔ یونہی آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ "

" آپ نے بھی تو مجھے پریشان کیا ہے ۔"

" میں سرسری سی بات کی تھی۔ "

" جی ہاں سرسری سی۔ اسی لئے کئی بار دھرائی تھی۔"

دونوں پھر الجھنے لگے۔

ریحانہ کچھ نہیں سمجھی۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ " کیا بات ہے عابدہ۔ "

" پہلے بتائیں نازیہ کہاں ہے "

" نازیہ کی بات ہے کوئی ۔"

" اللہ نہ کرے نازیہ کی ہو "

" پھر۔ "

" پھر بتاتی ہوں۔ نازیہ کا بتائیں کہاں ہے۔ کالج سے لوٹی ہے کہ نہیں ۔"

" وہ تو۔ مری گئی ہوئی ہے۔ تین دن ہوئے۔ "

" مری ؟ "

" ہاں۔ پوری کلاس گئی ہے۔ آج شام چھ سات بجے تک واپس آئیں گی۔ ٹرپ کے لئے کلاس۔"

عابدہ جلدی سے مڑی اور فدا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ " اب کہئے جناب آپ کو کل نازیہ ہوٹل میں نظر آئی تھی۔ وہ تو تین دن سے مری۔ "

" ہوٹل میں۔ " ریحانہ ایک دم سوال کیا پھر حیرانگی سے فدا کو دیکھا۔

" ہاں بھالی۔ کل یہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہلٹن گئے تھے۔ رات آئے تو کچھ حیران اور پریشان سے تھے۔ کہنے لگے۔ نازیہ کو ہوٹل میں دیکھا ہے۔ وہ لفٹ سے نکل کر باہر جا رہی تھی۔ ساتھ ایک مرد بھی تھا۔"

ریحانہ کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ فدا جلدی سے بولا۔ " دیکھیں بھالی یہ بات کو خواہ مخواہ طول دے رہی ہے۔ شکل سے شکل مل سکتی ہے۔"

میں نے یونہی بات کردی۔ بس اسی وقت سے میرے پیچھے پڑی تھی۔ "

" کیسے نہ پڑتی۔" عابدہ شیر ہو کر بولی۔ " بھلا مجھے اپنے گھر والوں کا پتہ نہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ بھائی جان نے اسے کلاس سے ساتھ بھی جانے کی کیسے اجازت دی۔ "

ریحانہ نے آہستگی سے کہا۔ " وہ کب اسے کہیں جانے دیتے ہیں۔ وہ تو نسیمہ ہی نے زبردستی اجازت دلائی۔ ہماری تو وہ سنتے ہی نہیں۔ لاکھ نازیہ ضد کرتی منت سماجت کرتی۔ بھلا وہ جانے دیتے۔"

" بس۔ " عابدہ نے پھر فدا کی طرف دیکھا۔

" بھئی میں نے اتنے وثوق سے تو نہیں کہا تھا۔ ہم لوگ لاؤنج ہی میں چائے پی رہے تھے کہ ایک لڑکی لفٹ سے نکل کر ادھر سے گزری۔ اب اللہ میاں نے ایک جیسی شکلیں بنا دی ہوں۔ تو میرا کیا قصور۔ ہو بہو نازیہ تھی۔ حیران تو میں بھی ہوا تھا۔ اس کا ذکر ان محترمہ سے کیا کر دیا۔ کہ لینے کے دینے پڑ گئے " اس نے عابدہ کی طرف اشارہ کیا۔

" ریحانہ کھلکھلا مسکرائی۔ ویسے اسے یہ بات قطعاً اچھی نہ لگی تھی۔ کہ اس کی بیٹی کا کوئی مطلعے سے بھی یوں نام لے۔ وہ بولی " آج شام کو وہ واپس آ رہی ہے۔ -

" عابدہ صوفے میں پھیلتے ہوئے بولی۔ " خدا کا شکر ہے بھالی وہ مری گئی ہوئی ہے۔ بات کا بتنگڑ بننے سے پہلے ہی معاملہ صاف ہو گیا۔

ورنہ۔ "

" ورنہ کیا۔" ریحانہ نے قدرے برہمی سے کہا۔ " اللہ کا شکر ہے کہ اپنی بیٹی۔ "

فدا ندامت سے بولا۔ " دیکھئے بھالی۔ برا نہیں مانئے۔ میں نے کہا نا۔ شکل سے شکل سے ملتی ہے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ نازیہ کے متعلق خدا نہ کرے۔ جو کبھی برا خیال بھی ذہن میں آئے۔ یہ تو اس محترمہ نے بات بڑھادی۔ "

" کیوں نہ بڑھاتی۔ آپ کے ذہن میں یہی بات بیٹھی رہتی کہ نازیہ ہوٹل میں گئی تھی۔ توبہ توبہ۔ ہماری نازیہ۔ وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اتنی معصوم ار بھول بھالی ہے۔ پھر ماں باپ نے بھی ناجائز آزادی تو نہیں دے رکھی۔ وہ تو اپنی سہیلیوں کے گھر تک نہیں جاسکتی۔ ہوٹلوں میں آوارگی۔ "

" دیکھو عابدہ " فدا کو غصہ آگیا۔ " بات اب چھوڑو۔ میں اپنا قصور مان رہا ہوں۔ مجھے غلطی لگی۔ وہ کوئی اور ہوگی۔ "

"کوئی اور ہوگی نہیں کہئے جناب۔ کہئے کوئی اور تھی۔"

"اچھا جناب کوئی اور تھی۔ اور یقیناً کوئی اور تھی۔ نازیہ تو تین دن سے مری گئی ہوئی ہے۔ بات ختم ہوگئی۔"

"فدا بھائی۔" ریحانہ سنجیدگی سے بولی۔ "وہ مری نہ بھی گئی ہوتی۔ تو بھی اس کے کسی ہوٹل میں جانے کا امکان نہ ہوتا۔ گھر سے کالج اور کالج سے گھر۔ اپنی بچی کا اس کے علاوہ کہیں اور آنا جانا نہیں۔ بازار تک وہ میرے ساتھ جائے تو جائے کہیں۔"

"بخدا بھائی۔ غلط نہ سمجھئے میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ لیکن کیا کہوں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو لڑکی میں نے کل ہوٹل میں دیکھی نازیہ سے اتنی مشابہت رکھتی تھی۔ کہ اگر آپ بھی ہوتیں تو دھوکہ کھا جاتیں۔"

عابدہ کا موڈ اب بدل گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے میاں کو دیکھا اور بولی۔ "مشابہت ہو سکتی ہے لیکن آپ نے جس طرح بات کی تھی نا۔ میں سمجھتی ہوں۔"

"خاک سمجھتی ہو۔"

"چلو چھوڑو اس قصے کو۔" ریحانہ نے کہا شمو کی ماں پھل مٹھائی اور کچھ نمکین چیزیں لے آئی تھی۔ اس نے ٹرالی ریحانہ کے آگے کر دی۔

ریحانہ نے عابدہ سے کہا۔ "لو کھاؤ۔ بچوں کو بھی بلاؤ۔"

بچے شمو کے ساتھ اوپر تھے۔ عابدہ نے بچوں کو آواز دی اور پلیٹیں اٹھا کر فدا اور ریحانہ کو پیش کیں۔

گفتگو کا موضوع اب بدل گیا تھا۔ خاصے خوشگوار ماحول میں گپ شپ لگنے لگی۔

فدا اب تک دل ہی دل میں حیران تھا۔ کہ شکلیں اتنی مشابہت بھی رکھتی ہیں ؟ وہ لڑکی نازیہ سے اتنی ملی تھی۔ کہ نازیہ کا گمان ہوا۔ لیکن یہ بات اس نے ذہن سے جلد ہی جھٹک دی اس خاندان کی قدامت پسندی سے وہ آگاہ تھا۔ وحید صاحب جتنے اس معاملے میں سخت تھے اسے آگاہ تھا۔ بیٹی تو بیٹی وہ تو بیوی کو بھی کہیں کھلے بندوں جانے نہیں دیتے تھے۔ یقیناً وہ کوئی اور تھی۔ نازیہ سے مشابہت تھی اور بس۔

عابدہ نے فدا کو پھل پیش کیا۔ وہ بڑے فخریہ انداز میں اسے تک تک کر مسکرا رہی تھی۔ نازیہ مری نہ گئی ہوتی تو جانے فدا کے ذہن سے یہ بات نکالنے کو اسے کتنی جدوجہد کرنا پڑتی۔ طنز کرنے کی عادت تو تھی ہی اس کی۔ اب تو وہ شیر ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

نازیہ مانی کے پاس تھی۔ رنگ رلیاں مناتے آج تیسرا دن تھا۔ پہلے دن تو نازیہ حواس باختہ ہوئی اعصاب پر خوف و وحشت مسلط رہی۔ جی بھر کر روئی۔ اپنے جرأت مندانہ اقدام پر ہراساں بھی ہوئی۔ لیکن مانی نے اسے کچھ اس طرح رام کیا کہ سارے خوف و اندیشے ذہن سے نکل گئے۔ واقعی یہ کوئی گناہ کی بات تو نہ تھی۔ دونوں نے ازدواجی بندھن باندھا تھا۔ پھر روک ٹوک کی گنجائش کہاں رہتی تھی۔

دن اور رات کی تمیز ہی نہ رہی تھی۔ دونوں رنگین و حسین فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔ قربتیں مہک رہی تھیں۔ تنہائیاں چہک رہی تھیں۔ ان تین دنوں میں وہ صرف ایک بار باہر گئے تھے۔ لیکن باہر کی فضا بے رنگ و بو لگی تھی بہت بے مزہ محسوس ہوئی تھی۔ اس بند کمرے میں جو لطف و انبساط کی دنیا آباد تھی۔ اس کا وجود باہر کہاں ؟

آج مہکتی قربتوں اور چہکتی تنہائیوں کا آخری دن تھا۔ شام نازیہ کو کلاس کی واپسی پر گھر پہنچنا تھا۔ وہ بے دلی سے سامان سمیٹ رہی تھی۔ مانی بیڈ پر اوندھا لیٹا اسے تک رہا تھا۔ اسی کی ایماء پر نازیہ نے کالج کی بجائے سیدھا گھر جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

مانی نے کہا تھا۔ "کالج جاؤ گی۔ تو بات بگڑ نہ جائے۔ لڑکیاں ضرور پوچھیں گی کہ اتنے دن کہاں رہی ہو"۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے پھر کیا کروں"

"سیدھی گھر چلی جاؤ"۔

"کیسے ؟۔"

"ٹیکسی میں بٹھا دوں گا چلی جانا۔ وقت سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے چلی جانا۔ تاکہ تمہیں کوئی کالج لینے آئے ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"جی تو نہیں چاہتا کہ تم جاؤ۔ لیکن۔"

"جی تو میرا بھی نہیں چاہ رہا مانی۔ تم نے تو جانے کیا کر دیا ہے مجھے۔" مانی کے

ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

نازیہ سارا سامان پیک کر چکی تو بیڈ پر مانی کے پہلو میں آبیٹھی۔

" جان من۔ " مانی نے اسے ایک جھٹکے سے اپنے سینے پر گرا لیا نازیہ اس سے لپٹ گئی۔ "

" مانی مانی۔ "

" ہوں۔ "

" مانی اب کیا ہوگا۔ "

" کیوں۔ "

" خدا جانے تمہارے والدین کب آئیں۔ "

" آجائیں گے اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ "

مانی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر قدرے اونچا کیا۔ نازیہ کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

" اے ہے ہے۔ " وہ ہنسا

" مانی۔ " اس نے اپنا چہرہ چھڑا کر اس کے سینے میں چھپ جانے کی کوشش کی۔ مانی نے اسے دبوچ لیا۔

" مانی۔ میرے لیے اب اک اک پل گزارنا مشکل ہوگا۔ " اس نے سر اٹھایا۔

" اپنا بھی یہی حال ہوگا۔ "

" کب تک ایسے رہنا پڑے گا۔ "

" جب تک ممی ڈیڈی نہ آجائیں۔ "

" ان کے آنے کی کب تک توقع ہے۔ "

" تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ "

" تم انہیں جلدی بلانے کی کوشش کرو نا۔ "

" خط لکھ دوں گا۔ "

" آج ہی لکھنا۔ "

" بہت اچھا۔ "

نازیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ بچھڑنے کے لمحے قریب آرہے تھے اس کا دل جیسے بیٹھا جا رہا تھا۔ مانی سے بچھڑنے کے غم کے ساتھ اک غیر محسوس سا خوف بھی ذہن میں تھا۔ گھر جانے کے خیال ہی سے ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔

" مانی۔ " اس نے کئی لمحوں کے بعد کہا۔

" ہوں "

" مجھے۔

" کیا بات۔

" مجھے گھر جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ "

" کیوں "

" پتہ نہیں۔ "

" پچھتاوہ تو نہیں آرہا۔ "

" کس بات کا۔ "

" اس شادی کا۔ "

" پچھتاوہ۔ ہیں شاید نہیں۔ لیکن پتہ نہیں۔ اک خوف سا اعصاب پر مسلط ہے۔ "

" بزدل کہیں کی "۔

وہ بستر سے نکل آیا۔ نازیہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

" تھوڑی دیر بعد مانی کپڑے بدل کر تیار تھا۔ نازیہ کو ٹیکسی میں بٹھانے جاتا تھا۔ اس نے فون کر کے ویٹر کو بلایا۔ تاکہ نازیہ کا سامان نیچے لے جائے۔

" نازیہ نے مانی کی طرف دیکھا۔ بے اختیارانہ اٹھی اور مانی سے لپٹ گئی۔ مانی بھی اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ اور جدا ہونے سے پہلے ٹوٹ کر پیار کیا۔

" پھر کب ملیں گے " اس نے نازیہ کی کمر کے گرد دونوں بازو حمائل رکھے۔

" پتہ نہیں۔ " وہ گیلی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

" ٹیوشن کے لئے نہیں آؤ گی " وہ ہنسا۔

" کچھ دن نہین آؤں گی "۔

" مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ کس دن آؤ گی "

" ٹونی سے پتہ کرتے رہنا۔ میں اسے بتا دوں گی "۔

دونوں کچھ دیر اسی انداز میں کھڑے رہے نازیہ نے پھر اسے واردات کے نازک پہلو کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ اپنے والدین کو جلد بلانے کے لئے آج ہی خط لکھنے کی تاکید کئی بار کی۔

ویٹر آگیا۔ اس کو سامان دے دیا گیا۔ وہ سامان لے کر چلا گیا۔

جدا ہونے کو جی تو نہ چاہ رہا تھا۔ لیکن بچھڑنے کے لمحے آن پہنچے تھے۔ نازیہ نے ہمہ

سپردگی سے اپنا وجود مانی کے تنومند بازوؤں میں چھوڑ دیا۔ اور مانی اپنے جذبات کی پوری تنومندی سے اپنے پیار کا اظہار کرنے لگا۔

ویٹر نے ٹیکسی روک لی تھی۔ اس نے فون پر مانی کو مطلع کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔

"چلو۔ ٹیکسی آگئی ہے" مانی نے نازیہ سے کہا۔

"وہ بجھے بجھے دل سے دروازے کی طرف بڑھی۔

ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے نازیہ نے مانی کو یاد دہانی کرائی۔ "آج ہی خط لکھنا مانی۔ پلیز اب دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

"اچھا۔ اچھا۔"

"خدا حافظ"

مانی نے ہاتھ اٹھا کر ہلایا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ نازیہ نے ٹیکسی والے کو اپنے گھر کا پتہ بتایا۔ اور گردن گھما کر مانی کو دیکھا۔

وہ اسے گردن موڑے اس وقت تک دیکھتی رہی۔ جب تک وہ نظر آتا رہا۔ گاڑی نے موڑ کاٹا تو اس نے سیٹ کے ساتھ سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

"کس طرف جانا ہے بی بی" ڈرائیور نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا تو نازیہ کو جیسے ہوش آیا۔ وہ تو خیالوں کی دنیا میں جانے کہاں پہنچ گئی تھی۔

ٹیکسی اس کے گھر سے آگے نکل آئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ پھر معذرتانہ انداز میں بولی۔ "ہم اگلی سڑک پر آگئے ہیں۔ گاڑی موڑو۔ مجھے پچھلی سڑک کے دائیں ہاتھ جانا تھا۔"

"ڈرائیور نے گاڑی موڑی۔ نازیہ اب اسے راستہ بتا رہی تھی۔ گاڑی اس کے گھر کے سامنے آگئی۔

"گیٹ کے اندر لے چلو۔" اس نے پورچ میں اباجی کی گاڑی کھڑی دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ یقیناً اسے کالج سے لینے کوئی بھی نہیں گیا تھا۔ ٹیکسی رکی۔ نازیہ نے کرایہ ادا کیا باہر نکلی۔ اس کا چھوٹا بھائی لان میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی شور مچایا۔ "آپا۔ نازیہ باجی۔ نازیہ باجی آگئیں۔ نازیہ باجی آگئیں۔"

بڑے پیار سے وہ نازیہ سے لپٹ گیا۔ نازیہ نے اسے پیار کیا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اک لمبے عرصے کے بعد وہ حمید سے مل رہی ہے۔

"اے نازیہ۔ ۔" جمشید گاڑی کی اوٹ سے نکل آیا۔ "تم تم کیسے آگئیں۔ میں تو

تمہیں آدھ گھنٹے تک لینے جارہا تھا۔"

جمشید کو دیکھ کر نازیہ کے جسم پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ بمشکل سلام کیا۔

"تم لوگ جلدی واپس آگئے تھے۔" جمشید نے قریب آکر پوچھا۔

"جی۔ بھائی جان۔ میں کافی دیر وہاں انتظار کرتی رہی۔ کوئی نہ آیا تو ٹیکسی۔"

"بھئی ہمیں جو وقت دیا تھا۔ اسی پہ آنا تھا نا۔" جمشید ٹیکسی سے اس کا سامان نکالا۔ "کتنے پیسے۔"

"بی بی جی نے دے دیئے ہیں۔" ڈرائیور بولا۔"

"نازیہ جلدی سے بولی"۔ جاؤ۔ تم جاؤ ڈرائیور۔"

"وہ ڈر گئی۔ کہیں ڈرائیور یہ نہ بتادے کہ وہ کالج سے نہیں ہوٹل سے آئی ہے۔

ٹیکسی چلی گئی۔

نازیہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اندر چل دی۔ پیچھے پیچھے حمید اور جمشید سامان اٹھائے آگئے۔

امی باورچی خانے میں تھیں۔ عابدہ اور بچے لاؤنج میں تھے۔ فدا علی عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

شور سا مچ گیا۔ "نازیہ باجی۔ نازیہ باجی۔"

عابدہ اسے بڑے پیار سے لپٹا لیا۔ شمو دوڑی آئی۔ امی کچن سے لپک کر آئیں۔

نازیہ کبھی کسی کے گلے مل رہی تھی کبھی کسی کے۔ سوال پہ سوال ہو رہے تھے۔ بچوں نے ادھم مچا دیا تھا۔ یہ سب کچھ اچھا ہی ہوا۔

نازیہ تھوڑی دیر کو ذہن پر مسلط وسوسوں کو جھٹکنے میں کامیاب ہوگئی۔

"کہاں کہاں کی سیر کی۔" عابدہ نے بڑے پیار سے صوفے پر اسے اپنے ساتھ بٹھالیا۔

دوسری طرف امی آبیٹھیں "ہائے ہائے میرا دل تو دو دنوں ہی میں بے طرح اداس ہوگیا تھا۔ ہر وقت دھیان تمہاری طرف ہی رہا۔"

"بھابی۔ اس کی شادی کر دی تو کیا کریں گی۔ یہ تو سیر کے لئے دو دن باہر گئی تھی۔ جب سسرال چلی گئی تو۔"

نازیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ماں اور پھپھو کے ساتھ وہ نگاہ نہ ملا سکی۔ سارا جسم مٹی کے تودے کی طرح بوجھل ہوگیا۔ عابدہ اور امی باتیں کر رہی تھیں۔ اور اس کے کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں اتر رہی تھیں۔ پھر امی اس کے لئے چائے تیار

کرنے اٹھ گئیں۔ سفر سے آئی تھی وہ۔

"تھکی ہوئی ہو۔" عابدہ نے کہا۔

"جی۔"

"جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو۔"

"اچھا۔"

وہ اوپر جانے کو اٹھی۔ ندا علی نماز پڑھ کر ادھر آ گئے۔ نازیہ نے سلام کیا۔ وہ جواب دینا بھی بھول گئے۔ ایک ٹک اسے تکے گئے۔

"وہی پھولدار آسمانی جوڑا۔ وہی جوڑا۔ وہی چہرہ۔ ایک بار تو وہ چکرا ہی گئے۔

عابدہ نے ندا علی کو یوں دیکھتے ۔ دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں جناب۔ ابھی تک یقین نہیں آیا۔ اسے وہی لڑکی سمجھ رہے ہیں۔"

"کونسی لڑکی" نازیہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ تو عابدہ ہنس ہنس کر اسے بتانے لگی۔ "کہتے ہیں نازیہ کو ہوٹل میں دیکھا۔ ہو نہ۔"

نازیہ کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں۔ وہ لڑکھڑا کر پھر صوفے پر گر پڑی۔ وہ تو خیر ہوئی جو عابدہ ندا علی ہی کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی گھبراہٹ اور چہرے کی زردی پر نگاہ نہ گئی۔ وہ دونوں آپس ہی میں الجھنے لگے تھے۔

نازیہ نے ہمت کی جلدی سے اٹھی۔ اور کچھ کہے بنا اوپر چلی گئی۔ جہاں اس نے اپنا وجود بوجھل سا محسوس کرتے ہوئے بستر پر گرا دیا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

"رات کھانے پر اباجی سے سامنا ہوا۔ انہوں نے اس کے مری کے ٹرپ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ سرسری طور پر پوچھا۔ نازیہ کے من میں خوف پھیل رہا تھا۔ کتنا بڑا کتنا جرأت مندانہ قدم وہ اٹھا چکی تھی۔ وہ سوچ سوچ کر ہی لرز رہی تھی۔ اباجی کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہو رہی تھی۔ وہ تو خیر ہوئی عابدہ ندا علی اور بچے آئے ہوئے تھے۔ شور شرابا مچا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگر وقت کی تھم جانے کی عادت ہوتی۔ تو نازیہ پر رات قیامت ٹوٹ پڑتی۔ اباجی کا سامنا تو وہ کر ہی نہ پا رہی تھی۔ اور معصوم سی امی کے متعلق سوچ سوچ کر باؤلی ہو رہی تھی۔ لیکن وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ اچھا برا جیسا بھی ہو۔ یہی اچھی بات ہے کہ رکتا نہیں۔ وقت کے اسی بہاؤ میں نازیہ نے سنبھالا لیا۔ وہ اپنے کئے پر پچھتا تو نہیں رہی تھی۔ لیکن پریشان ضرور تھی۔ لیکن یہ پریشانی بھی محبت کے طوفانوں میں دب گئی۔ اس کا خیال تھا۔ کہ پورا ہفتہ چھٹی کرے گی۔ دماغی اور جسمانی طور پر تھک گئی تھی نا۔

لیکن

ایک چھٹی بھی گراں تھی۔ وقت گزارنا مشکل تھا۔ مانی اپنی شخصیت کے سحر سمیت دل و دماغ پر چھایا تھا۔ واقعی اس سے بچھڑ کر جینا زندگی کی توہین تھی۔

تیسرے دن وہ کالج جا پہنچی۔ لڑکیاں مری کی سیر و تفریح کے قصے ایک دوسری کو مزے لے لے کر سنا رہی تھیں۔ خوب شاندار ٹرپ تھا۔ ہر لڑکی نے خوب انجوائے کیا تھا۔

اس کی پرانی سہیلیاں۔

گرد ہو گئیں۔

"ہائے نازیہ افسوس کہ تم نہ گئیں۔ ہم لوگوں نے بڑا مزہ کیا۔"

"کسی نہ کسی طرح اجازت لے لی لیتیں۔

"تمہارے گھر والے بھی بس اپنی قسم آپ ہیں۔"

"ایسا بھی کیا۔ ہم بھی تو لڑکیاں ہی تھیں۔ کون اٹھالے گیا ہمیں۔"

"کالج لائف کے یہی تو مزے ہیں۔"

"بہت لطف اٹھایا۔ راستے میں کتنا مزہ آیا۔"

نازیہ بغیر دھیان دیئے ان کی باتیں سنتی رہی۔ اسے اس ٹرپ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اس نے تو ٹرپ کے یہ دن اپنی زندگی کی حسین گھڑیاں سمیٹتے گزارے تھے۔ یہ لڑکیاں اسے بے وقوف سی لگ رہی تھیں۔ جو اک بے اہمیت ٹرپ کو اتنی اہمیت دے دے کر لطف

لے رہی تھیں۔

نازیہ کو ٹونی کی تلاش تھی۔ فری پیریڈ میں وہ کہیں نظر نہ آئی۔ لیکن ریسس میں اس نے اسے جا پکڑا۔ وہ کنٹین جا رہی تھی۔

"ہائے ٹونی۔" وہ اس سے لپٹ گئی۔

"اے ہے ہے۔" ٹونی نے مذاق میں اسے پرے دھکیلا۔

"کیا ہو گیا تجھے۔"

"بس کچھ ہو گیا۔ آ ادھر چل کر باتیں کرتے ہیں۔"

"کیوں۔ کینٹین میں نہیں ہو سکتیں۔"

"اوں ہوں۔"

"اتنی اہم باتیں ہیں۔"

"ہاں"

ٹونی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مستی سے کہا۔" کچھ نشہ زیادہ ہی چڑھا معلوم ہوتا ہے۔"

"واقعی ٹونی۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی اس طرف لے گئی۔ جہاں اکا دکا لڑکیاں تھیں۔ اور چھتنار درختوں تلے بینچ بچھے تھے۔

"ہوں۔" ٹونی ٹانگیں پسار کر ایک بنچ پر بچھ گئی۔ نازیہ ادائے ناز سے اس پر جیسے گر گئی۔ ٹونی دھکا دے کر ہنستے ہوئے کہا

"بے قابو کیوں ہوئی جا رہی ہو۔"

"ہائے ٹونی۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"ہوں روئیداد گوش گزار کرو۔ پچھلے چند دنوں کی" ٹونی بھی مستانہ انداز میں بولی۔

"پہلے یہ بتا"

"کیا۔"

"کل مانی آیا تھا۔ تمہارے ہاں۔"

"آں کل۔ شاید۔ کل میں گھر پہ نہیں تھی۔ شام انکل فراز کے ساتھ گئی تھی۔ شاپنگ کی۔ مووی دیکھی۔ اور۔"

نازیہ اٹھلا کر بولی" ان بڈھے بڈھے انکلوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گی تو۔"

شوخی سے آنکھیں گھما کر ٹونی بولی" تیرے مانی سے اچھے ہیں۔"

"واہ وا۔ بڑی آئی۔ میرے مانی کا مقابلہ کرنے والا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا جناب۔"

"اوہو۔ اتنا سر چڑھا چکی ہو اسے"

"سر کیا چڑھانا۔ روح میں اتار چکی ہوں اسے"

"بے وقوف کہیں کی۔"

"کیوں۔"

ٹونی نے نازیہ کے سراپا پر نگاہ ڈالی پھر بڑے ناصحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔" یہ دن صرف دل بہلانے کے ہوتے ہیں مائی ڈیر۔ دل دینے لینے کے نہیں۔ کیا سمجھیں۔"

نازیہ بھی ہنس کر بولی" میں تمہاری طرح صرف آوارگی کی قائل نہیں۔"

"اوئے ہوئے ہوئے" ٹونی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"سچ کہتی ہوں ٹونی۔" نازیہ سنجیدگی سے بولی۔

تھوڑی دیر دونوں یونہی چہلیں کرتی رہیں۔ پھر ٹونی قدرے سنجیدہ ہو کر بولی" اچھا سنا۔"

نازیہ چند لمحے سر جھکا کر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا۔"

ہنس کر ٹونی نے کہا۔ مری کا ٹرپ کیسا رہا۔ گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی۔ کوئی جھول تو نہیں رہ گیا تھا۔ پلان میں۔"

نازیہ نے کندھے اچکائے اور بولی" ہائے اللہ ٹونی۔ بھانڈہ پھوٹنے ہی کو تھا۔ میں تو۔"

"کیسے ؟؟ کیسے۔"

"تین دنوں میں ہم صرف ایک بار ہی ہوٹل سے باہر گئے۔"

"پھر"

"اتفاق دیکھو میرے پھوپھا اسی دن دوستوں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔"

ٹونی نے گھبرا کر کہا۔" پھر۔؟"

"انہوں نے مجھے دیکھا"

"ہائے پھر؟"

"پھر میری پھپھو سے کہا کہ نازیہ کو ہوٹل میں کسی مرد کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"ہائے۔" ٹونی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"لیکن سنو ناں۔" نازیہ اعتماد سے بولی" پھپھو تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ پھوپھا

سے لڑیں۔ اور پھر تصدیق کرنے ہمارے گھر آئیں "۔

ٹونی نے اطمینان کا سانس لیا۔ نازیہ ہنس کر بولی " میں تو مری گئی ہوئی تھی نا ؟ "

" جو پکڑی جاتی تو۔ تیرے گھر والے۔ ۔ تو تیری ہڈی بوٹی ایک کر دیتے۔"

" شوٹ کر دیتے جناب شوٹ "

" اچھا چھوڑ۔ بچ گئی تو اب بتا کیسے گزرے یہ دن ؟ "

" ہر روز روز عید ہر شب شب برات۔ " نازیہ رومانوی باتیں اسے بتانے لگی۔

ٹونی نے مستی سے نازیہ گدگدایا۔ پھر رازداری سے سرگوشی کی " کہیں ۔"

" فکر نہ کر ٹونی۔ تیری ممی نے وہ پلز۔ "

" اچھا۔ اچھا۔ "

دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ نازنہ کی پرانی سہیلیاں ادھر سے گزریں۔ ۔ ایک دوسری کو آنکھوں آنکھوں میں اشارے کیے۔ ٹونی کے متعلق وہ ایک کو تو بہت کچھ پتہ تھا نا۔

بیل ہوئی تو دونوں بنچ سے اٹھیں۔ دونوں نے اپنے اپنے کلاس رومز میں جانا تھا۔

" ٹونی۔ " اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے نازیہ نے کہا۔

" ہوں۔ "

" مانی آئے تو کہنا میں ٹیوشن کے لئے آیا کروں گی " وہ ہنسی۔

" اچھا بھئی۔ "

" دراصل بات یہ ہے کہ میں نے اسے کہا تھا۔ چند دن نہیں آؤں گی۔ لیکن اب اس سے جدا رہنا اپنے بس کی بات نہیں۔ آئے نا تو ضرور کہنا۔ میں پہلے کی طرح آیا کروں گی روزانہ۔"

" اچھا بھئی اچھا۔ " ٹونی اپنے کلاس روم کی طرف چلی گئی۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے نازیہ بھی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ مانی کے خیالوں ہی گم تھی۔ ٹونی سے مانی کی باتیں کر کے اسے سرور سا آگیا تھا۔ اس نے ٹونی کو بہت کچھ بتایا تھا۔

" ہاں نکاح والی بات نہیں بتائی۔ جانے کیوں ؟

صبیحہ رابعہ کے ہاں آئی ہوئی تھی۔ بیٹی سے ملنے تو آنا ہی تھا۔ لیکن آج ایک خاص مقصد بھی تھا۔ رابعہ گود والے بچے کو نہلا دھلا کر کپڑے بدل رہی تھی صبیحہ پاس ہی بیٹھی تھی۔ شعیب اور ماں کی باتیں ہو رہی تھیں۔

رابعہ نے امی کی ساری بات توجہ سے سنی۔ نازیہ اچھی لڑکی تھی۔ خوبصورت سمارٹ پڑھی لکھی اور اچھے گھرانے کی اکلوتی بیٹی۔ شعیب اور اس کے گھر والے بھی بہت اچھے تھے۔ لیکن کیا پتہ وہ لوگ شعیب کا رشتہ کرنا چاہتے بھی تھے یا نہیں۔ ہو سکتا تھا فیملی ہی میں بات ہو چکی ہو۔

رابعہ بیٹے کے اتارے ہوئے کپڑے ایک طرف کرتے ہوئے بیٹے کو ماں کی گود میں دیتے ہوئے مسکرا کر بولی " عجیب سا لگتا ہے امی خود جا کر کہیں کہ ہمارے خاندان کی لڑکی ہے رشتہ کر لو۔"

صبیحہ بچے کے گال پر پیار کرتے ہوئی بولی " تو تو نری پاگل ہے رشتے کی بات اس طرح کی جاتی ہے۔ "

" تو پھر کس طرح کی جاتی ہے۔"

اس نے پاؤڈر کا ڈبہ اور لوشن کی شیشی اٹھاتے ہوئے کہا۔ " ویسے لڑکا بہت اچھا ہے۔ نیک شریف اور کماؤ۔ اتنا بڑا بزنس ہے اب تو ریاض میں بھی ایک دفتر کھولا ہے۔ پچھلے دنوں سعودی عرب گیا ہوا تھا۔"

" تو رہنے دے میں تیری ساس سے بات کرتی ہوں۔"

" ہاں امی۔ ماں جی اماں کی بے تکلف ملنے والی ہیں۔ "

" بات چھیڑ تو دیں۔ نصیب کھلا۔ تو شاید رشتہ ہو ہی جائے۔"

" ہو جائے تو بہت اچھا ہے نازیہ کی تو قسمت کھل جائے۔

اتنے اچھے لوگ ہیں۔ پرانے خاندانی لوگ ہیں۔ سنا ہے شعیب کا دادا اور پردادا اپنے وقت کے رئیس تھے۔ "

" ہوں گے۔ ہمیں تو شعیب کو دیکھنا ہے۔"

" وہ لاکھوں میں ایک ہے۔۔۔"

" پھر تو رشتہ ہو ہی جانا چاہئے۔"

" آپ اماں سے بات کریں۔ وہی رابطہ بن سکتی ہیں۔"

" ٹھیک ہے صفیہ ہی سے بات کرتی ہوں۔" صبیحہ نے کہا

" اوپر ہیں اماں۔ آپ ان کو کہیں آپ کو اس خاندان کے متعلق سب کچھ بتا دیں گی۔"

رابعہ کو نازیہ ویسے بھی بہت اچھی لگتی تھی۔ اتنی اچھی جگہ اس کا رشتہ ہو جاتا تو اسے بے حد خوشی ہوتی۔

" ویسے اماں۔" رابعہ نے صبیحہ سے کہا "نازیہ ان لوگوں کو ضرور پسند آئے گی۔ اور یہ بات بن جائے تو سمجھیں نازیہ کی تقدیر جاگ اٹھی۔"

" پہلے بات تو چلائے تیری ساس۔"

" آپ ان سے کہیں تو سہی۔"

" تو اپنا کام سمیٹ میں منے کو لے کر اوپر جاتی ہوں۔"

" اچھا اماں۔"

رابعہ بچے کے اترے ہوئے کپڑے اور دوسری چیزیں اٹھانے لگی۔ صبیحہ نے موٹے تازے چھ ماہ کے منے کو کندھے سے لگایا اور کمرے سے نکل آئی۔ صفیہ اوپر اپنے کمرے میں تھی۔ صبیحہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی

گوری چٹی بھاری بھرکم صفیہ اپنے کمرے میں پلنگ کے قریب بچھی چوبی چوکی پر بیٹھی تھی۔ موٹاپا سو بیماریوں کی جڑ تھا۔ ہائی بلڈ پریشر کے علاوہ گھٹنوں کی تکلیف تھی۔ چلنا پھرنا مشکل تھا۔ زیادہ تر کمرے ہی میں رہتی۔ رابعہ خدمت گزار بہو تھی۔ کھانا چائے وقت پر اوپر ہی دے جاتی تھی۔ صفیہ بہو سے خوش تھی۔

دونوں سمدھنیں بڑے تپاک سے ملیں۔ احوال پرسی ہوئی صبیحہ اس کے قریب ہی تخت کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

" کرسی پر بیٹھوں بہن۔" صفیہ نے کہا۔

" نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

" ہائے بہن کس طرح آڑی ترچھی ہو کر بیٹھی ہو۔ کرسی پر بیٹھو۔ میرے سامنے۔"

" صفیہ نے منا اس کی گود سے لے لیا اور اچھالتے ہوئے صبیحہ کو کرسی پر آرام سے بیٹھنے کے لئے کہنے لگی۔

صبیحہ کرسی چوکی کے قریب گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

صبیحہ صاف ہی مطلب پر آ گئی۔ ماں جی کا ذکر صفیہ نے ہی کیا۔" میری منہ بولی بہن ہے۔ یہ پاس ہی رہتی ہیں۔ آجکل ان کا بتایا ہوا علاج کر رہی ہوں۔"

" شعیب کی امی۔" صبیحہ نے جلدی سے کہا۔

" ہاں ہاں وہی۔ تم شاید ملی بھی ہو ان سے عقیقے پر آئی ہوئی تھیں نا۔ ان کے پاس کوئی خاندانی نسخہ تھا جوڑوں کے درد کا۔ دیسی دواؤں کا۔ گولیاں بیچاری نے خود ہی بنا کر دی ہیں۔ کھا رہی ہوں آجکل۔"

" کچھ افاقہ ہوا۔"

" ابھی تو دو دن ہوئے شروع کی ہیں۔ کہتی ہیں ان گولیوں سے بہت سے لوگوں کو آرام آیا ہے۔"

" خدا کرے تمہیں بھی راس آجائیں۔"

" ہاں بہن۔ اس درد نے تو اپاہج بنا کر رکھ دیا ہے۔ ڈر ہی لگتا ہے کہیں بالکل ہی چلنے پھرنے سے نہ رہ جاؤں۔"

" اللہ نہ کرے۔ خدا تندرستی دے۔"

" آمین۔"

پھر جو باتیں شروع ہوئیں تو ماں جی ہی کا ذکر خیر ہوتا رہا۔ اور باتوں باتوں میں صبیحہ نے کہہ دیا " ان کا لڑکا شادی شدہ ہے۔"

" نہیں۔ ابھی شادی نہیں کی۔ لڑکی کی تلاش ہے۔ اچھا خاندان اور شریف لڑکی چاہتی ہیں۔"

" یقیناً ہر کوئی یہی چاہے گا۔"

" نہیں صبیحہ۔ انہیں اور کوئی لالچ نہیں۔ نیک شریف اور خوبصورت لڑکی جو باعزت خاندان کی ہو۔ انہیں یہی چاہئے۔ بہت سے رشتے ہیں۔ لیکن کہیں گھرانہ پسند آیا۔ تو لڑکی مطلب کی نہ ملی۔ اور کہیں لڑکی پسند آئی تو گھربار اچھا نہ ملا۔"

"ابھی کہیں بات پکی نہیں ہوئی اس کا یہ مطلب ہے۔"

" سرے سے بات چلی ہی نہیں ابھی۔ بس جس دن مطلب کا رشتہ ملا بات ہو جائے

گی۔"

صبیحہ نے نازیہ کا ذکر کر دیا...... صفیہ نے نازیہ کو دیکھا ہوا تھا۔ رابعہ کی شادی تین سال قبل ہوئی تھی۔ نازیہ ان دنوں سولہ سترہ سال ہی کی تھی۔

۔ صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ "کاش میرا ایک اور بیٹا ہوتا۔ تو میں اس لڑکی کو بھی اڑا لے جاتی۔" اس کے بعد بھی کبھی کبھار نازیہ کی شادی بیاہ پر مل ہی جاتی تھی۔

صفیہ تو نازیہ کے نام پر خوشی سے جیسے اچھل پڑی۔ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی "ستیاناس اس ذہن کا۔ حد ہو گئی۔ اتنی پیاری بچی خاندان میں موجود۔ اور خیال ہی نہیں آیا کبھی۔"

"لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔ خاندان کی شرافت اور عظمت کسی سے چھپی نہیں ۔ ریحانہ کو تو تم ملی ہو۔ میں کہتی ہوں عورت نہیں فرشتہ ہے۔ اللہ کا فضل ہے روپے پیسے کی بھی کمی نہیں۔"

"روپیہ پیسہ ہو نہ ہو۔ لڑکی انہیں ایسی ہی چاہئے۔"

"بات چلاؤ پھر۔"

"اپنے ہاتھ میں ہے یہ رشتہ۔ مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ اب تک ذہن میں آیا کیوں نا نازیہ کا خیال۔"

"تم اب ضرور بات کرنا۔ ریحانہ کو بھی اچھے رشتہ کی تلاش ہے نا۔ ویسے تو رشتے پہ رشتے آ رہے ہیں لیکن اکلوتی بیٹی ہے۔"

"لڑکا بھی اکلوتا ہے اور ہیرا ہے ہیرا۔ میں بات کروں گی۔ زاہدہ بھی آئی ہوئی ہے آجکل۔"

"زاہدہ کون۔"

"شعیب کی بڑی بہن کویت میں ہوتی ہے۔ وہ تو اس دفعہ آئی اسی لئے ہے کہ بھائی کا گھر آباد کر جائے۔ دو بہنیں ہی ہیں شعیب کی۔ دوسری یہیں ہے ۔ بڑے عزت دار اور شریف لوگ ہیں۔"

"تو پھر کرو بسم اللہ۔"

"انشاء اللہ۔"

صبیحہ شام واپس آئی۔ واپس آنے سے پہلے صفیہ کو تاکید کرتی آئی۔ "ان سے بات کرو۔ وہ خواہش مند ہوں تو آکر دیکھ لیں لڑکی اور گھربار۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں صرف بات ہی نہیں کروں گی۔ انشاء اللہ رشتہ کروانے کی بھی

پوری کوشش کروں گی۔"

"نیکی کا کام ہے۔"

"خدا توفیق دے نیکی کا کام کرنے کی۔"

"اچھا پھر جو بات بھی ہوئی مجھے اطلاع کر دینا۔"

"اچھا۔ دو چار دنوں ہی میں پیغام مل جائے گا تمہیں۔"

اور واقعی تیسرے دن صفیہ نے پیغام بھجوا دیا کہ زاہدہ شاہدہ اور ماں جی نازیہ کو دیکھنے آنا چاہتی ہیں۔

" صبیحہ تو خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ بھاگم بھاگ ریحانہ کے ہاں پہنچی اور یہ خوشخبری اسے سنائی۔

"پڑھا لکھا ایسا کماؤ اور نیک شریف لڑکا۔ جس کا خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ ریحانہ کو اور کیا چاہئے تھا۔

"وہ پرسوں شام آجائیں؟" صبیحہ نے ساری باتیں کرنے کے بعد پوچھا۔

"آپ جب مناسب سمجھیں۔" ریحانہ نے کہا۔

"پرسوں چار بجے شام کا کہہ دوں؟۔ چائے ہمارے ساتھ پئیں۔ تم بندوبست کر لینا۔"

"بندوبست ہو جائے گا۔ بس خدا کرے ہم لوگ انہیں پسند آجائیں۔"

"آئیں گے کیوں نہیں۔ اپنی بیٹی ماشاء اللہ اللہ چندے آفتاب چندے ماہتاب۔"

"نصیب اچھے ہوں صبیحہ بھابی۔"

"آمین۔"

اتفاق سے نازیہ کے ابا جی بھی گھر آگئے۔ صبیحہ نے خود ہی ان سے بات کی۔ شعیب کی جتنی خوبیاں صفیہ سے معلوم ہوئی تھیں ان میں کئی گنا اضافہ کر کے انہیں بتایا۔

"بھابی میں تو تقدیر کا قائل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنا دیئے ہوئے ہیں۔ شعیب اور نازیہ کا جوڑا اللہ تعالیٰ نے باندھا ہوا ہے تو پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اور اگر اسے منظور نہیں تو پھر کوئی طاقت بھی بندھن نہیں باندھ سکے گی۔"

صبیحہ نے ہنس کر بولی "بس لکھ لو۔ یہ جوڑا اللہ میاں نے خود ہی بنایا ہے میرا دل کہتا ہے۔ کہ یہ رشتہ ہو جائے گا۔"

"انہیں آنے تو دیں۔ ہم بھی ان لوگوں کا اتہ پتہ کر لیں۔ وہ بھی ہمارے متعلق جان بوجھ لیں۔" ریحانہ خوش ہو کر بولی۔

نازیہ کے ابو بھی اس رشتے کا سن کر خوش ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے پیش از وقت کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ہاں صبیحہ اور ریحانہ تو شادی بیاہ تک کے بھی پروگرام بنانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"ٹونی کی بچی۔"

"کیا ہے۔"

"کہاں مر گئی تھی۔"

"کیوں۔"

"دو دن سے کالج کیوں نہیں آ رہی۔"

"بہت مس کیا مجھے۔"

"تجھے نہیں۔ تیرے اس ہوتے سوتے کو۔"

"یعنی مانی صاحب کو۔"

"تو اور کیا۔ کچھ اتہ پتہ ہی نہیں دو دن تجل خوار ہوتی رہی ہوں گھنٹہ گھنٹہ بھر کالج کے پچھواڑے کھڑے رہ کر اس کی راہ دیکھی۔ تو بھی نہ آئی جو پتہ چلتا کچھ۔"

"اچھا جی۔ اس لئے اتنی بے تابی سے میرا انتظار تھا۔"

"تو اور کیا۔ کیوں نہیں آ رہی تھی کالج۔"

"طبیعت خراب تھی۔"

"جھوٹی کہیں کی۔"

"نہیں مانتی تو نہ مانو۔"

"اچھا بھئی خراب تھی یا ٹھیک۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے تو مانی کا بتاؤ۔ میں دو دن بہت ہی پریشان رہی ہوں۔"

"آج ٹھیک ہو۔"

"ٹونی بک بک نہ کئے جاؤ۔ بتاؤ۔ مانی آیا تھا تمہارے ہاں۔"

ٹونی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں کالج کے بیرونی لان میں ایک درخت تلے بیٹھی تھیں۔ نازیہ کا سائیکالوجی کا پیریڈ آج فری تھا۔ مس حشام آج آئیں نہیں تھیں۔ ٹونی یونہی اردو کی کلاس چھوڑ آئی تھی۔ وہ

کالج میں پڑھنے تھوڑا ہی آتی تھی- ممی کی ہدایت پر اچھی اچھی بھولی بھالی لڑکیوں کو دوست بنا کر ممی سے ملانے کی راہیں ہموار کرنا کام تھا-

جو لڑکیاں کہیں سے اڑتی اڑتی خبریں اس کے متعلق سن لیتی تھیں- وہ تو اس کے سائے سے بھی گریزاں ہوتی تھیں- لیکن جن لڑکیوں کو اس کے کردار کا پتہ نہ تھا- اس کی دوستی کے جال میں پھنس جاتی تھیں- ان دنوں تھرڈ ائر کی عاصمہ اور فسٹ ائر کی حسین ترین لڑکی صبوحی سے اس کی دوستی چل رہی تھی-

"کب آیا تھا مانی-" بڑی بے تابی سے درخت کے تنے سے ٹیک ہٹاتے ہوئے اس کی طرف جھک گئی-

" آں- " ٹونی سیدھی ہو بیٹھی-

" بتاؤ نا کب آیا تھا- "

" شاید پرسوں- "

" پرسوں- "

" ہاں- "

" تو پھر مجھے ملنے کیوں نہیں آیا- میں دو دن متواتر کالج کے- "

" بھئی نہیں آسکا ہوگا- ہاں سچ تم نے ہی تو کہا تھا- کہ کچھ دن نہیں آؤں گی ٹیوشن کے لئے- "

" اے کوڑھ مغز لڑکی- میں نے تمہیں کہا تو تھا- وہ آئے تو کہہ دینا- کہ مجھے لینے آجائے میں ٹیوشن کے لئے آیا کروں گی- "

" سوری- "

" سوری کی بچی- "

" چلو ایسی بے تابی اچھی نہیں ہوتی- تھوڑا سا وقفہ بھی آنا چاہئے- تڑپ بڑھتی ہے اس طرح- ملنے کی امنگ شدید ہوتی ہے- پیار بڑھتا ہے- "

" وادی لالہ جی یہ وعظ بند کریں- میں مانی کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی- وہ آئے تو اسے کہہ دیں- "

" اچھا بھئی اچھا- آج آیا تو کہہ دوں گی- کل آجائے گا تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا- "

" سچ سچ میرا کلیجہ جل رہا ہے ٹونی- پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے--- جی چاہتا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دوں- "

" کچھ ایسی ہی خرافات وہ بھی بک رہا تھا- " ٹونی نے ہنس کر کہا تو نازیہ بے تاب ہو گئی-

" سچ- "

" ہاں- "

" کیا کہتا تھا- "

" پتہ نہیں ممی ہی سے حال دل کہہ رہا تھا-- نازیہ میری زندگی ہے نازیہ میری یہ ہے نازیہ میری وہ ہے میں اپنے پیرنٹس کو ٹیلی گرام دے رہا ہوں اسی ماہ آجائیں- وغیرہ وغیرہ-

" ہائے- " نازیہ نے سینے پر ہاتھ باندھ کر آنکھیں بند کرلیں اور چشم تصور میں مانی کا سحر انگیز سراپا بھر لیا-

دونوں شاید کچھ اور باتیں بھی کرتیں کہ عصمہ جولی فاخرہ وغیرہ قریب کے درخت تلے آن کھڑی ہوئیں-

دونوں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا-

" لیکن بیل ہونے پر دونوں اٹھ کر جب اپنے اپنے کلاس رومز کی طرف جانے لگیں تو نازیہ نے یاد دہانی کرائی-

" ٹونی آج وہ آئے تو ضرور کہہ دینا- میں کل ٹیوشن کے لئے آؤں گی- "

ٹونی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلایا اور دائیں برآمدے میں چلی گئی-

نازیہ بہت خوش تھی کل مانی سے ملنے کا خیال مسرت افزاء تھا- وہ خوش خوش گھر آئی-

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے کسی خوشگوار سی تبدیلی کا غیر معمولی سا احساس ہوا-

شمو نے حسب عادت آتے ہی سلام مارا اور لپک کر اس کے ہاتھ سے کتابیں اور چادر پکڑلی-

وہ لاؤنج میں آئی- امی شمو کی امی سے کہہ رہی تھیں " ایک بار پھر ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر آ--- "

" خیریت ؟- " نازیہ نے ماں کو سلام کر کے بڑے خوشگوار انداز میں کہا-

" سب خیریت- " امی بڑے مسحور کن انداز میں مسکرائیں-

" کیا بات ہے امی- " اس نے گردوپیش نگاہ ڈالتے ہوئے ہنس کر کہا-

" تو بوجھ- کیا بات ہے ؟- "

اس نے منہ بنایا۔ ہونٹ ٹیڑھے کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"مجھے کیا پتہ۔"

"اچھا جا۔ جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدل لے۔ تیرے کپڑے شمو نے استری کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ وہی نارنجی کپڑے پہننا۔۔۔"

"کیوں۔ کوئی خاص بات ہے جو وہی نارنجی کپڑے پہنوں۔"

"بہت سجتے ہیں تجھے۔ نکھر آتی ہو ان کپڑوں میں۔"

نازیہ کا من خوش تھا۔ اس لئے ماں کی بات پر مسکرا دی۔ کچھ کچھ احساس بھی ہوا۔ کہ یہ ساری تیاریاں کس خاص مقصد کے لئے ہو رہی ہیں۔

وہ خود ہی بولی "کوئی آ رہا ہے؟"

"ہاں۔" امی کی خوشی دید کے قابل تھی۔ "آج ٹیوشن کے لئے نہیں جانا کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

نازیہ آج بالکل بھی نہیں گھبرائی۔ لوگ تو آتے ہی رہتے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی۔ کہ ڈھنگ کے لوگ کبھی آئے نہیں تھے۔ جان بچ ہی جاتی تھی۔ آج بھی جو لوگ آ رہے تھے۔ ضروری نہیں تھا۔ کہ اباجی یا امی کے معیار پر پورے ہی اتریں۔ پھر ایک جھپک ہی تو سب کچھ نہیں ہو جاتا تھا۔ اسی ماہ اس کے ماہی کے والدین نے آ جانا تھا۔ بس پھر کیا؟ سب کچھ آپوں آپ ٹھیک ہو جانے کو تھا۔

نازیہ اسی لئے آج متفکر ہوئی نہ پریشان۔ نہ ہی آنے والوں کے ذکر کو کوئی لفٹ دی۔ سیدھی کچن میں گھس گئی۔

کچن میں پر تکلف چائے کے لوازمات کا اہتمام تھا۔ کیک پیسٹری بسکٹ۔ مٹھائیاں نمکین چیزیں شامی کباب رولز اللہ جانے کیا کیا بلا بتر خاکی لفافوں اور پیالوں میں بھرا رکھا تھا۔ نازیہ نے کسی لفافے سے سموسہ چکھا کسی سے نمک پارے۔ گلاب جامن بھی اٹھا کر منہ میں ڈالا۔ ایک دو رولز بھی کھائے۔

اس نے مختلف چیزیں چکھتے چکھتے ہی پیٹ بھر لیا۔ شمو اس کی کتابیں چھوڑ کر نیچے آ گئی تھی۔

"باجی۔" وہ کچن میں آ گئی "کھانا گرم کروں باجی۔"

"باجی کی کچھ لگتی۔ ایک کپ خوب مزیدار سی چائے بنا کر اوپر لے آؤ۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

"اچھا جی۔ وہ کپڑے میں نے استری کر کے رکھ دیئے ہیں۔ وہی پہن لیں۔"

"اچھا سرکار۔"

نازیہ مسکراتے ہوئے کچن سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

ساڑھے چار بجے کے قریب صبیحہ زاہدہ شاہدہ اور ماں جی کے ساتھ آ گئی۔

تقدیر کی آنکھ کا لینز نازیہ کے سراپا ہی کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

عکس پڑا کہ مقید ہو گیا۔

ماں جی زاہدہ اور شاہدہ تو ریحانہ کے اخلاق اور انداز سے بیحد متاثر ہوئی تھیں۔ نازیہ کو دیکھا تو پسند کا فیصلہ آپوں آپ ہی ہو گیا۔ وہ انہیں اتنی پسند آئی کہ اسی وقت اس موہنی صورت والی لڑکی کو اڑا لے جانے کو جی چاہنے لگا۔

نازیہ تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس بیٹھی۔ پھر اٹھ کر اوپر چلی گئی۔ ضرورتاً اس نے مہمانوں سے ملنے کا فرض نبھایا تھا۔ وہ ماں باپ یا گھر والوں کو شک کا جھول دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے نارمل طریقے سے مہمانوں سے ملی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔

لیکن یہاں تو ماں بیٹیاں مفتون ہو گئیں۔ چہرے مسکرا اٹھے آنکھیں مچلنے لگیں اور باتوں میں ترنم گھل گیا۔ انہیں شعیب کے لئے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ ایسے ہی لوگ درکار تھے۔ ایسا ہی خاندان مطلوب تھا۔

ماں جی سیدھی سادی کھری عورت تھیں۔ چپکے چپکے بیٹیوں سے بات کی۔ لڑکی کے گھر والوں کو تذبذب میں مبتلا رکھنا اچھا نہیں تھا۔ وہ اسی وقت اپنا فیصلہ سنا دینا چاہتی تھیں۔

چائے پی گئی۔ باتیں ہوتی رہیں۔

جب مہمانوں نے جانے کی اجازت چاہی تو ریحانہ سراپا انکسار تھی۔ ماں جی نے ریحانہ کو گلے لگایا۔ پیار کیا اور بڑی شفقت سے بولیں

"آپ کی بچی ہمارے دل میں اتر گئی ہے۔ ہم اپنا دامن آپ کے سامنے پھیلا رہے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ ہمیں خالی نہ لوٹائیں۔"

ریحانہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ خوشی سے بات منہ سے نہ نکل سکی۔

زاہدہ جلدی سے بولی "آپ ہمارے متعلق جہاں سے چاہیں پتہ کر لیں۔ آپ کا حق ہے پوری چھان بین کریں۔ ہمارا بھائی ماشاء اللہ اس قابل ہے کہ کسی بھی معیار پر پورا اتر سکے۔"

"صبیحہ جلدی سے بولی "بی بی سب ٹھیک ہے۔ خدا کو منظور ہوا۔ تو ہر کام حسب منشا

ہو جائے گا۔ لڑکی والے ہیں۔ اپنے طور پر تسلی تو کریں گے۔"

"ضرور ضرور۔" ماں بیٹی نے کہا۔

"بس پھر انشاء اللہ چند دنوں تک آپ کو میں ہی مطلع کر دوں گی۔" صبیحہ بولی۔

ماں جی تو چاہتی تھیں اسی وقت ریحانہ ہاں کہہ دے۔ لیکن ریحانہ مصلحتاً خاموش تھی۔ بس ہولے ہولے مسکرائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

تیسرے دن بھی وہ نہ آیا۔

نازیہ کی پریشانی کی حد نہ رہی۔ کالج کے پچھواڑے درخت تلے کھڑے اس کی راہ تکتے ٹانگیں شل ہو جاتی تھیں۔ لیکن وہ نہیں آرہا تھا۔ جھنجلاہٹ غصہ اور پریشانی نازیہ کے اعصاب پر مسلط تھی۔ وہ کم بخت ٹونی بھی تو کالج سے پھر غائب تھی۔ وہی آتی تو کچھ پتہ چلتا۔

لیکن

آج تیسرے دن بھی انتظار کی زحمت سے دوچار ہونا پڑا تو نازیہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ وہ زیادہ دیر درخت تلے نہیں ٹھہری۔ سڑک پر آئی رکشہ پکڑا اور ٹونی کے گھر آپہنچی۔

ٹونی کراچی گئی ہوئی تھی۔ اپنے کسی انکل کے ساتھ۔ ہاں اس کی ممی گھر پہ ہی تھی۔

نازیہ پریشان تھی۔ پورا ہفتہ گزر گیا تھا۔ مانی ملا تھا نہ ہی اس کا کوئی پیغام۔۔ ٹونی ہی سے اسے پتہ چلا تھا کہ وہ ممی کے پاس آیا تھا۔

ممی حسب عادت مسکرا کر ملیں۔ ان کے کچھ ملنے والے آئے ہوئے تھے۔ اس لئے نازیہ کو ٹونی کے کمرے میں بیٹھ کر کافی دیر ممی کے تنہا ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔

ممی فارغ ہوئی تو نازیہ ان کے پاس آگئی۔

"ٹونی کراچی گئی ہوئی ہے۔ ایک ہفتے بعد آئے گی" ممی نے بتایا۔" اس کے انکل فراز مصر تھے۔ کہ ٹونی کو کراچی ساتھ لے جائیں گے۔ آنٹی مصرانے بھی بلایا تھا۔ میں نے سوچا ہو ہی آئے۔"

"جی۔"

"کیا بات ہے چپ چپ ہو۔"

"ممی۔"

"ہوں۔"

"مانی کہاں ہے۔"

"مانی۔ ملا نہیں تمہیں۔ پرسوں تو آیا تھا۔ شاید ترسوں۔"

"پھر؟"

"ٹونی نے اسے کہا تھا کہ تمہیں ملے۔"

"پھر۔ پھر کیوں نہیں آیا وہ۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے کوئی کام پڑ گیا ہو۔ اس نے اپنے پیرنٹس سے بھی تو ملنے جانا تھا۔"

نازیہ خوفزدہ ہو کر ایک دم کہہ اٹھی "کہاں۔ امریکہ ؟۔"

"امریکہ ؟" می نے اس سے بھی زیادہ حیرانگی سے کہا پھر سر ہولے ہولے ہلاتے ہوئے بولی۔" کراچی کہہ رہا تھا مجھے تو۔"

نازیہ کی جان میں جان آئی۔" جلدی سے بولی۔ "اچھا اچھا۔ تو اس کے پیرنٹس آ گئے ہیں۔ انہیں لینے کراچی گیا ہو گا۔ ٹیلی گرام دیا تھا نا انہیں جلد آنے کے لئے۔"

می نے سر یونہی ہلا دیا پھر اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ "اتنی پریشان نہ ہوا کرو۔"

"وہ۔ وہ می۔" وہ شرما گئی۔

"اور سب تو ٹھیک ٹھاک ہے نا۔" جہاندیدہ انداز میں می نے کہا۔

"جی۔" وہ لال ہو گئی۔

چائے کی پیالی پی کر وہ می کے ہاں سے کالج آ گئی۔ اسے گھر سے لینے کوئی نہیں آیا تھا۔ اس لئے رکشہ پکڑا اور گھر آ گئی۔ اب تو اکیلے کہیں آتے جاتے اسے قطعاً ڈر نہیں لگتا تھا۔ خوب ہوشیار ہو گئی تھی۔ بات بنانے کا گر بھی آ گیا تھا۔ اور ماں کو چکمہ فریب دینے میں بھی ماہر ہو چکی تھی۔ ہاں کبھی کبھی اباجی اور بھائیوں سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ چوری پکڑے جانے کے خیال ہی سے کپکپی آ جاتی تھی۔

لیکن عمر ایسی تھی۔ حالات اس طرح بن چکے تھے۔ کہ وہ آنکھیں بند کئے ڈھلان پر سے پھسلتی جا رہی تھی۔ یہ پھسلنا ایک کھیل کی طرح دلچسپ بھی لگتا تھا۔ اور لطف بھی دیتا تھا۔ گرد پیش کی جیسے خبر ہی نہ تھی۔ ہر طرف سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور کانوں کو بند کر لیا تھا۔

آٹھ دس دن گزر گئے۔

لطف آمیز انتظار تھا۔ وہ مطمئن تھی۔ کہ مانی اپنے والدین کو لینے کراچی گیا ہوا ہے یقیناً امریکہ سے وہ کراچی آئے تھے۔

ان آٹھ دس دنوں میں گھر میں بھی بہت کچھ ہوا۔ امی صبیحہ تائی اور اپنی نندوں بھاوجوں کے ساتھ شعیب کے گھر بھی ہو آئیں۔ اور اباجی نے شعیب کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لئے اپنے دوستوں سے بھی کہہ دیا۔ جمشید کے دو دوست اسی علاقے میں رہتے تھے۔ ان سے بھی معلومات حاصل کر لی گئیں۔

گھر میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ نازیہ اس سے پوری طرح باخبر نہ تھی۔ تو بے خبر بھی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی بات سے متفکر اور پریشان نہ تھی۔ مانی اپنے ماں باپ کو لے کر آنے ہی والا تھا۔ ان کے آتے ہی سب معاملہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔

لیکن

آٹھ دس دن نہیں پندرہ بیس دن گزر گئے۔ مانی نہیں آیا۔ اب نازیہ کا دل دہل دہل گیا۔ وہ کتنی ہی دفعہ ٹونی کے گھر گئی۔ لیکن مانی کا می کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ پہلے پہلے تو می پیار دلاسہ دے دیتی تھی۔ لیکن روز ہی نازیہ مانی کو پوچھنے جانے لگی۔ تو می کا رویہ بدلنے لگا۔

اس دن تو نازیہ ششدر سی رہ گئی۔ اس نے می سے روہانسی آواز میں پوچھا تھا "می مانی کہاں چلا گیا۔ وہ نہ آیا تو کیا ہو گا۔"

می نے درشت لہجے میں کہا تھا۔ کیا ہو گا؟ مجھے کیا پتہ۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہئے تھا۔ ایسے نوجوان کسی کے میت نہیں ہوتے۔ عیش اڑایا اور چل دیئے۔ تم چھوٹی بچی تو نہیں تھیں۔ سوچا سمجھا ہوتا۔"

وہ پھٹ جانے کی حد تک کھلی آنکھوں سے می کو تکتی رہ گئی تھی۔ اور می غصے اور طنز سے پھنکارتی ہوئی اٹھ کر دوسرے کمرے میں فاخرہ اور ناصر کے پاس چلی گئی تھی۔ جن کی ٹونی کی وساطت سے حال ہی میں دوستی ہوئی تھی۔

می نے دروازے سے نکلتے نکلتے کہہ دیا تھا "میرا نہیں خیال کہ مانی اب لوٹے گا۔ تم اس کے لئے پہلی لڑکی نہیں تھیں۔"

نازیہ کا دماغ چکرا گیا تھا۔ اور جانے کیسے وہ وہاں سے اٹھ کر سڑک تک آئی تھی۔ رکشہ پکڑا تھا اور گھر پہنچ گئی تھی۔

وہ رات اس پر عذاب کی رات تھی۔ می کی باتوں کی گونج کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہی تھی۔ اگر مانی واقعی واپس نہ لوٹا تو۔

تو۔

وہ اس سے آگے سوچ ہی نہ سکتی تھی۔ ساری رات اس نے عالم اضطراب میں بسل

کی طرح تڑپتے گزاری۔

صبح وہ کالج گئی۔ لیکن گیٹ ہی سے واپس پلٹ آئی۔ اس نے اپنے طور پر مانی کو کھوجنے کا ارادہ کیا۔ ممی کو دل ہی دل میں کوسا برا بھلا کہا۔ اور پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ سوچا۔ کہ مانی اس کا ہے ماں باپ کو لے کر واپس آئے گا۔ ہو سکتا ہے آ بھی گیا ہو۔ اس لئے نازیہ نے سیدھے گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔۔۔'

مانی نے ایک دفعہ اسے باہر ہی سے اپنا گھر دکھایا تھا۔ وہ سڑک اور بلاک اسے یاد تھی۔ گھر بھی ذہن نشین تھا۔

اس نے رکشہ پکڑا۔ اور مانی کے گھر کی طرف چلدی۔

کئی سڑکیں کئی بلاک گھوم کر وہ اس خوبصورت اور جدید طرز کی عمارت کے سامنے پہنچ ہی گئی۔

اس کا دل اچھل اچھل کر حلق میں آنے لگا۔ رکشہ اس کوٹھی کے سامنے رک گیا۔

لیکن وہ اندر ہی بیٹھی رہی۔ تذبذب کے عالم میں تھی۔ کیا اسے بے دھڑک مانی کے گھر چلے جانا چاہئے۔؟

اگر اس کے والدین آ گئے ہوئے۔ تو کہیں برا تو نہ مان جائیں گے کہ ہونے والی بہو ایسی بے صبری ہے۔

کش مکش کے عالم میں کئی لمحے بیت گئے تو رکشے والے نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

" بی بی۔ یہیں اترنا ہے ؟"

" آں۔ "

رکشے والے نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ وہ شش و پنج میں تھی۔

" بی بی اترنا ہے تو اترو۔ نہیں تو بتاؤ کہاں جانا ہے۔"

" نہیں اترنا۔ "

" کہاں جانا ہے۔"

" واپس چلو۔"

وہ کالج واپس آ گئی۔ لیکن کالج میں اس کا دل نہیں لگا پریشانی نے اسے گھیرے رکھا۔

اسے مانی نے دو فون نمبر بھی دیئے تھے۔ ایک گھر کا اور دوسرا اس کے دفتر کا۔ دونوں فون نمبر نازیہ نے اپنی کاپی کے ایک سرے پر لکھ رکھے تھے۔ یوں بھی ازبر یاد تھے۔ اس نے فون پر رابطہ قائم کرنے کا سوچا۔

اس کے اپنے گھر میں فون نہیں تھا۔ آنٹی سائرہ کے گھر تھا۔ ممانی کے ہاں بھی تھا۔

لیکن وہ کسی کے گھر سے فون کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ٹونی کے گھر مارے غصے کے جانے کو جی نہیں چاہا۔ اس نے بہتر یہی سمجھا کہ کسی بوتھ سے فون کرے۔ فون کسی دکان سے بھی کیا جاسکتا تھا۔ اس نے دکان ہی سے فون کرنے کو ترجیح دی۔

وہ کالج سے نکل کر بازار چل دی۔ ایک دکان کا اسے پتہ تھا۔ جہاں سے لوکل کال پیسے دے کر کی جاسکتی تھی۔

وہ چادر کی بکل لپیٹے اس دکان پر آئی۔

" فون کرنا ہے۔" اس نے ایک سائیڈ پر رکھے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاس بیٹھے ادھیڑ عمر آدمی سے کہا۔

" کرلیں۔ " اس نے فون اس کے سامنے رکھ دیا۔

نازیہ کو نمبر یاد تھے۔ پھر بھی احتیاطا اس نے وہ کاپی نکالی جس کے ایک سرے پر دونوں نمبر لکھے تھے۔

اس نے نمبر ڈائل کیا۔ پہلی دفعہ ہی نمبر مل گیا۔ لیکن نازیہ کچھ پریشان ہو گئی۔ یہ کسی گھر کا نہیں دکان کا نمبر تھا۔

سوری کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا۔ دوبارہ وہی نمبر ڈائل کیا۔

" ہو سکتا ہے نمبر غلط مل گیا ہو '۔' اس نے سوچا۔

لیکن اس دفعہ پھر وہی دکان دار بولا۔

تیسری دفعہ وہی نمبر ڈائل کرنے پر دکاندار نے ڈانٹ دیا۔ تو پریشان سی ہو کر مانی کے دفتر کا نمبر ڈائیل کرنے لگی۔

لیکن اس نمبر پر کوئی گھریلو عورت بولی۔

" سوری۔" نازیہ نے کہا۔ دوبارہ رنگ کیا سہ بارہ کیا وہی عورت بولی - تو نازیہ نے کہا " یہ کس کا گھر ہے۔"

عورت جل کر بولی " آپ نے کس سے بات کرنی ہے۔"

نازیہ نے کہا۔ " مانی سے۔"

" یہاں کوئی مانی وانی نہیں رہتا۔ "

نازیہ پریشان ہو گئی۔ دونوں نمبر غلط تھے۔ لیکن محبت کی ماری نازیہ مانی پر اندھا اعتماد کئے تھی۔ کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ نمبر غلط ہوں۔۔۔ وہ یقین نہ کر پائی۔

دوسرے دن اس نے پبلک بوتھ سے فون کیا۔ دونوں نمبروں پر کل والے لوگ ہی بولے۔ تو نازیہ کا دل جیسے تھم گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دونوں نمبر غلط تھے۔
اس کا اندھا اعتماد اب بھی بے یقین نہیں ہوا تھا۔
اگلے دن اس نے پھر فون کیا۔ دکاندار بول رہا تھا۔
"دیکھیں جی۔" نازیہ نے کہا۔
"جی فرمایئے۔"
"مانی صاحب مل سکیں گے۔"
"کون صاحب۔"
"مانی۔ سلیمان ملک صاحب۔"
"جی یہ جنرل مرچنٹ کی دکان ہے میں صدیق بول رہا ہوں' سلیمان ملک صاحب کو میں نہیں جانتا۔ آپ میرا خیال ہے روز ہی فون کرتی ہیں۔ یہ غلط نمبر ہے۔ آئندہ میرا وقت ضائع نہ کیجئے گا۔ شکریہ۔"
کچھ اسی طرح کا جواب دوسرے نمبر پر استفسار کرنے پر بھی ملا۔
نازیہ کی ذہنی حالت پریشان کن تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ذات بن نیا کے چتوار ہے۔ جو بھرے دریا میں ڈوب جانے کے لئے ہچکولے کھا رہی ہے پھر بھی اس نے امید کا دامن نہیں چھوڑا اپنے طور پر کوشاں رہی۔
اس نے سیدھے مانی کے گھر جانے کی ٹھانی۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا اس نے فیصلہ کر لیا۔
رکشہ اسی شاندار جدید طرز کی کوٹھی کے سامنے رکا۔ تو نازیہ نے رکشے سے والے سے کہا۔
"بھئی گیٹ پر جو آدمی کھڑا ہے ذرا اسے بلا دو۔"
ایک ملازم نما آدمی آدھ کھلے گیٹ کے قریب کھڑا تھا۔ رکشے والے نے اسے آواز دی۔" اے بھائی صاحب۔"
وہ آدمی لپک کر آیا "جی۔"
رکشے والے نے پیچھے اشارہ کیا۔۔ آدمی نے گردن گھما کر نازیہ کو دیکھا۔
نازیہ بولی "آپ اس گھر کے۔"
"جی صاحب میں سیف الرحمان صاحب کا ملازم ہوں۔"
"مانی صاحب گھر پہ ہوں گے۔"
"مانی صاحب؟"

وہ سرہلاتے ہوئے بولا "یہ گھر سیف الرحمان صاحب کا ہے یہاں سلیمان ملک نہیں رہتے۔"
"جی؟؟؟۔"
"سیف الرحمان صاحب مالک ہیں جی۔"
"مانی ان کا بیٹا۔"
وہ ہنس کر بولا۔ "سیف صاحب کی صرف دو بیٹیاں ہیں جی۔ بیٹا تو ان کا ہے ہی نہیں۔"
"لیکن یہ گھر مانی کا۔"
"آپ اندر آکر بیگم صاحبہ سے پتہ کر لیں۔"
رکشے والے کو رکنے کا کہہ کر نازیہ بڑی جرات سے انجانے گھر میں چلی گئی۔ سیف الرحمان کی سمارٹ سی بیوی نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔
نازیہ نے مدعا بیان کیا۔
لیکن
کوئی مانی یا سلیمان اس گھر میں تو کیا اس لین میں بھی نہیں تھا۔ نہ ہی سیف یا بیگم سیف کے رشتے داروں یا ملنے والوں میں اس نام کا کوئی آدمی تھا۔
نازیہ کے لئے یہ انکشاف تباہ کن تھا۔ ٹوٹتی بکھرتی وہ بیگم سیف کو سلام کر کے واپس رکشے میں آئی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ کچھ سمجھ نا آرہا تھا۔ کہ کیا کرے۔
سلیمان ملک عرف مانی کو زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا
نازیہ کو پتہ نہیں چل رہا تھا۔
لیکن امید کا دامن اس نے ابھی تک نہیں چھوڑا تھا۔ فون نمبر غلط تھے۔ مکان غلط بتایا گیا تھا۔ پھر بھی اسے یقین تھا۔ کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

☆ ☆ ☆

شعیب اور اس کے پورے خاندان کے متعلق وحید صاحب نے معلومات اکٹھی کر لیں ۔ ان کے دوست احباب تھے جمشید کے دوست اس علاقے میں رہتے تھے۔ پھر صبیحہ نے بھی اپنے طور پر چپکے چپکے پتہ کروایا تھا۔ ہر طرف سے تسلی ہوئی تھی ۔

جس نے بھی کہا یہی کہا۔ کہ لڑکا لاکھوں میں ایک ہے۔ اتنا شریف اور ایسا محنتی لڑکا آجکل کے زمانے میں چراغ لے کر ڈھونڈیں تو مشکل سے ملے گا۔

کسی نے کہا " وحید صاحب یہ تو آپ کی خوش قسمتی ہے۔ جو وہ لوگ رشتے کے لئے دامن پھیلا رہے ہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں۔ کئی لڑکیوں والے ان کے گھر خود پیغام بھجوا رہے ہیں۔ "

ریحانہ نے اپنی ماموں زاد بہن سے بھی کہہ رکھا تھا۔ اس کا دیور شعیب کے پچھواڑے نئی بنی کوٹھی میں دو تین سال ہوئے شفٹ ہوا تھا۔ ریحانہ کی اس ماموں زاد نے جو رپورٹ دی۔ وہ بڑی خوش کن تھی۔

" شعیب کے پیچھے تو لڑکیاں پڑی رہتی ہیں۔ وہ کسی کو لفٹ ہی نہیں دیتا اسے تو بس اپنے کام سے غرض ہے۔ ایک دفتر سعودی عرب میں بھی کھول لیا ہے۔۔ یورپ کے دو تین ملکوں سے بھی کاروبار شروع کیا ہے۔ روپے پیسے کی تو بارش ہو رہی ہے اس پر۔ پھر بھی دیکھ لو اپنی پسند کی لڑکی کا چکر وکر نہیں چلایا۔ نہ ہی کسی سے دوستی لگائی ہے۔ رشتے کی بات ماں لوز بہنوں پر چھوڑ رکھی ہے۔ آزاد خود مختار اور کماؤ لڑکا ایسے اختیارات ماں بہنوں کو سونپ دے۔ تو پھر اس کی شرافت میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔"

صبیحہ چونکہ اس رشتے میں پیش پیش تھی۔ دوڑ دھوپ کر رہی تھی۔ اس لئے اس نے پوری تسلی کرلی تھی۔

اوھر ماں جی اور زاہدہ شاہدہ کو تو لڑکی اور گھر والے اتنے پسند آئے تھے کہ جلد از جلد رشتہ کر لینے کی خواہش کر رہے تھے۔

اس دن صبیحہ ماں جی کے ہاں تھی۔ اودھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔

ماں جی بغیر کسی لگاوٹ کے بغیر کچھ چھپائے اپنی خاندانی ہسٹری اس کے گوش گزار کر رہی تھی۔ اپنے سسر کے عروج کے قصے اس کے بعد زوال کی باتیں اس نے ہر بات صبیحہ کو جتائی تھی۔

پھر بڑے متشکرانہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ " اس مولا کی کرم نوازی ہے۔ جس نے میرے شعیب کو اس مقام پر لا کھڑا کیا۔ جہاں کبھی اس کے مرحوم دادا تھے۔ یہ کوٹھی شعیب نے پوری کی پوری نئی بنوائی ہے اور بھی خدا کا فضل ہے۔ کاروبار تو اتنا وسیع ہے کہ اب اکیلے سے سنبھالا ہی نہیں جارہا ۔ ماشاء اللہ ریاض میں بھی دفتر قائم کر لیا ہے۔ سال میں کئی کئی چکر تو باہر کے لگاتا ہے۔ یہ سب اس رب کریم کی مہربانی ہے۔ ورنہ جب اس کے والد فوت ہوئے تو کیا حال تھا۔ کتنا کم عمر تھا۔ کون کہہ سکتا تھا۔ کہ سارے بار اٹھا سکے گا۔ "

صبیحہ بڑی متاثر ہو رہی تھی۔

ماں جی سادہ مزاج عورت تھیں۔ بہو کے لئے جو کچھ گہنا کپڑا بنوایا تھا۔ یا بنوانے کا خیال تھا وہ بھی صبیحہ کو جتا دیا۔

صبیحہ کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اتنا کچھ چڑھاوے میں آئے گا ۔ وہ حیران ہو رہی تھی۔ خاندان کی کسی لڑکی کے چڑھائے میں یا کسی بہو کے چڑھاوے میں ابھی تک اتنا کچھ نہیں گیا تھا۔

" اور پھر۔ یہ تو محض بہنوں کا شوق ہے۔ یا میرا ارمان۔" ماں جی نے صبیحہ سے کہا " ورنہ جو کچھ ہمارے پاس اسی بچی کا ہی ہو گا۔"

" جی بالکل۔ خدا زندگی دے ایک ہی تو بیٹا ہے۔"

" اور بہن سب کچھ کمایا ہوا بھی اسی کا ہے۔ "

" اللہ زندگی دے۔ "

" آمین۔۔ بس ہمیں تو صالحہ لڑکی کی ضرورت ہے۔ خاندان بھی ایسا ہی چاہئے جیسا آپ کا ہے۔ بہن ہم تو شرافت کے طلب گار ہیں بس۔ نہ تو ہمیں جہیز کا لالچ ہے نہ کسی اور چیز کا۔ لڑکی پسند آگئی ہے۔ زاہدہ شاہدہ تو دن رات اسی کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ "

" لڑکی بھی ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے۔ کیا مجال جو نئے زمانے کی ہوا چھو کر بھی گزری ہو۔ وحید بھائی نے سونے کا نوالہ کھلایا اولاد کو۔ لیکن نظر شیر والی رکھی۔ نازیہ تو بیٹی ہے۔ ان کے بیٹوں کا بھی جواب نہیں۔ اتنے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں کہ کیا بتاؤں۔ "

" بالکل۔ تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ "

"جی ہاں۔ ہم نے تو پہلے دن ہی گھر کی فضا اور ماحول دیکھ کر فیصلہ کر لیا تھا۔ اب صبیحہ بہن۔"

"جی۔"

"ہمیں ان کے آخری فیصلے سے آگاہ کر دیں تو اچھا ہی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ زاہدہ چند مہینوں کے لئے کویت سے آئی ہے چاہتی ہے۔ اس کے یہیں ہوتے شادی بھی ہو جائے۔"

صبیحہ جلدی سے بولی۔ "تو گویا آپ چٹ منگنی پٹ بیاہ کریں گی۔"

"ماں جی ہنس کر بولیں "چٹ منگنی نہیں۔ سیدھے سیدھے پٹ بیاہ ہی کرنے کا ارادہ ہے۔"

صبیحہ نے بات سمجھتے ہوئی یونہی بن کر کہا۔ "یعنی۔"

"یعنی یہی کہ اگر وہ لوگ ہاں کر دیں تو ہم معمولی سا شگن کر کے شادی کی تاریخ مقرر کر دیں گے۔"

"صبیحہ کچھ سوچتے ہوئے بولی " میں ریحانہ سے بات کروں گی۔ لڑکی والوں کو شادی کے لئے وقت تو چاہئے۔ لاکھ تیاری کر رکھی ہو۔ پھر بھی بیٹی کی سوئی سلائی۔"

اس کی بات ماں جی نے کاٹ کر کہا۔ "ہمیں کسی شے کی طلب نہیں ہے۔ صبیحہ بہن شادی کی جلدی بھی اس لئے ہے کہ زاہدہ اپنے اکلوتے بھائی کی شادی میں شامل ہونا چاہتی ہے۔ ویسے بھی جو کچھ کرنا ہے دونوں بہنوں ہی نے کرنا ہے۔ مجھ سے کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔"

"پھر۔"

"میں آج کل میں ان سے بات کر کے بتا دوں گی۔"

"دیر نہ لگانا۔ مہینہ سوا تو گیا۔ ہمارے متعلق پوچھ گچھ تو کچھ کچھ تو کر ہی لی ہوگی۔ باقی اللہ کے سپرد کر دیں۔ انشاء اللہ انہیں کبھی کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ ملے گا۔"

صبیحہ ماں جی کو دو ایک دن میں آخری فیصلے سے مطلع کرنے کا کہہ کر سیدھی ریحانہ ہی کے ہاں آگئی۔

وحید صاحب کی طبیعت دو تین دن سے اچھی نہ تھی۔ اس لئے گھر پہ ہی تھے۔ نازیہ کالج گئی ہوئی تھی۔

نازیہ تو ان دنوں اتنی پریشان و سرگرداں تھی۔ کہ مانی کی تلاش کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ کالج کے بہانے روز گھر سے آتی تھی۔ لیکن مانی کو ڈھونڈنے ہی میں وقت گزارتی

تھی۔ مانی نے جن دوستوں کا کبھی باتوں میں ذکر کیا تھا۔ نازیہ نے کسی نہ کسی طور سے ان تک بھی وساطت قائم کی تھی۔ لیکن یا حال اسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔

وحید صاحب پچھلے لان میں چارپائی ڈلوا کر لیٹے تھے میز پر دوائی اور موسمی پھل تھے۔ ریحانہ انھیں کھانا کھلا کر برتن شمو سے اٹھوا رہی تھی۔

"صبیحہ نے ملازمہ سے پوچھا "ریحانہ کہاں ہے۔"

"پچھلے چمن ہیں جی۔"

"خیریت۔"

"میاں صاحب کی طبیعت دو دن سے ٹھیک نہیں۔"

"کیا ہوا۔"

"زکام کھانسی بخار۔"

"ہائے ہائے آجکل تو وبا سی پھیل رہی ہے۔"

اس نے شال اتار کر لاؤنج میں صوفے پر رکھ دی۔ دوپٹہ ٹھیک کیا اور سویٹر کے بٹن بند کرتے ہوئے پھر پچھلے چمن میں آگئی۔ دھوپ خاصی تھی۔

"بہت خراب ہے طبیعت۔" وہ بیٹھتے ہوئے وحید سے پوچھنے لگی۔

"بس۔" وحید مسکراتے ہوئے بولے " اسی بہانے دو چار دن آرام کرنے کی سوجھی ہے۔"

"تمہیں چاہیے تھا جمشید کو اپنے کام میں لگا لیتے۔ اس کے لئے خواہ الگ کام شروع کیا۔"

"اسے میرا کام پسند نہیں تھا۔۔۔"

"اچھا جی۔ لاکھوں کا کاروبار پسند نہیں آیا تھا صاحبزادے کو۔"

ریحانہ مسکراتے ہوئے بولی " نئے نئے تجربے یہ خود کرتے ہیں۔"

تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔

ریحانہ نے پوچھا۔ "کھانا لاؤں۔"

"نہیں۔" صبیحہ بولی۔

"کھا آئیں۔"

"ہاں۔ ماں جی کے ساتھ کھایا کھانا۔"

ریحانہ کا انگ انگ مسکرا اٹھا۔ جلدی سے بولی۔ "آپ ادھر گئی تھیں۔"

"سیدھی ادھر ہی سے آ رہی ہوں۔"

"اچھا۔"

"ہاں۔"

ریحانہ نے میز صبیحہ کے آگے کر دی۔ پلیٹ میں کیلے مالٹے رکھے تھے۔

"ان کو چھوڑو۔۔۔۔ یہ بتاؤ تم دونوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" صبیحہ نے کینو اٹھاتے ہوئے کہا۔

ریحانہ نے وحید اور وحید نے ریحانہ کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہوں میں تسکین آمیز مسکراہٹیں کھل رہی تھیں۔

کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ رشتہ وحید صاحب کو بھی پسند تھا۔ اور ریحانہ کو بھی۔ صرف بات منہ سے نکلنے کی دیر تھی۔ اس دیر کی وجہ بھی تھی۔

نازیہ اکلوتی بیٹی تھی۔ ماں باپ دونوں کو جتنی عزیز اور پیاری تھی۔ انہیں اب احساس ہو رہا تھا۔ جگر کے اس ٹکڑے کو پرایا کر دینے کے خیال ہی سے دل میں ہوک اٹھتی تھی۔

نازیہ ان دنوں جتنی پریشان اور حواس باختہ تھی۔ وحید اور ریحانہ دونوں ہی کا خیال تھا کہ رشتے کی بات چیت جو چل رہی ہے اس نے نازیہ کو بدحواس کر دیا ہے۔ ماں باپ اور بھائیوں سے بچھڑنے کے خیال سے پریشان ہوتی رہتی ہے۔

صبیحہ نے ریحانہ اور وحید دونوں کو سمجھایا۔ "بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے۔ ظاہر ہے نازیہ کو بابل کی دہلیز چھوڑنے کا غم ہے وہ پریشان سی رہتی ہے۔ پھر بھی اسے نئے گھر سدھارنا ہے۔ یہ اس کی خوش بختی ہے جو اسے ایسا گھر مل رہا ہے۔"

وحید صاحب دل سے دکھی ہو رہے تھے۔ سانس لمبی سی کھینچ کر بولے۔ "یہ بھی قدرت کا عجیب ہی نظام ہے۔ جان سے عزیز بیٹی کو دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ قسمت کے دھارے پر بہا دیا جاتا ہے۔"

ریحانہ روہانسی ہو کر بولی۔ "جب سے نازیہ کا نام رشتے کے سلسلے میں لیا ہے۔ میرا تو حوصلہ نہیں پڑتا اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کو۔ دل کو اللہ جانے کیا ہونے لگتا ہے۔"

"وہ بھی آجکل گم سم رہتی ہے۔ میرا تو خیال ہے چھپ چھپ کر روتی بھی ہے۔" وحید صاحب بولے۔

"ہاں۔ کسی کسی دن تو اس کی آنکھیں اتنی سرخ ہوتی ہیں کہ صاف پتہ چلتا ہے۔ خوب روئی ہے۔"

صبیحہ دونوں کی باتیں سن کر ٹھنڈی سانس لے کر بولی "ہر بیٹی پر یہ وقت آتا ہے۔ ماں باپ کو بھی جدائی کا کرب سہنا پڑتا ہے لیکن یہ سب باتیں خوشی کی ضمن میں آتی ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وحید بولے "خوشی بھی ہوتی ہے اور خوش قسمتی بھی کہ والدین کی زندگی ہی میں یہ کار خیر ہو جائے۔"

"بالکل۔" ریحانہ نے کہا۔

جذباتی انداز میں باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن خوشی کا بھی اپنا انداز تھا۔ ریحانہ اور وحید کے چہرے اندرونی مسرت سے جگمگا بھی رہے تھے۔

صبیحہ نے دونوں سے حامی بھروالی۔

"مبارک مبارک۔" وہ خوشی سے مسکرائی۔ "خدا یہ بندھن مبارک کرے۔"

"آمین۔" ریحانہ اور وحید بیک وقت بولے۔

صبیحہ نے چند ضروری باتوں کے بعد کہا "تو انہیں کہلا بھیجوں پرسوں آجائیں۔۔۔"

"ہاں۔" ریحانہ نے کہا۔

"بھئی ہاں تو تم لوگوں نے ان لوگوں کے سامنے کرنا ہے نا۔ میں تو رضامندی پوچھنے آئی تھی۔"

"صبیحہ بھابی۔" وحید صاحب سنجیدگی سے بولے "رضامندی اور ہاں تکلف ہی کرنا ہے۔ میں نے اور ریحانہ نے بہت سوچ بچار کے بعد یہاں رشتہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے وہ لوگ اچھے بھی ہیں اور خواہش مند بھی۔"

"ہاں۔ کتنے چکر لگا چکی ہیں ماں بیٹیاں۔ اس سے ان کی خواہش ہی کا اظہار ہوتا ہے نا۔"

"بالکل بالکل۔ اچھا بھئی۔ خدا یہ بندھن مبارک کرے۔ آپ کے لئے بھی خوشی کا باعث ہو اور ان کے لئے بھی۔"

"آمین۔" ریحانہ اور وحید نے کہا۔ ریحانہ روہانسی ہو رہی تھی۔

صبیحہ نے اسے گلے لگا کر مبارک و تسلی دی۔

☆ ☆ ☆

نازیہ پر بے ہوشی کا یہ دوسرا دورہ پڑا تھا۔ لاؤنج میں قالین پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئی تھی ۔ رنگ زرد اور جسم پسینے پسینے ہوگیا تھا۔ وہ غیر ہموار سانس لے رہی تھی۔۔ دانت بند تھے ۔ اور مٹھیاں بھنچی تھیں ۔ شمو باورچی خانے سے اس کے لئے چائے کی پیالی لے کر نکل رہی تھی ۔ چند منٹ پہلے ہی تو اس نے کہا تھا۔ ۔

" شمو گرم گرم چائے کا ایک کپ تو بنادو۔"

اور

شمو جسے سارے گھر میں نازیہ بی بی بہت اچھی لگتی تھی ۔ بھاگ بھاگ کر اس کے کام کرنے میں اسے مزہ ملتا تھا۔ ۔

" ابھی لائی۔" کہہ کر کچن کی طرف دوڑی تھی ۔ نازیہ آج کالج نہیں گئی تھی ۔ نازیہ کو قالین پر گرتے دیکھا تو شمو کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی ۔ اور پیالی پرچ میں الٹ کر چائے فرش اور اس کے کپڑوں پر گر گئی ۔

"کیا ہوا " اس کی اماں لپک کر کچن سے دروازے میں آئی ۔

" اماں ۔ نازیہ بی بی ۔ پھر۔" اس نے پیالی قریبی میز پر رکھ دی ۔

" بیہوش ہو گئیں۔" ماں نے سینے پر ہاتھ مارا ۔

"گر گئی ہیں ابھی۔" وہ متوحش سی تھی ۔

دونوں ماں بیٹی حواس باختہ سی اس کی طرف بڑھیں ۔

" نازیہ بی بی۔ نازیہ بی بی۔" شمو کی اماں نے اسے قالین پر سیدھا کرتے ہوئے زور زور سے پکارا ۔

شمو روہانسی ہو کر قریب بیٹھ کر اس کی مٹھیاں کھولنے لگی ۔

" نازیہ بی بی نازیہ ہائے اللہ میں کیا کروں گھر پر تو کوئی ہے بھی نہیں ۔ بڑی بی بی کو آج ہی بھالی کے ہاں جانا تھا۔ اے شمو بھاگ ذرا پانی لے آ گلاس بھر کر ۔"

شمو پانی لینے دوڑی۔ تو ماں نے شور مچایا ۔" پانی نہیں پیالی میں دودھ لے آ ۔ جلدی کر

چمچ بھی لانا ۔ ہائے اللہ ۔ دانت بند ہیں۔
کیا جانے ہوگیا ہے ۔"

شمو دودھ لے آئی۔ اس کی ماں نازیہ کے دانت کھولنے کی کوشش کرنے لگی ۔

" اماں۔" شمو بولی ۔

" ہاں۔"

" اس دن رابعہ بی بی نے ناک دبائی تھی۔ نازیہ بی بی کی ۔ ناک زور سے پکڑ لو ۔ ہوش آجائے گا ۔"

" نہ بی بی۔" ماں ڈر کر بولی۔ " یہ نہ ہو کہیں سانس ہی بند ہو جائے لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

" ہائے اللہ پھر کچھ کرونا ۔ دیکھو تو سہی کیسے اکڑی جارہی ہیں ۔"

" کمبل لا کمبل۔ بڑی بی بی کے کمرے سے دوڑ۔ لا بھی۔

" شمو کمبل لینے دوڑی اس کی ماں زور زور سے نازیہ کو آوازیں دے کر ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی ۔

چند دن پہلے بھی نازیہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئی تھی ۔ اس دن رابعہ اور صبیحہ بھی آئی ہوئی تھیں ۔ ریحانہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے گھبراہٹ میں سینہ پیٹ لیا تھا۔ وہ تو رابعہ اور صبیحہ نے ہی کچھ کیا جو ہوش میں آگئی۔

لیکن

انہوں نے جو کچھ کیا تھا۔ شمو کی ماں ڈر کے مارے نہیں کر رہی تھی ۔ دانت بھنچے تھے ۔ ناک بھی بند کر دیتی تو سانس رک جاتا ۔ نہیں وہ ایسا کرنے کی نہیں تھی ۔

" اماں۔"

" ہاں۔"

" ناک زور سے دباؤ ۔ اللہ پاک کی قسم اس دن بھی ایسے ہی ہوگئی تھیں رابعہ بی بی نے زور سے ناک پکڑے رکھی ۔ تو منہ کھل گیا ۔ تم بھی دباؤ نا ناک ۔ یہ نہ ہو بی بی کو کچھ ہو جائے۔"

" تم بھاگ کر برابر والی بیگم صاحبہ کو بلا لاؤ۔"

" وہ کیا کریں گی۔"

" ہائے ہائے کسی ڈاکٹر کو ہی بلا دیں گی ۔ بھلا میں کیا کروں اب۔"

" اماں ایک بار ناک دبا کر دیکھ لو۔"

شمو کی ماں سخت پریشان تھی - ہاتھ بڑھاتی اور پھر کھینچ لیتی -

کتنی ہی دیر تذبذب کے عالم میں رہی - شمو نے ہمت کی آگے بڑھ کر اس کی ناک پکڑ کر پورے زور سے دبانے لگی -

" اے فتنی کہیں کی-" ماں نے غصے سے کوسا " جو کہیں بی بی کا سانس پلٹ گیا تو-"

لیکن شمو نے ماں کا دھکا کھا کر بھی اس کی ناک نہیں چھوڑی - نتیجہ حوصلہ افزاء رہا- سانس بند ہونے پر نازیہ نے ادھر ادھر سر مارا پھر اس کا منہ کھل گیا- شمو کی ماں نے جلدی سے ایک چمچ دودھ اس کے منہ میں ڈالا -

ماں بیٹی کی مسلسل کوشش سے نازیہ ہوش میں آگئی- لیکن ہوش میں آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا-

شمو اور اس کی ماں پر گھبراہٹ کا پھر دورہ پڑا- نازیہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی - اس کے پورے وجود کو جھٹکے لگ رہے تھے -

" نازیہ بی بی - نازیہ بی بی " شمو کی ماں اسے سینے سے لگانے کی کوشش میں پکارے جارہی تھی -

شمو بھی اس کے سنگ سنگ آنسو بہاتے ہوئے اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی

رو دھو کر دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو نازیہ اندر ہی اندر سسکیوں کو گھونٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی - اٹھتے سے وہ لہرا گئی - جلدی سے شمو کی ماں نے سہارا دے لیا - ورنہ وہ گر جاتی -

اس کے سہارے سہارے نازیہ اپنے کمرے میں آگئی بستر میں گری تو شمو کی ماں نے جلدی سے کمبل اس کے اوپر ڈال دیا -

" چائے لاؤں بی بی-" شمو نے پوچھا -

" تم دونوں چلی جاؤ- مجھے آرام کرنے دو-" نازیہ نے کہا-

" بی بی کیا ہو جاتا ہے آپ کو - دوسری دفعہ -"

" سر ہو جاتا ہے تمہارا- بولے جاؤ گی - چلی جاؤ میرے کمرے سے چلی جاؤ-"

نازیہ بے اختیارانہ زور زور سے چیخنے لگی - ماں بیٹی ڈر کر کمرے سے نکل گئیں-

اگلے دن پھر دورہ پڑا - کھانے کی میز پر ساری فیملی بیٹھی تھی - اباجی کچھ دکھی دکھی نظر آرہے تھے - نازیہ کی طرف دیکھا - پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے " نازیہ بیٹی - تم ہم سب سے بچھڑنے کا بہت اثر لے رہی ہو دنیا کا دستور اور فطرت کا تقاضا نہ ہوتا تو میں تمہارا بال بھی کسی کو نہ دیتا - لیکن -"

" ابا- جی-" اک چیخ نما آواز نازیہ کے منہ سے نکلی اور وہ لہراتے ہوئے دائیں جانب گری - جمشید نے جلدی سے اسے ہاتھوں پر تھام لیا- ورنہ دوسری کرسی کا سرا اس کے سر سے ضرور ٹکراجاتا-

کھانا کیسا اور کس نے کھانا تھا- نوالے سب کے ہاتھوں سے چھوٹ گرے - ریحانہ نے تو سینہ پیٹ لیا اباجی کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹی تسبیح کے دانوں کی طرح گرنے لگے--- جمشید پریشان ہو گیا- حمید اور رشید ساکت سے کھڑے رہ گئے

نازیہ کو ہوش آیا تو وہ اس کے پلنگ پر تھی - ریحانہ پائنتی کی طرف بیٹھی تھی- اور اباجی اس پر جھکے آوازیں دے رہے تھے -

نازیہ پوری طرح حواس میں آگئی تھی - اس کی نگاہیں اباجی کے چہرے پر تھیں اس کا سخت گیر باپ فرط محبت سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھرتے ہوئے آنسو بہا رہا تھا-

" میری بچی-" اباجی نے اس کی پیشانی چوم لی

نازیہ تڑپ گئی- اسے یوں لگا جیسے مقدس ہونٹوں نے اس کی گناہ آلود پیشانی کو چوما نہیں داغا ہو- وہ رو پڑی - اور پھر جوں جوں اسے چپ کرانے کی کوشش کی گئی- وہ چیخیں مار مار کر روتی گئی - ماں باپ اور بھائیوں کو رلائے گئی -

معاملہ اس کے لئے اب غیر اختیاری بھی تو ہو گیا تھا- مانی ایسا غائب ہوا تھا- کہ اس کا سراغ بھی نہ مل سکا تھا- فون نمبر غلط گھر کا پتہ غلط - پھر بھی نازیہ نے تلاش جاری رکھی تھی - حوصلہ نہیں ہارا تھا- لیکن ہمت کی کمندیں اس دن ٹوٹ گئی تھیں - جس دن ہوٹل جا کر اس نے سراغ نکالنے کی کوشش کی تھی

جو کمرہ مانی نے تین دن بک کروائے رکھا تھا- ہوٹل کے ریکارڈ میں سے نام و پتہ معلوم کیا جاسکتا تھا-

لیکن کمرہ نہ تو مانی اور نہ ہی کسی سلیمان ملک کے نام پر بک تھا- وہاں تو قادر حسن نام تھا- پھر بھی نازیہ نے نام و پتہ نوٹ کر لیا تھا- لیکن جب وہ جانے کے لئے مڑی تھی - تو تینوں چاروں مردوں نے بڑا طنزیہ قہقہہ لگایا تھا-

ایک نے کہا تھا- " بڑا حرامی ہے وہ - نام بدل بدل کر لڑکیوں کو دھوکے دیتا ہے-"

دوسرا بولا تھا- " قصور تو لڑکیوں کا بھی ہے- پہلے آنکھوں پر پٹی باندھ لیتی ہیں - پھر ڈھونڈتی پھرتی ہیں - لٹ لٹا کر ہونہہ -"

" شٹ اپ-" نازیہ غصے سے غرائی تھی " وہ میرا خاوند ہے-"

" اچھا-" بڑے تضحیکی انداز میں ایک مرد نے کہا تھا-

نازیہ سٹپٹا کر وہاں سے چلی آئی تھی - لیکن جو پتہ وہ نوٹ کر کے لائی تھی - اس پر بھی مانی کا نشان نہ مل سکا تھا۔

اور تو اور ٹونی نے بھی آنکھیں بدل لی تھیں۔-- ممی تو بات بھی نہ کرتی تھی اس سے وہ یہی کہتی۔ "ایسے ہرجائی آدمیوں سے کیوں میل جول بڑھایا کرتی ہیں لڑکیاں۔"

وہ کیا کرتی۔"

"کیا کرتی۔

اسے کچھ سمجھ نہ آتا تھا۔ مانی کے ہاتھوں وہ صرف لٹ گئی ہوتی تو شاید بات اتنی سنجیدہ نہ ہوتی - وہ یہ زخم اندر ہی اندر سمیٹ کر چھپا لیتی۔

لیکن وہ تو اپنے آپ کو نکاح کی زنجیر میں جکڑ چکی تھی -

اور

گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس کے لئے شعیب کا رشتہ والدین نے منظور کر لیا تھا۔

ڈر خوف ندامت احساس جرم اس کے حواس پر چھائے رہتے - اپنے معزز باپ سیدھی سادی ماں پر وقار خاندان کے متعلق سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتی چیخیں مار مار کر رونے لگتی -

لیکن

مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا۔

ماں باپ یہی سمجھ رہے تھے کہ ایک اکلوتی لاڈلی بیٹی بچھڑنے کے دکھ سے نڈھال ہے--

دورے بڑھے تو ڈاکٹروں سے بھی رجوع کیا گیا - ہسٹیا کے دورے تھے - دوائیاں دی گئیں۔

ڈاکٹروں نے خدشہ ظاہر کیا کہ شادی اس کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہی۔ لیکن ڈر کے مارے نازیہ نے خود ہی اس خدشے کی نفی کر دی -

وحید و ریحانہ کی پریشانی اپنی جگہ حق بجانب تھی۔ انہیں جو کچھ کوئی کہتا کرتے - کسی نے کہا "نظر لگ گئی ہے - اتنی اچھی جگہ رشتہ ہو گیا ہے۔ صدقہ خیرات دو -"

میاں بیوی نے صدقے میں بکرے ذبح کئے - دیگیں پکا پکا کر غرباء میں بانٹیں ختم کروائے نذرانے دیئے -

یہ سب باتیں نازیہ کے مجرم ذہن پر تازیانے برساتی رہیں۔

وہ کیا کر چکی تھی۔

کسے بتاتی -

کیسے بتاتی۔ مانی نے اسے دھوکہ دیا تھا۔ کاش وہ اسے کہیں مل جاتا وہ اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتی لیکن دن گزرتے جا رہے تھے - مانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ شادی کی تاریخ نزدیک آ رہی تھی - نازیہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی -

نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن کچھ بتا دینے کی اس میں ہمت کہاں تھی - ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالنے سے تو بہتر تھا۔ وہ خود مر جاتی -

مرجانے کا بھی اس نے سوچا۔

لیکن

اس سوچ کو عملی جامہ پہنانا بھی تو آسان نہ تھا۔ پھر یہ بات بھی تو والدین کی بے عزتی کا باعث بن سکتی تھی۔

مایوسی کے اندھیروں میں اسے راستے کی ایک ہی روشنی نظر آئی کہ چپ چاپ شادی کر لے۔ اور ساری روئیداد اپنے نام نہاد شوہر کو بتا دے طلاق کے پردے میں اس کے جرم کی گھناؤنی داستان چھپ سکتی تھی۔

یہ مایوسی کی اک سوچ تھی -

لیکن

فرار کی یہی راہ تھی ماں باپ کو صدمے سے صرف اسی طور بچایا جا سکتا تھا۔ ان کی عزت اور وقار کی دھجیاں بکھرنے سے صرف اسی طرح بچائی جا سکتی تھیں۔

اس نے اسی پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ فیصلہ غلط تھا۔ یا صحیح اس نے سوچنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

یوں وہ دلہن بن کر شعیب کے حجلہ عروسی میں آ گئی۔

☆ ☆ ☆

کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے ۔ لیکن جب سیج کی سولی پہ کوئی لٹکا ہو تو شاید یہ بات صادق نہیں آتی۔ نازیہ کی آنکھیں سپاٹ تھیں ۔ اور وہ ماضی کے صحراؤں بھٹکی پھرتی تھی شعیب نے صوفے پر نیم دراز ہی وقت گزار دیا تھا۔ اس کے ذہن میں مستقبل کا ایک ایک لمحہ سوال تھا۔ اس سوال کا جواب دے دے کر منہ بند کرنے کی کوشش میں رات کا باقی حصہ بیت گیا تھا۔

باہر رات کے دھندلکے صبح کی پر نور آنکھوں میں سمٹ کر اپنا وجود کھو رہے تھے۔ پرندے پر پھڑپھڑا رہے تھے ۔ چوں چوں کی آوازیں صبح کی فضا میں ترنم گھول رہی تھیں ۔

رات دیر سے سونے کی وجہ سے گھر میں اکثر لوگ بے خبر سوئے پڑے تھے ۔ لیکن شعیب کچھ آوازیں سن رہا تھا۔ شاید نمازی لوگ جاگ اٹھے تھے ۔ زندگی کے بیدار ہونے کے آثار تھے ۔

شعیب نے اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے نازیہ کی طرف دیکھا وہ اب بیڈ پر اٹھ بیٹھی تھی ۔

شعیب کو اپنی طرف گھورتے دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا ۔ اور اپنی حنائی انگلیوں میں پڑی انگوٹھیوں کو یونہی گھمانے لگی ۔ اسے اپنی غلطی کا اب پوری طرح احساس ہو رہا تھا۔ اپنے جرم کی سزا اس نے شعیب کو کیوں دی تھی ۔ ایک ناکردہ گناہ کو کرب و اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس بے گناہ کو ڈبو دیا تھا۔

اپنے حماقت آمیز فیصلے کا سوچ سوچ کر اسے پچھتاوہ آ رہا تھا۔

لیکن

اب کیا ہو سکتا تھا۔

یہ نا کہ طلاق ہو جائے۔

اس کے لئے وہ ذہنی طور پر آمادہ و تیار تھی ۔

شعیب کچھ نہیں بولا ۔ بس ایک ٹک اسے گھورے گیا ۔ اس کے دلی جذبات جو

مشتعل اور غصیلے تھے۔ ان نگاہوں سے مترشح تھے۔

ان نگاہوں کی غصیلی تپش سے بچنے کے لئے نازیہ بیڈ سے اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی

شعیب کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ اب باہر لوگ بیدار ہو گئے تھے ۔ بچوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں ۔ عورتیں بھی باتیں کر رہی تھیں ۔ ہما بھابی اور ذکیہ کے قہقہوں کی پھلجھڑیاں پھوٹ رہی تھیں ۔

خوف کی اک کپکپا دینے والی لہر شعیب کے وجود میں دوڑ گئی۔ ابھی یہ سب شوخ و شنگ بھابیاں اور نئی دلہنیں اندر آ جائیں گی رات کی روئیداد اگلوائیں گی ۔ چھیڑیں گی ۔ مذاق کریں گی سہاگ رات کے حسین لمحوں کا حساب مانگیں گی۔

" اف۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا اسے سمجھ نہ آ رہا تھا۔ کہ کیا کرے ۔ اس خبیث لڑکی کی کرتوت سب کے سامنے عیاں کر دے ۔

یا

اس کے عزت دار والدین کو بدنامی سے بچانے کے لئے ظاہرداری کا لبادہ اوڑھ کر جھوٹی سچی باتوں سے ان سب کو مطمئن کر دے ۔

نازیہ باتھ روم سے باہر آ گئی وہ رو کر آئی تھی یا منہ دھو کر۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

آہستہ آہستہ چلتی بیڈ کے قریب پڑے بڑے سٹول پر بیٹھ گئی ۔

شعیب کیطرف دیکھنے کا وہ حوصلہ نہ کر سکی ۔

شعیب شاید کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

وہ اٹھا

اور الماری کے سامنے جا کھڑا ہوا ۔ اپنی دلہن کو شب زفاف کا تحفہ دینے کے لئے اس نے جو انگوٹھی جدہ سے بڑی چاہت سے خریدی تھی ۔ الماری میں پڑی تھی ۔

اس نے اوپر والے شیلف میں سے ڈبیہ اٹھائی۔۔ کھولی۔۔ انگوٹھی کتنی خوبصورت تھی لیکن کتنے بدصورت موقع پر وہ یہ انگوٹھی نازیہ کو دے رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کا جی چاہا کہ بھرم رکھنے کی بجائے اس بے حیا لڑکی کا راز سب پر فاش کر دے ۔

اس نے انگوٹھی پھر واپس رکھ بھی دی ۔

لیکن دل کے کوئی گوشے موم تھے ۔ وہ جو کچھ کر چکی تھی ۔ اسے مشتہر کرنے سے باز رکھ رہے تھے ۔ نازیہ بے وقوف تھی ۔ تو اسے بے وقوف نہیں بننا چاہئے تھا۔

کم از کم آج کا دن اسے جوں توں کر کے گزارنا تھا۔ کل ہی ہنی مون پر جانے کا پروگرام پہلے سے طے تھا۔ سات آٹھ دن گھر اور اس فضا سے دور رہ کر کچھ سوچا جا سکتا تھا۔

اس نے پھر انگوٹھی نکالی۔

چند لمحے کھڑا رہا۔

پھر پلٹا۔

اور

انگوٹھی ڈبیہ سے نکال کر نازیہ کی طرف اچھال دی۔

انگوٹھی نازیہ کی جھولی میں گری وہ پہلے تو کچھ نہ سمجھی لیکن جب انگوٹھی ہاتھ میں اٹھائی تو جان گئی۔ کہ یہ سہاگ رات کی یادگار انگوٹھی ہے۔ جو شعیب نے اس کی انگلی میں بصد شوق پہنائی تھی۔

وہ انگوٹھی کو تک رہی تھی کہ شعیب ڈبیہ واپس الماری میں رکھتے ہوئے کھردرے لہجے میں بولا۔۔

"اسے پہن لو۔"

وہ ہچکچائی۔

شعیب نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"پہن لو۔" وہ دھمکی آمیز غصیلے لہجے میں بولا۔

نازیہ انگوٹھی دیکھتے ہوئی آہستگی سے بولی۔ "نہیں۔"

"میں نے کہا ہے اسے پہن لو۔" وہ دھیمے انداز میں گرجا۔

"لیکن۔"

"اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی لیکن کی گنجائش رکھتی ہو۔"

"میں۔"

"یہ انگوٹھی پہن لو۔ دن نکل آیا ہے۔ اور میری بھابیاں ابھی آجائیں گی۔"

"وہ سر جھکا کر بولی "ہاں۔"

"میں نے کہا تھا نا۔ کہ آج کی منحوس رات کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ تاوقتیکہ میں کوئی آخری فیصلہ کر لوں تم یہ انگوٹھی پہن لو میری محبت کی نشانی نہیں ہے۔ یہ ظاہر داری اور تصنع کا جو رول اب نبھانا ہے اس کی علامت کے لئے۔"

نازیہ نے اک گہری سانس لی۔ شعیب کو دیکھا۔ اور انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ کسی خوشی یا طمانیت کا تو سوال ہی نہ تھا۔ انگوٹھی انگلی میں ڈالی تھی لیکن لگتا یوں تھا۔ کہ پھانسی کا

پھندہ گلے میں ڈال لیا ہے۔

شعیب الماری بند کر کے باتھ روم میں چلا گیا۔

وہ ابھی باتھ روم ہی میں تھا۔ کہ دروازے بجنے کی آواز آئی۔ کھسر پھسر اور ہلکے ہلکے مسرور قہقہے بھی دروازہ بجنے کی آواز میں شامل تھے۔

شعیب شلوار قمیض پہن کر باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ نازیہ سٹول پر ہی بیٹھی تھی۔

" بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔" شعیب نے نازیہ سے کہا۔

دروازہ پھر سے بجا۔ اب کے اس کی بھابیاں اور شوخ و شنگ نئی بیاہتا دلہنیں کوئی گیت بھی گا رہی تھیں۔ خوشی پیار اور خلوص کی علامت تھا ان کا یہ فعل۔

شعیب نے اک قہر والی نگاہ نازیہ پر ڈالتے ہوئے کہا " بیٹھ جاؤ بیڈ پر۔"

وہ

" ابھی وہ سب اندر آجائیں گی۔ سہاگ رات کا تحفہ دیکھنا چاہیں گی۔ اس رات کی باتیں پوچھیں گی۔"

شعیب کی۔ آواز پر نازیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ڈبڈباتی آنکھوں سے اس نے شعیب کو دیکھا۔

" یہ انگوٹھی انہیں سہاگ رات کا تحفہ کہہ کر دکھا دینا۔ اور اور"

وہ چند لمحے رکا

پھر

بڑے زہریلے انداز میں بولا۔ " سہاگ رات کی باتیں بھی پوچھیں گی۔ وہ سب خیر تم تجربہ کار ہو جانتی ہو اس رات کیا کچھ ہوتا ہے۔ تفصیل سے بتا سکتی ہو انہیں۔"

آنسو نازیہ کی آنکھوں سے گالوں پر لڑھک آئے۔ وہ مرقع یاس بنی بیٹھی تھی۔

شعیب کو اور تاؤ آ رہا تھا۔

اب دروازہ ذکیہ نے زور سے کھٹکھٹایا شعیب نے ایک بار پھر نازیہ کو تنبیہہ کی۔

اور

دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھلتے ہی پانچ سات دلہنیں اور بھابیاں جیسے حملہ آور ہوئیں۔ ہما ذکیہ ریما اور دوسری عورتیں بیڈ کی طرف بڑھیں۔

ہما نے آنکھوں آنکھوں میں شعیب سے پوچھا " کیسے رہی۔"

شعیب جانے جبر کے کونسے بندھن توڑ کر مسکرایا۔ سر کو اثبات میں ہلایا اور کمرے سے

باہر جانے لگا۔

ذکیہ نے لپک کر کندھا پکڑ لیا۔ "کچھ بتا تو جاؤ۔"

"مجھے تو چھٹی دیں۔" شعیب نے کندھے اچکائے "وہ بیٹھی ہے پوچھ لیں سب کچھ۔"

"بڑا تیز ہو گیا ہے تو۔" ذکیہ نے ہنس کر کہا۔ اور نازیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ نازیہ بیڈ پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اور کمرے میں آنے والی خواتین نے اسے گھیرے میں لے لیا ہوا تھا۔ اس گھیرے میں ذکیہ نے بھی جگہ بنالی۔

☆☆☆

ولیمے کا دن بخیریت گزر گیا۔

اتنی ہلا گلا اور شور شرابا تھا۔ کہ کسی کو شعیب اور نازیہ کے متعلق کچھ پتہ ہی نہ چل سکا۔

شعیب تو آدھا دن پڑا سوتا ہی رہا تھا۔ دوستوں نے مذاق کئے۔ چھیڑا چھاڑا۔ لیکن پھر انہوں نے خود ہی معاف کر دیا۔ رات بھر جاگنے والوں کو صبح آنکھ لگا لینے کی اجازت دی جاسکتی تھی۔

ادھر نازیہ نے بھی شعیب کے ڈر کے مارے اور کچھ اپنے آپ کو روپوش کرنے کے لئے نئی نویلی دلہن کا جو روپ دھارا تو اسے خوب نبھایا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ اس کی شرمیلی مسکراہٹوں کے پیچھے کتنے بڑے طوفانوں کی چاپ ہے کتنا دکھ ہے۔ کتنی کڑی احساس کی بندش ہے۔

وہ بے طرح پچھتا رہی تھی۔ اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔ ان لمحات کا نوحہ کر رہی تھی۔ جن میں اس نے اپنے آپ کو اتنا ارزاں کیا تھا۔ اور ہر طرف سے آنکھیں موند کر اک فریبی انسان پر پورا اعتماد کر لیا تھا۔

اس گھر میں آکر۔ سب کی محبت احترام اور خلوص سے وہ بے طرح مرعوب ہوئی تھی۔

ماں جی تو جیسے صدقے واری ہو رہی تھیں۔ کس محبت سے اس کی پیشانی چوم کر کہا تھا۔ "میرے شعیب کی روشنی بنے گی میری نازیہ مجھے تیری ہی تلاش تھی۔"

زاہدہ اور شاہدہ بھی اپنے انتخاب پر پھولی نہ سماتی تھی۔ تقریباً ہر مہمان سے متعارف کرواتے ہوئے انہوں نے یہی کہا تھا۔ "ہے نا ہماری پسند لاجواب۔

کتنی پیاری ہے شعیب کی دلہن۔"

سب ان کی پسند کی داد دے رہے تھے۔

"بہت خوبصورت ہے۔"

" بڑی شرمیلی ہے۔"

" حیا عورت کا زیور ہے اور شعیب کی بیوی اس زیور سے خوب لدی ہے ۔"

" خدا جوڑی سلامت رکھے ۔ واقعی شعیب جیسے انمول ہیرے کے لئے ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی ۔"

" خاندان بھی بہت شریف ہے۔"

" شعیب خود اتنا اچھا تھا۔ خدا نے اچھے لوگوں سے ملا دیا ۔"

نازی کمخواب کے بھاری کپڑوں میں زیور سے لدی مسند پر جھکی بیٹھی لوگوں کی باتیں اور تبصرے سن رہی تھی۔ یہ باتیں اس کے زخموں میں نشتر کی طرح چبھ رہی تھیں ۔ اذیت و کرب سے جی چاہتا تھا۔ چیخ اٹھے۔

لیکن

وہ سب کچھ اندر ہی اندر چھپا کر ہونٹوں پر شرمیلی سہمی اور بکھری بکھری مسکراہٹ سجانے پر مجبور تھی۔

وہ ایسا نہ کرتی

تو

اور کیا کرتی

دن گزر گیا۔ مہمان رخصت ہوئے چند قریبی عزیز ہی رہ گئے۔

نازیہ کے والدین اور رشتہ دار بھی آئے ہوئے تھے ۔ اپنی امی کے چہرے پر خوشیوں کا جگمگاتا سویرا دیکھ کر نازیہ کا دل رو اٹھا تھا۔ اباجی بھی کتنے خوش اور شادمان تھے ۔ نازیہ کا تو حوصلہ نہ ہوا کہ نظر بھر کر انہیں دیکھ سکے ۔

نازیہ کی امی نے ماں جی سے کہا۔ " آج نازیہ اور شعیب کو ہم لے جائیں ۔"

ماں جی کی جگہ شعیب نے جلدی سے کہہ دیا۔ " کل ہم مری جا رہے ہیں ۔"

ہاں۔" ماں جی خوش ہو کر بولیں " کل تو یہ لوگ مری اور سوات جا رہے ہیں۔"

نازیہ کی امی کا چہرہ دمکنے لگا۔ ماں جی مسکرا کر بولیں " اتنی عمر آپ کے پاس رہ لیا نازیہ نے۔ اب یہ ہماری بیٹی ہے ۔ اس پر ہمارا حق آپ سے مقدم ہے۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔" اس کے اباجی بڑی انکساری سے بولے ۔

" مری اور سوات سے واپس آکر آپ سے ملنے آجائے گی " ماں جی نے کہا۔

" خدا انہیں خوش رکھے۔" ریحانہ بولی ۔

" آمین۔" ماں جی اور نازیہ کے اباجی نے بیک وقت کہا تو شعیب منہ پھیر کر دوسری

جانب دیکھنے لگا ۔

دن بخیریت گزر گیا۔ نازیہ امی اور اباجی سے مل کر خوب روئی ۔

انہوں نے بھی جاتے سے اسے خوب لپٹا لپٹا کر پیار کیا۔

ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ تکان سے چور چور تھی ۔ کئی دنوں کی ذہنی اور جسمانی تکان تھی ۔ پچھلی رات تو پلک بھی نہ جھپک سکی تھی ۔ اب جسم کچے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اور آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں ۔ سردرد بھی شدید تھی ۔

اس نے کپڑے بدلے زیور اتارا اور سادہ سے کپڑے پہن کر بستر میں گر گئی۔

اب تو اس میں کچھ سوچنے کی بھی ہمت نہ رہی تھی۔ اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اس نے حالات کی تندی و تیزی سے بچنے کے لئے جو قدم اٹھا تھا۔ وہ یقیناً غلط تھا۔ اپنی آگ میں اس نے خواہ مخواہ شعیب کو بھی جھونک دیا تھا۔ وہ اپنی مجرم تو تھی ہی اب شعیب کی بھی مجرم بن گئی تھی ناکردہ گناہ کو اتنی بڑی سزا دینا جرم نہیں تو اور کیا تھا۔

نازیہ نے گھبرا کر کروٹ بدلی۔ شعیب کی شبیہہ اس کے ذہن میں جلوہ گر تھی۔

کاش ماضی کا وہ صفحہ کہیں گم ہو گیا ہوتا ۔ جس میں اس کی بے راہ روی کی داستان رقم تھی وہ ان منحوس لمحوں کو بھلا پاتی تو کتنا اچھا تھا۔ ۔

لیکن

لیکن

پھر بھی

اس کا موجودہ تصویر کے رخ پر کوئی حق نہ تھا۔ شعیب اس کا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تو مانی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھی تھی ۔ مانی۔ چور لٹیرا فریبی دغاباز انسان۔

نازیہ کھولنے لگی۔ اتنا بڑا فریب کھایا تھا۔ اس نے اس آدمی سے کس بیدردی سے اسے روند کر چلا گیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے حالات کس طرح کے ہیں۔

کیا نکاح کا ڈھونگ اس نے اپنے اوپر اعتماد کا لبادہ ڈالنے کے لئے رچایا تھا۔ ؟

وہ اس سوال کا کوئی جواب کیسے ڈھونڈ پاتی ۔ نکاح تو خود اس کے اپنے اصرار پر مانی نے کیا تھا۔ وہ تو ان فضولیات کا حامی ہی نہیں تھا۔ یہ تو خود اس کا اپنا رویہ تھا۔ وہ گناہ سے بچنے کے لئے نکاح پر بضد تھی ۔

کاش نکاح کا یہ بندھن نہ بندھا ہوتا ۔

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

جواب وہ اپنے آپ سے بھی چھپانا چاہتی تھی۔ اس لئے بستر میں پھر اوندھی پڑ گئی۔

گھبرا کر رونے لگی دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک یہی ذریعہ تھا۔ روتے روتے جانے کب اسے نیند نے آغوش میں لے لیا۔

نیند!

کتنی مہربان شے ہے کتنی بڑی نعمت ہے۔ کتنی سچی مونس و غمگسار ہے۔ سارے دکھ سارے مسائل سمیٹ کر اپنی جھولی میں ڈال لیتی ہے اور انسان کو بے خبر کر کے اس کے ذہنی بوجھ ہلکے کر دیتی ہے۔ یہ نعمت انسان کو میسر نہ ہوتی تو مسائل کی تلخیوں کے شکار اور مصائب و آلام کے مارے اس دنیا میں کبھی جی نہ پاتے۔

نازیہ کو بھی نیند اپنے محفوظ سایوں میں نہ لے لیتی۔ تو یقیناً اس کا دماغ چٹخ جاتا۔ رگیں پھٹ جاتیں۔ اور وہ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے بے نیاز ہو جاتی۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ آڑھی ترچھی بستر میں پڑی تھی۔ خنکی کافی تھی۔ لیکن کمبل تہہ کیا پڑا تھا۔ اسے اوڑھنے کی نیند ہی میں اس نے دو ایک بار کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی لئے سکڑ کر پڑی تھی۔

شعیب رات ڈھلے کمرے میں آیا۔ وہ پریشان تو تھا۔ لیکن دن میں نیند نکال لینے سے اب ذہن اتنا پراگندہ نہیں تھا۔

کمرے میں آتے ہی نظر نازیہ پر پڑی۔ جھلاہٹ اور غصے کی اک لہر سی من میں اٹھی۔

وہ آگے بڑھا۔

نازیہ بے خبری کے عالم میں سکڑی سمٹی پڑی سو رہی تھی۔

شعیب اسے تکنے لگا۔

کئی لمحے گزر گئے۔

وہ اسے تکے گیا۔

جانے کیوں اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ نازیہ اسے انتہائی مظلوم لگی۔

لیکن

لیکن

وہ بیڈ سے پرے ہٹ گیا۔

نازیہ مظلوم ہے یا ظالم اسے اس بارہ میں کچھ نہیں سوچنا چاہئے وہ اس کی کچھ نہیں لگتی۔ کوئی رشتہ نہیں اس سے۔ اک خواہ مخواہ کا بار ہے جو اس پر آن پڑا ہے۔

اس بار کو ہٹانا مقصود تھا۔

لیکن کیسے؟

وہ صوفے میں نیم دراز ہو کر سگریٹوں کو پھونکتے ہوئے سوچ گیا

☆☆☆

گاڑی پر پیچ راستوں سے ہوتی ہوئی اوپر جا رہی تھی - گاڑی کی ڈگی اور پچھلی سیٹ سامان سے بھری تھی - فرنٹ سیٹ پر شعیب کے ساتھ نازیہ بیٹھی تھی دس بارہ دن کا پروگرام تھا۔ زاہدہ اور شاہدہ نے جانے کیا کچھ بھر دیا تھا۔ گاڑی میں۔ کمبل سنگل کے تکئے اور فالتو بیڈ شیٹس بھی انہوں نے زبردستی رکھ دی تھیں -

" ہوٹل کتنا اچھا کیوں نہ ہو کمبل تکئے اور چادریں اپنے ہی استعمال کرنے چاہئیں۔" زاہدہ نے کہا تھا۔

" میں بھی ہمیشہ یہ چیزیں اپنی ہی استعمال کرتی ہوں۔" شاہدہ نے حامی بھری تھی

" کراچی اکثر ہم تاج محل میں ٹھہرتے ہیں لیکن وہاں بھی یہ تینوں چیزیں اپنی استعمال کرتی ہوں وہ خفا بھی ہوتے ہیں لیکن مجھے چین نہیں پڑتا۔ "

" نازیہ یا شعیب کیا کہتے - چپ چاپ سارا سامان گاڑی میں رکھوا لیا تھا۔ ----

" پچھلی سیٹ بھی زاہدہ ہی نے کمبل اور چادروں اور تکیوں سے بھر دی تھی - اسی لئے نازیہ دوران سفر شعیب ہی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی -

شعیب کو اس کی یہ رفاقت تکلیف دے رہی تھی - لیکن خاموش بیٹھا تھا۔ دونوں نے طویل راستہ خاموشی سے ہی گزارا تھا۔ سوائے چند رسمی باتوں کے

جہلم کے قریب وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا تھا۔ تو نازیہ نے پوچھا تھا۔

" چائے پئیں گے۔

" بنا دو۔" جواب سپاٹ سا تھا۔

نازیہ نے ٹوکری میں رکھے مگ اور تھرماس نکال کر چائے مگ میں انڈیل کر شعیب کی طرف بڑھائی تھی ساتھ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی تھیں -

نازیہ نے پوچھا تھا۔ " ساتھ کچھ لیں گے۔"

" نہیں۔"

شعیب نے چائے گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے نازیہ کی طرف دیکھے بنا کہا تھا۔

" تم نہیں پیو گی۔"

" ابھی دل نہیں چاہ رہا۔"

" ہاں۔" شعیب نے بڑے طنز سے کہا تھا۔ "جس دل میں چاہتیں ہی چاہتیں ہوں وہ چائے کو کیونکر چاہے گا۔"

نازیہ نے بڑے کرب سے نگاہیں گھما کر اسے دیکھا تھا۔ شعیب کو جانے کیوں ہنسی آ گئی تھی -

لیکن

یہ ہنسی

پھک پھک رو دینے سے قریب تر تھی -

مگ خالی کرتے ہوئے شعیب نے کہا تھا۔ " چائے ابھی پی لو - میں اب پنڈی جا کر رکوں گا۔"

" ٹھیک ہے۔" اس نے چائے بنائے بغیر کہا تھا۔

اور

پھر

پنڈی تک دونوں اپنی ذات کے خول میں مقید ایک دوسرے سے بے خبر بیٹھے رہے تھے - دونوں اپنی اپنی سوچوں کے الاؤ میں جل رہے تھے -

پنڈی انٹرکون میں کھانا کھانے کے بعد مری کے لئے روانہ ہو گئے

اب وہ بل کھاتے راستوں پر جا رہے تھے - ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی - شعیب نے گاڑی کا ہیٹر آن کر دیا تھا۔

دونوں اب بھی چپ تھے - یوں لگتا تھا۔ بات کرنے کے لئے کوئی موضوع ہی نہیں -

کسی کسی موڑ پر گاڑی ایک دم ٹرن لینے پر نازیہ اور شعیب کے کندھے آپس میں ٹکرا جاتے تو نازیہ گھبرا کر پرے ہو جاتی ---- اور شعیب ایک جوان لڑکی کے بدن کے لمس سے اپنے اندر سرشاری کی لہریں اٹھتی محسوس کرنے لگتا - لیکن یہ لہریں اٹھتے ہی مر جاتیں - سچائی کا خوفناک احساس انہیں دم توڑنے پر مجبور کر دیتا اور اگلے گھماؤ تک شعیب جھلا جھلا کر یہی سوچے جاتا کہ یہ کیا افتاد آن پڑی ہے - قصور اس لڑکی کا اور بھگتنا مجھے پڑ رہا ہے -

کیوں ؟

کس لئے ؟

سوچوں کی اسی ادھیڑ بن میں وہ مری پہنچ گئے ۔ برائٹ لینڈ میں ٹھہرنا تھا۔ ان دنوں مری میں ٹھنڈ کی وجہ سے رش نہیں تھا۔ بہت کم لوگ تھے ۔ ہنی مون منانے کے لئے نئے بیاہتا جوڑے البتہ آئے ہوئے تھے ۔

کمرے بک کروا لئے گئے۔ مزدوروں کی مدد سے شعیب نے سامان اتروایا اور کمروں میں بھجوادیا نازیہ سامان کے ساتھ اندر چلی گئی ۔ گاڑی پارک کرنے کے لئے شعیب گاڑی میں آ بیٹھا۔

نازیہ کمرے میں چلی آئی سامان ایک طرف رکھ کر مزدور چلا گیا تھا۔ نازیہ ایک کرسی میں پڑ گئی ۔ سامان کہاں رکھنا تھا۔ ؟ اسے شعیب کے آنے پر ہی پتہ چل سکتا تھا۔۔۔ یقیناً دونوں نے الگ الگ کمرے میں قیام کرنا تھا۔

نازیہ اس عجیب و غریب ہنی مون کے بارے میں سوچ رہی تھی ۔ اور بڑے دکھ سے سوچ رہی تھی ۔ مانی کے خلاف دل میں نفرت کی آگ جو سلگ رہی تھی ۔ وہ اب شعلوں کا روپ دھار رہی تھی ۔ اس دھوکے باز اور فریبی انسان سے انتقام لینے کے کئی منصوبے اس کے ذہن میں پل رہے تھے ۔

لیکن

انتقام تو جب لیتی جب اس کا اتہ پتہ کہیں سے ملتا۔

شعیب تھوڑی ہی دیر بعد آگیا ۔ سامان کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر بولا۔۔

" اپنا سامان اس کمرے میں لے جاؤ "

وہ کرسی میں سیدھی ہو بیٹھی ۔

نازیہ کے قریب ہی دوسری کرسی پڑی تھی ۔ شعیب نے گھسیٹ کر اپنی طرف کر لی اس پر بیٹھے ہوئے بولا " یہاں سردی بہت ہے۔"

" ہاں بادلوں کی وجہ سے۔" نازیہ نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

شعیب چند لمحے کرسی کی پشت پر گردن ڈالے پڑا رہا۔ پھر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

نازیہ بھی اٹھی ۔ چائے پینے کو دل مچل رہا تھا۔ جی چاہا تھرماس سے چائے لے کر پی لے ۔ لیکن ارادہ ترک کر دیا ۔ اور اپنا سامان شعیب کے سامان سے الگ کر کے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

وہ سامان وہاں رکھ کر پھر واپس آئی ۔ اور شعیب کا سامان ترتیب سے رکھنے لگی ۔ دونوں سوٹ جو ہینگروں پر لٹک رہے تھے ۔ اس نے الماری میں لٹکا دیئے ۔ جوتے بھی بیگ

سے نکال کر رکھے ۔ سوٹ کیس الماری کے نچلے خانے میں رکھ دیا اور بیڈ پر ساتھ لائی ہوئی بیڈ شیٹ ڈال کر کمبل تہہ کر کے رکھ دیا ۔ دونوں نرم تکیئے بھی اس نے بیڈ پر رکھ دیئے ۔

یہ کام وہ کس ناطے سے کر رہی تھی ۔ اسے پتہ نہیں تھا۔ پھر بھی شعیب کے یہ چھوٹے چھوٹے کام اس نے کر دیئے تھے ۔

وہ دوسرے کمرے میں جا رہی تھی کہ شعیب آگیا۔

" چائے آرہی ہے پی کر جانا۔" شعیب نے قدرے تحکمانہ لہجے میں کہا ۔ وہ حکم کا بندہ تھی جیسے اپنی قدموں پر پلٹ آئی اور اس کرسی پر بیٹھ گئی جہاں آتے ہی بیٹھی تھی ۔

شعیب نے سامان نہ دیکھ کر پوچھا۔ " سارا سامان اس کمرے میں رکھ دیا۔"

" نہیں ۔ آپ کی چیزیں الماری میں رکھ دی ہیں "

شعیب طنز سے بولا " سگھڑ بیوی کی طرح ہو نہ۔"

نازیہ اس طنز سے تلملائی ۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ صرف بے بسی سے اسے تک کر رہ گئی ۔

شعیب اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ وہ مضطرب اور بے چین تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے پھر اپنی کرسی کی پشت پر بازو ٹکا کر جھکتے ہوئے بولا ۔

" تم صورت سے کس قدر معصوم لگتی ہو۔"

نازیہ نے پریشان نگاہ اس پر ڈالی ۔

وہ طنزیت مسکراتے ہوئے بولا " لیکن کس قدر بے باکانہ جرات کی مالک ؟ میرے ساتھ یہاں چلے آنا بھی تمہاری بے باکانہ جرات کا مظاہرہ ہی ہے ۔"

" شعیب صاحب۔"

" مت لو میرا نام اپنی زبان سے " وہ غرایا

وہ سہم کر اسے تکنے لگی ۔

شعیب کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی شعیب شاید کوئی تلخ ترش بات اور بھی کہہ دیتا کہ بیرہ چائے لے کر آگیا۔

چائے درمیانی میز پر رکھ کر بیرہ چند لمحے کھڑا رہا پھر مودبانہ بولا ۔

" سر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو لے آؤں ۔"

" نہیں یہ کافی ہے۔" شعیب بولا بیرہ سر جھکا کر کمرے سے نکل گیا

" چائے بناؤ۔" شعیب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد نازیہ سے کہا ۔

وہ خاموشی چائے بنانے لگی پیالی میں چائے ڈال کر اس نے شکر ڈالنے کے لئے اس کی

طرف دیکھا۔

"ایک چمچ۔" وہ بولا

نازیہ نے شکر ڈالی اور پیالی اس کی طرف بڑھا دی ۔ پیالی اس کے ہاتھ میں لرز رہی تھی۔ شعیب نے چھیننے کے انداز میں پیالی جھپٹ لی ۔

نازیہ شعیب کے مزاج کے اتار و چڑھاؤ دیکھ رہی تھی ۔ لیکن وہ جانتی تھی قصوروار وہ خود ہے ۔ شعیب پر یہ کیفیات طاری ہونا فطری بات ہے ۔

شعیب کے لئے اس کے دل کے کسی گوشے میں جذبہ ترحم جاگ اٹھا ۔ لیکن کسی اظہار کے بغیر اس نے پیسٹری والا سٹینڈ اس کی طرف سرکا دیا ۔

نازیہ نے اپنے لئے بھی چائے بنائی ۔ گرم گرم چائے ذہنی سکون دیتی تھی۔

چائے کے بعد وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئی اور اپنا سامان ترتیب سے رکھنے لگی ۔ یہاں واقعی سکون سے سوچنے اور فیصلے کرنے کی فضا تھی ۔

اس نے بستر پر چادر پھیلائی تکیہ رکھا کمبل کھینچا اور سر منہ لپیٹ کر لیٹ گئی

شعیب شاید باہر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

رات سوتے جاگتے گزر ہی گئی ۔ شعیب کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ جاگ گئی تھی۔ کمرے میں پڑے رہنے کو جی نہ چاہا ۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی ۔ حد نگاہ تک موسم بے حد پیارا تھا۔ بادل نام کو بھی نہیں تھے ۔ نیلا آسمان دھل دھلا کر نکھرا ہوا تھا۔ سبزے سے ڈھکے پہاڑ بے حد اچھے لگ رہے تھے۔

وہ چند لمحے کھڑکی میں کھڑی رہی۔ پھر پلٹی جرسی پہنی۔ شال لی موزے پہنے اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

فطرت حسن چار سو بکھرا ہوا تھا۔ لیکن نازیہ اس حسن سے لطف اندوز ہونے نہیں آئی تھی ۔ لطف اندوز ہو بھی کیسے سکتی تھی ۔ جبکہ ذہن میں سلگاؤ ہی سلگاؤ تھے ۔ وہ تو اپنے جلتے افکار سے چھٹکارا پانے کو باہر نکلی تھی ۔

وہ اوپر مال پر گئی وہاں بہت کم لوگ تھے ۔ کچھ لوگ ناشتہ کے لئے میز کے نیچے حلوائیوں کی دکانوں کی طرف جا رہے تھے ۔ حلوہ پوری کی خوشبو فضا میں رچی بسی تھی ۔

گرم گرم حلوہ پوری کھانے کو اس کا من چاہا ۔ لیکن من کی یہ خواہش کچل کر وہ آگے بڑھ گئی وہ چلتی چلی گئی ڈاک خانے کے قریب پہنچ کر تھوڑی دیر کو دم لیا۔ اس کی پتھریلی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اکا دکا آنے جانے والوں کو تکنے لگی ۔

خنکی کچھ زیادہ ہی تھی ۔ جرسی اور شال ٹھنڈ سے بچانے کے لئے ناکافی تھے ۔ اس کا خیال تو تھا۔ کہ کشمیر پوائنٹ تک جائے لیکن ٹھنڈ کی وجہ سے ارادہ ملتوی کر دیا ۔ ویسے بھی اس طرف سناٹا سا تھا۔ اس نے ادھر نہ جانا ہی مناسب سمجھا۔

واپس ہوٹل آنے کو بھی جی نہ چاہ رہا تھا۔ شعیب کبھی پانی کبھی شعلہ تھا۔ اس سے ڈرنے لگی تھی اسے حق بجانب گردانتے ہوئے بھی اس پر کچھ غصہ کچھ گلہ تھا۔

کیوں ؟

جانے کیوں ؟

وہ سیڑھیوں سے اٹھی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی واپس ہولی ۔

وہ سمیز کے قریب پہنچی تھی کہ سامنے سے آنے والی دو عورتوں اسے دیکھ کر رک گئیں - نازیہ نے ان کو دیکھا تھوڑی سے پہنچاں آنکھوں میں لہرائی ان بیگمات کو اس نے ٹونی کے ہاں یہ ایک بار دیکھا تھا۔

"ہیلو۔" ان میں سے ایک نے کہا -

" تم غالباً ٹونی کی دوست ہو۔" دوسری بولی -

" جی۔" نازیہ نے دونوں کی طرف دیکھا -

دونوں نے بڑے تپاک سے اس کی احوال پرسی کی - پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بولیں -

" اکیلی گھوم رہی ہو۔"

دوسری نے کہا۔ " مری کب آئیں۔"

پہلی نے ہنس کر کہا۔ " اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آئی ہو۔"

نازیہ نے سر جھکا لیا -

دوسری بولی۔ " لیکن وہ تو سنا ہے باہر چلا گیا ہے۔" نازیہ نے سر ایک دم اٹھایا وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا نام تھا اس کا۔"

پہلی نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا " اس کا کوئی ایک نام تھوڑا ہی ہے - اچھا ہی ہوا - وہ ملک سے باہر دفع ہوگیا ہے کتنی معصوم لڑکیوں کو اس نے ورغلایا ہے۔"

" موذی کے پاس پیسہ بھی جانے کہاں سے اتنا آتا ہے۔"

" اس کے باپ کے پاس گلف کے دو تین ملکوں میں ٹھیکے ہیں - پانی کی طرح پیسہ آرہا ہے ہاتھ میں۔۔ باپ کماتا ہے بیٹا اڑاتا ہے۔"

" ٹونی اور اس کی ممی بھی اسے خوب لوٹا۔"

" بہت پیسہ بنایا -"

" اوہ تم بور ہو رہی ہوگی۔" ایک خاتون نے آپس کی باتوں کے بعد نازیہ کو دیکھا -

دوسری بولی۔ " تمہیں بری تو نہیں لگیں ہماری باتیں -"

پہلی بولی " بری کیوں لگیں گی حقیقت وہ خود بھی جانتی ہو گی - وہ اسے بھی چھوڑ بھاگا ہوگا۔ کیوں لڑکی کیا میری ریڈنگ غلط ہے ؟"

نازیہ نے ہولے سر ہلا دیا اس کی آنکھیں چھلک آنے کو تھیں - لیکن اپنے اوپر ضبط کا لبادہ چڑھاتے ہوئے بولی۔ "آنٹی آپ مجھے اس کے متعلق کچھ اور بتانا پسند کریں گی۔"

" مثلاً۔"

" آپ مانی کو کب سے جانتی ہیں۔"

" جب سے ہمارے معزز ہمسائے کی معصوم بیٹی کو اس نے ورغلایا برباد کیا اور چھوڑ کر تین چار ماہ گلف میں غائب رہا۔"

" اے بھئی اس کا تو وطیرہ یہی ہے - تین چار مہینے کے لئے غائب ہو جاتا ہے - پھر دولت سمیٹ کر آجاتا ہے -"

" ٹونی کی ممی کی جھولی بھرنے کے لئے -"

دونوں نے ننھا سا قہقہہ لگایا -

" تم اسے بھول جاؤ لڑکی وہ بہت دھوکے باز ہے - اس کی آس میں نہ بیٹھی رہنا بہت چالاک آدمی ہے - اب ملے تو تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دے گا۔"

پھر اس عورت نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ " دوستی زیادہ تو نہیں بڑھائی تھی تم نے۔"

دوسری طنز سے مسکرائی۔ "بڑھائی بھی ہو تو اب کیا کہہ سکتی ہے۔"

پھر

دونوں ٹونی کی ممی کی باتیں کرنے لگیں - ان باتوں سے نازیہ کی آنکھوں سے کئی پردے اٹھ گئے۔

دونوں نے نازیہ کی طرف دیکھا ایک نے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ " تم کس کے ساتھ آئی ہوئی ہو۔"

"گھر والوں کے ساتھ " نازیہ نے جلدی سے کہہ دیا -

"ابھی ٹھہرو گی۔"

" شاید۔"

" اچھا۔"

دونوں نے اسے خدا حافظ کہا اور اسی کی باتیں کرتیں اوپر جانے لگیں -

نازیہ سکتے کی سی کیفیت سے دوچار وہاں چند لمحے کھڑی رہی

مانی کی دھوکہ بازی اور فریب کے ثبوت تو پہلے بھی مل چکے تھے - ان خواتین کی باتوں سے زیادہ اثر کیا لینا تھا۔ لیکن سمجھ نہ پائی تھی کہ اس نکاح کا کیا کرے جس میں جکڑ کر وہ فرار ہوگیا تھا۔

بڑی دل برداشتہ ہو رہی تھی وہ۔

اپنے کمرے میں آکر وہ بیڈ پر گر گئی اس کا دماغ سن ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جانے کتنی دیر

ویسے ہی پڑی رہی۔

" ناشتہ کرلو۔ شعیب کی دوسرے کمرے سے آواز آئی ۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو شعیب نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ آواز دی ۔

" میں ابھی نہیں کروں گی۔" اس نے جواب دیا ۔

"کیوں۔" شعیب نے تند لہجے میں کہا ۔

" طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

" تلاش کو نکلی تھیں صبح صبح ۔ ناکامی ہوئی۔" وہ کھولتے طنز کی مار کرنے لگا ۔

" جی۔ جی۔" وہ بیڈ میں اٹھ بیٹھی۔

شعیب چند لمحے چپ رہا۔۔ نازیہ دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آگئی۔

اجڑی اجڑی لٹی لٹی ویران ویران سی نازیہ کو شعیب نے نظر بھر کر دیکھا ۔

"کہاں گئی تھیں ۔"

" باہر۔"

"کیوں۔"

" یونہی۔"

" شاید تم اپنے شوہر نامدار کی تلاش۔"

" شعیب صاحب میں اگر اس کی تلاش میں سرگرداں رہوں بھی تو یہ میرا حق ہے۔"

" بہت یاد آتا ہے۔"

" آنا چاہئے۔"

" اوہو عشق کے دم خم۔"

" شعیب صاحب۔ آپ طنز کی بھرمار۔"

وہ ہنسا۔ زور سے ہنسا اور پھر کھلکھلا کر قہقہہ لگایا ۔

نازیہ اس کو پوری آنکھیں کھول کر تکنے لگی ۔

وہ پہلے ہی بے حد پریشان تھی۔ اس پر شعیب کے رویہ سے پریشانی جان لیوا ہو گئی تھی۔

آخر اسے ان پریشانیوں سے نپٹنا تھا۔ یوں زندگی تو نہ گزر سکتی تھی ۔ کیوں نہ آج ہی نپٹ لے اس نے سوچا اور پھر سارے خوف اور ڈر ذہن کے جھٹک کر کھڑی ہو گئی ۔

" شعیب صاحب۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا ۔

" ہوں۔"

" میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

" فرمائیے۔"

" آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈالئے آج ۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"کیا؟؟؟"

" ہاں۔ فیصلہ کر ڈالئے۔"

شعیب اٹھ کر اس کی کرسی کے قریب آگیا ۔ گھور کر اسے دیکھا اور بولا۔ " ابھی کوئی فیصلہ طلب بات باقی ہے ۔"

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے چینی سے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے اسے تکنے لگی۔

وہ اپنے قدموں پر گھوم گیا ۔ اس کی طرف پشت کرتے ہوئے گھمبیر لیکن ٹھوس لہجے میں بولا۔ " جو کھیل تم نے گڑیوں کا کھیل سمجھ کر کھیلا وہ زندگی اور موت کے کھیل کے برابر ہے ۔"

" جی۔" وہ سہم گئی ۔

" شادی ۔ طلاق شادی طلاق۔ کیا سمجھتی ہو اسے۔"

" لیکن۔" وہ پھر پر اعتماد لہجے میں بولی " مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے ۔ جرم بھی کہہ سکتے ہیں اسے ۔ لیکن گناہ نہیں پھر بھی میں اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔"

" سزا سزا تو تم نے مجھے ناحق میں دی ہے۔"

" میں سوائے معذرت کے اور کیا کروں ۔ بھول معاف بھی کی جا سکتی ہے۔"

" نہیں ۔"

"پھر۔"

"پھر اذیت کے کرب سے میں دوچار ہوں تم بھی رہو۔"

وہ چند لمحے چپ رہی ۔ پھر بولی۔ " یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

" طلاق چاہتی ہو۔"

اس نے اثبات میں سرہلایا ۔

شعیب بھڑک اٹھا ۔ لیکن تحمل سے بولا " قانوناً اور مذہباً ہمارا نکاح ہوا ہے نہ طلاق کا سوال اٹھتا ہے۔"

وہ شعیب کا منہ تکنے لگی ۔

" لیکن۔" شعیب چند لمحے رکا پھر ٹھوس لہجے میں بولا۔ " تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔"

نازیہ کی سانسیں اکھڑنے لگیں - وہ کرسی پر تیورانے کے انداز میں گر گئی۔

" ذلیل لڑکی۔" شعیب نے دانت پیس کر کہا۔" میرا یہ فیصلہ آخری فیصلہ ہے - تمہارا شوہر تمہیں مل بھی جائے پھر بھی میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔"

" میرا شوہر مل جائے تو فیصلہ میں خود کر لوں گی۔" نازیہ غصے سے شعلہ ہو گئی -

شعیب نے اسے ایک لمحہ کو غور سے دیکھا پھر طنز سے بولا " تم اس کے پاس جانے کی حسرت میں مرو گی اب۔"

" میں اس کی پاس جانا نہیں چاہتی ---- میں صرف اسے پانا چاہتی ہوں اس لئے اس لئے کہ اس دھوکے باز فریبی انسان کو اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا سکوں۔"

شعیب نے طنز سے بھرپور قہقہہ لگایا - پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا

" شاید تم مجھے خوش کرنے کے لئے یہ بات کہہ رہی ہو۔"

وہ اس طنز سے کھول گئی ایک تلخ نگاہ شعیب پر ڈالی -

شعیب پھر بولا " کسی خوش فہمی میں خود مبتلا ہونا نہ ہی مجھے مبتلا کرنے کی کوشش کرنا۔ سمجھیں۔"

وہ چپ رہی -

" میں نے سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ اس لئے نہیں کیا کہ میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں - تم جو قدم اٹھا چکی ہو - اس پر تو نفرت سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ بہر حال میں نے یہ فیصلہ صرف صرف اپنی ماں کے لئے کیا ہے۔"

وہ بے حد مضطرب نظر آئی -

شعیب کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اور باہر تکتے ہوئے بولا۔ " میری ماں نے زندگی میں بڑے دکھ دیکھے ہیں۔ وہ بیمار رہتی ہیں - ان کی قوت برداشت ختم ہو رہی ہے۔"

وہ مڑا اور تلخی سے بولا۔ "میری ماں نے بڑے اعتماد سے ایک معزز اور شریف گھرانے کی معصوم لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ اگر انہیں تمہارے کرتوت بتا دیئے جائیں تو جانتی ہو کیا ہو گا۔"

نازیہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی

" یہ صدمہ ان کے لئے جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ روتی رہی -

اور شعیب سگریٹ کے کش پہ کش لیتا رہا۔

" اس لئے ......اس لئے جب تک وہ زندہ ہیں - تمہیں مجھ سے آزادی نہیں ملے

گی۔ خواہ تمہارا چہیتا شوہر اپنے رویے پر نادم ہو کر واپس بھی آ جائے۔ سمجھیں۔ تمہیں اس کا خیال ذہن سے نکال دینا ہے۔"

اس نے زور سے زمین پر پاؤں پٹخا۔

پھر

وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

نازیہ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں - اس کے اندر اطمینان کی لہریں پھیل رہی تھیں۔

وہ کب آزاد ہونا چاہتی تھی - شعیب اور ماں جی کے محفوظ حصار تلے زندگی سرکتی چلی جائے اور اسے کیا چاہئے تھا۔ یہ فیصلہ شعیب نے ماں جی کے لئے کیا تھا۔

لیکن

یہ نازیہ کے لئے سکون و اطمینان کا پیغامبر تھا۔ اس کے ماں باپ اور بھائی بھی تو اس اذیت و کرب سے بچ جاتے تھے - جو طلاق کی صورت انہیں ملتی -

☆ ☆ ☆

نازیہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

اور

شعیب ہراساں کھڑا مضطربانہ اپنی مٹھیاں کھول اور بند کر رہا تھا۔

یہ سب کیوں اور کیسے ہوگیا تھا۔

وہ سمجھ نہ پا رہا تھا۔

یہ رات بڑی تیرہ و تاریک تھی - بادلوں کی یلغار تھی - تند اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں - کبھی زوروں کی بارش ٹین کی چھتوں پر شور مچاتی اتر رہی تھی - اور کبھی بادلوں کی خوفناک گرج چمک سے کواڑ تھرا جاتے تھے -

سردی بہت تھی - شعیب دیر تک سگریٹ پھونکتے ہوئے معنی اور بے معنی باتیں سوچ رہا تھا - ڈھنگ سے کوئی بات ذہن میں نہ آرہی تھی - مری آئے پانچواں دن تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا۔ کہ صبح واپس چلا جائے یہاں بے مقصد وقت گزارنے سے بہتر تھا۔ کہ جا کر اپنے کاروبار کی خبر لے -

نازیہ کے متعلق اس نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ جو وہ اسے مطلع کر چکا تھا۔ جگ ہنسائی او ماں جی کی دل شکنی سے بہتر تھا کہ خاموشی سے حالات و واقعات کو وقت کے دھارے پر بہنے دے - سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف سا ہو چکا تھا۔ اور دماغی نسیں چیخ رہی تھیں -

کچھ اسے نازیہ کے والدین کا بھی احساس تھا۔ اسے تو بے گناہی کے گناہ کی سزا ملی تھی - ان بیچاروں کو اس بے وقوف لڑکی کی وجہ سے اتنا بڑا دکھ نہیں ملنا چاہئے تھا۔ ایسا دکھ جس سے وہ ذلیل و خوار ہو سکتے تھے -

نازیہ سے اسے کوئی سروکار نہیں رکھنا تھا۔ اس سے اسے دلی نفرت ہو چکی تھی - اپنے درد ہی کو سمیٹنا مشکل تھا۔ اس نے سب سوچ لیا تھا۔ یہ بھی سوچ لیا تھا۔ کہ نازیہ کا پہلا شوہر کہیں سے آگیا تو وہ کیا کرے گا - بہرحال یہ وقت آنے پر فیصلہ کرنے والی بات تھی -

ہنگامی فیصلہ اس نے نازیہ کے گوش گزار کر دیا تھا۔

ادھر دوسرے کمرے میں نازیہ بھی بستر میں پڑی تھی - ٹھنڈ بہت تھی۔ اور اس کا جسم برف کا تودہ بنا ہوا تھا۔ سکڑ سمٹ کر گھٹنے سینے سے لگائے وہ گٹھڑی سی بنی پڑی تھی -

شعیب کے فیصلے سے اسے بہت سکون ملا تھا۔ اور اس نے بھی حالات کو وقت کے دھارے پر بہنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی مانی کو ڈھونڈ نکالنے کا عزم بھی پختہ کر لیا تھا۔ اس نابنجار کو وہ اپنے انتقام کی آگ میں جھلس ڈالنے کا تہیہ کر چکی تھی -

وہ انتقام کے ذہنی طریقے وضع کر رہی تھی - اس شیطان مجسم کو ڈھونڈ نکالنے کی ترکیبیں سوچ رہی تھی - جہاں جہاں سے اس کے متعلق پتہ چلنے کا امکان تھا۔ - وہ وہاں وہاں پہنچنے کے منصوبے بنا رہی تھی - اسے ان دو خواتین کا بھی خیال آرہا تھا۔ جو پہلے روز مال پر ملی تھیں - کل وہ ان سے ملنے کا پروگرام بنا رہی تھی - شاید کوئی سرا ان کے ہاتھوں ہاتھ آسکے -

بادل زور سے گرج رہے تھے - رات کے تیرہ و تاریک پہلو میں بجلیوں کے خنجر اتر رہے تھے - ہوائیں چنگاڑ رہی تھی - اور کھڑکیوں دروازوں کے بند پٹ تھپیڑوں اور دھماکوں سے بج رہے تھے -

شعیب نے سائیڈ لیمپ جلا دیا - بستر میں اٹھ بیٹھا۔ نیند نہیں آرہی تھی گھڑی دیکھی دو بجنے والے تھے -

اس نے اٹھ کر سنٹر ٹیبل پر بڑا میگزین اٹھا لیا - اس کی ورق گردانی کر کے وقت گزارنا مقصود تھا۔

وہ بستر میں لیٹنے کو تھا کہ سامنے صوفے پر نظر پڑی موٹا کمبل اس پر پڑا تھا۔

یہ کمبل نازیہ کے بیڈ کا تھا۔

تو کیا وہ صرف ایک کمبل میں سو رہی تھی ؟

شعیب کو کپکپا دینے والی سردی نے کچھ اور بھی کپکپا دیا - کمبل اس کمرے میں شاید صفائی کرنے والے نے رکھ دیا تھا۔

شعیب بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا - چاہا کہ کمبل نازیہ کو دے دے - پھر سوچا۔ ٹھنڈ لگ رہی ہوتی تو خود ہی کمبل کے لئے کہہ دیتی

وہ بستر میں لیٹ گیا اور رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا

لیکن

اس کا دھیان مڑ مڑ کر کمبل اور بے پناہ سردی کی طرف جاتا تھا۔ کتنی دیر گزر گئی -

وہ سویا نہ اٹھ کر کمبل نازیہ کو دیا۔

لیکن

اس عرصے میں اس نے جو آرٹیکل پڑھا اس کا ایک لفظ بھی ذہن نشین نہ ہوا - ہاتھ مشینی انداز میں صفحے الٹتے رہے اور آنکھیں بھی اسی مشینی انداز میں سطروں پر لگی رہیں -

اچانک بادل زور سے گرجا- اور بجلی کہیں قریب ہی تڑپی -

اتنا خوفناک دھماکہ ہوا کہ شعیب بے اختیار ہو کر بیڈ میں اٹھ بیٹھا-

اسے نازیہ کی خوفزدہ سی چیخ بھی سنائی دی -

شاید وہ ڈر گئی تھی -

شعیب بستر سے نکلا اور درمیانی دروازے کی طرف بڑھا-

چند لمحے چپ کھڑا رہا-

پھر

اسے یوں محسوس ہوا جیسے فضا میں ہلکی ہلکی سسکیاں بکھر رہی ہیں -

وہ گنگ سا کھڑا رہا-

پھر سوچا......

"نہیں یہ سسکیاں نہیں ہیں - شاید نازیہ ٹھنڈ سے کپکپا رہی ہے اسے کمبل دے دینا چاہئے -"

وہ مڑا......

اور صوفے سے کمبل اٹھالیا-

بعض اوقات ہم اپنے ہی سامنے بے بس ہو جاتے ہیں- اپنے اشاروں پر آپ چلتے ہیں - اپنے حکم سے سر موانحراف نہیں کرسکتے - یوں لگتا ہے......

اپنی شخصیت ہی دو حصوں میں بٹ گئی ہے - ایک حصہ حاکم بن جاتا ہے- دوسرا محکوم - ایک عامل دوسرا معمول - ایک آقا دوسرا غلام -

کچھ یوں ہی شعیب کی شخصیت بھی اس وقت دو حصوں بٹ گئی تھی- حاکم حکم دے رہا تھا اور محکوم اس حکم کو عملی جامہ پہنا رہا تھا-

چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا-

پھر

یوں جیسے عامل نے عمل کا حکم دیا ہو - اور وہ معمول کی طرح بغیر اپنی عقل و ہوش استعمال کئے دروازے پر دستک دے رہا ہو -

" نازیہ اس نے آواز دی-"

نازیہ جاگ ہی رہی تھی - اس آواز کو خیالی سمجھا - وہ بھی تو اس وقت صرف اور صرف شعیب ہی کے متعلق سوچ رہی تھی - اس سوچ کا محور فرشتہ خصلت شعیب تھا- کتنا بھروسہ اور کتنا اعتماد تھا اس پر - وہ چاہتا - تو-

تو

کیا نہیں کر سکتا تھا-

لیکن

اس نے نازیہ کو سوائے طنز کی اذیت دینے کی اور کچھ نہیں کیا تھا- اور یہ اذیت دینے میں وہ حق بجانب بھی تو تھا-

" نازیہ - اب پھر شعیب نے پکارا-"

نازیہ نے کمبل چہرے سے ہٹایا سر کو جھٹکا بال کانوں پر سے ہٹائے - لیکن وہ یقین نہ کر پائی - کہ شعیب نے اسے آواز دی ہے -

اب شعیب نے ہولے سے دروازہ کھٹکھٹایا - "نازیہ -"

نازیہ بستر میں اٹھ بیٹھی - دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر تکنے لگی -

اس وقت وہ شب خوابی کے لباس میں تھی - اس نے جلدی سے سرہانے پڑی شال اٹھا کر کندھوں پر ڈالی - سردی کی لہریں اس کے رگ و پے میں کپکپاہٹیں بن کر دوڑنے لگیں -

" نازیہ - اب کے آواز صاف تھی - اور دروازے پر دستک دی جارہی تھی -"

"جی -" نازیہ نے کہا-

" یہ کمبل لے لو - اس کمرے میں پڑا تھا- سردی بہت ہے - اور تم غالباً ایک کمبل میں ہو -"

سردی واقعی بہت تھی - نازیہ کو دو کمبلوں میں بھی ٹھنڈ لگ رہی تھی - تیسرا کمبل اسے نہیں ملا تھا- سردی ہی کی وجہ سے اسے نیند نہ آرہی تھی - ورنہ آج تو اسے مطمئن ہو کر سوجانا تھا-

وہ بستر سے نکلی پاؤں میں مخملیں چپل پہنے شال اچھی طرح سے کندھوں کے گرد لپیٹی -

اور

اٹھ کر دروازہ کھول دیا -

شعیب کمبل لئے کھڑا تھا-

نازیہ نے ہاتھ بڑھایا - شعیب نے دونوں ہاتھوں میں پکڑا کمبل اس کی طرف بڑھا دیا۔
" سردی بہت ہے - وہ بولا -"
نازیہ نے کوئی جواب نہ دیا - منتظر کھڑی رہی کہ شعیب دروازے سے ہٹے تو وہ دروازہ بند کرے -
لیکن
شعیب وہیں کھڑا تھا۔
" ابھی ابھی تم نے چیخ ماری تھی۔" وہ بولا - نازیہ نے آہستگی سے سر ہلایا - "کہیں قریب ہی بجلی گری تھی -"
" ہاں
وہ چپ ہو گئی -
شعیب وہیں کھڑا تھا۔
" جاؤ لیٹ جاؤ۔" شعیب نے کہا -
نازیہ کہہ نہ سکی - کہ تم ہٹو تو دروازہ بند ہو -
شعیب ایک قدم اٹھا کر اندر آگیا - "لاؤ کمبل اس نے اس کے ہاتھ سے کمبل لے لیا۔"
" لیٹ جاؤ - میں کمبل اوپر ڈال رہا ہوں - تم تو سردی سے کانپ رہی ہو۔
وہ واقعی کانپ رہی تھی -
شعیب نے ایک ہاتھ پر کمبل ڈالا - اور دوسرے کو نازیہ کے کندھے پر رکھتے ہوئے بولا
" چلو لیٹ جاؤ۔
نازیہ بیڈ کی طرف آئی -
شعیب نے اسے بیڈ میں لٹا دیا - دونوں کمبلوں کے ساتھ کمبل بھی جوڑا اور اس کے اوپر ڈالتے ہوئے دونوں طرف سے کمبل اس کے جسم کے ساتھ جیسے چپکانے کی کوشش کرنے لگا -
اور
اسی کوشش میں۔
شعیب اور نازیہ کا سراپا تحلیل ہو گیا -
وہاں
صرف

اور
صرف
ایک مرد او ایک عورت رہ گئے -
جوان دھڑکتے دل طوفانی امنگیں - منہ زور جزبات - بھوکے پیاسے ترسے ہوئے جنسی جزبے - شعیب تو صرف دہکتا ہوا جسم بن گیا۔
باہر برق و باراں طوفانی صورت اختیار کئے تھی -
اور
اندر
جذباتیت حیوانیت کی حدوں کو چھو رہی تھی -
پھر
جب کناروں سے اچھل اچھل پڑنے والی طوفانی لہریں شانت ہوئی - مدہوشی کو ہوش آیا - سرور اترا۔ خمار ٹوٹا -
تو
تو
شعیب ہراساں کھڑا تھا۔
اور نازیہ ہچکیوں سے رو رہی تھی -

☆ ☆ ☆

نازیہ کی حالت پاگلوں کی سی ہو رہی تھی - وہ چیخ چیخ پڑتی - زور زور سے رونے لگتی - اور دو تین دفعہ تو اسے بے ہوشی کا دورہ بھی پڑ گیا۔

شعیب نادم متاسف اور بے حد شرمندہ تھا۔ نازیہ اسے کوس رہی تھی - رو رو کر فریادی ہو رہی تھی -

" تم وحشی ہو درندے ہو۔ تم نے ایک بیاہتا عورت کی عزت لوٹی ہے - تم مجرم ہو گناہگار ہو۔

جانے چیختے ہوئے وہ کیا کچھ کہہ رہی تھی -

شعیب کے پاس کوئی جواب نہ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔ کمزوری کے اس لمحے کو کوس رہا تھا۔ جو اس جیسے مضبوط کردار شخص کے حواس پر مسلط ہو گیا تھا۔ اب وہ اپنے آپ کو اتنا کمزور اور بے بس سمجھ رہا تھا کہ نازیہ جیسی لڑکی کی صلواتیں سن کر سر جھکا لیا تھا۔

" میں نے اب تک جو کچھ کیا تھا۔ وہ گناہ کسی طور نہیں تھا۔ گناہ سے بچنے کے لئے میں نے اس ذلیل آدمی سے نکاح کیا تھا۔ کم از کم میری روح تو مطمئن تھی - لیکن - لیکن تم نے سب کچھ جانتے بوجھتے بھی -

اس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی -

دن چڑھنے تک یہی کچھ ہوتا رہا۔ شعیب اپنے فعل پر ازحد شرمندہ تھا -

اس نے کئی بار نازیہ سے کہا تھا " میں شرمندہ ہوں - معاف کردو۔

لیکن

وہ خود بھی جانتا تھا کہ جو فعل سرزد ہو چکا ہے - اس سے صرف ان الفاظ کے کہہ دینے سے نجات نہیں مل سکتی - وہ انسانی شرافت کی رخ سے بہت پیچھے گر گیا تھا۔ اسے معلوم تھا۔ کہ نازیہ شادی شدہ ہے - اتنا بھی جانتا تھا کہ نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا - بڑے دن وہ اس لمحے سے بچتا پھرا تھا

لیکن

آج رات

طوفان کے بند ٹوٹ گئے تھے - اور یہ ٹوٹے بند اس کی شرافت نیک نفسی اور پاکیزگی بہالے گئے تھے -

اسے اپنے ٹوٹ پھوٹ جانے پر کتنا دکھ ہو رہا تھا۔ اپنے فعل پر کس قدر پچھتا رہا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔

اسی لئے تو وہ نازیہ کے سامنے بھیگی بلی بن کر معذرت پہ معذرت کئے جا رہا تھا۔ وہ اتنا جھک رہا تھا۔ کہ نازیہ کی آنکھ سے آنکھ ملا کر بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

نازیہ اسے آج واقعی مظلوم لگ رہی تھی -

اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لئے صبح ہی صبح سامان پیک کرنے میں لگ گیا۔

نازیہ بستر ہی میں لٹی لٹی پڑی تھی - شعیب نے ہولے سے کہا - " ہم آج واپس جا رہے ہیں سامان پیک کر لو۔"

وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی " کیا ضرورت ہے جانی کی - چند دن اور عیش کر لو -"

" نازیہ شعیب سے اب برداشت نہ ہو سکا۔"

" میں - میں - وہ بے تحاشہ رونے لگی -"

" چپ ہو جاؤ وہ چیخا۔"

نازیہ چپ نہیں ہوئی - تو وہ غرایا۔ " بہت کچھ کر لیا ہے تم نے۔ تمہاری باتیں اعصاب شکن ہیں - میں برداشت نہیں کر پاؤں گا۔"

" اعصاب شکن وہ طنز سے روتے روتے مسکرائی -"

" ہاں - اور سن لو - میں آئندہ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔"

" ہاں - تم کیوں سنو گے وہ چلائی -"

" میں نے معذرت کی ہے - اپنے کئے پر شرمندہ بھی ہوں - اب تم بہت بڑھتی جا رہی ہو - میں برداشت نہیں کر سکتا - اور - اور پھر۔ میں اپنے آپ کو کسی حد تک حق بجانب بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں -"

نازیہ نے قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی -"

شعیب نے رخ موڑتے ہوئے کہا۔ " میں نے شادی کی تھی - تمہارے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے - یہ فعل -"

" اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں نہ دو وہ چلائی -"

شعیب کچھ نہ کہہ سکا - اپنے کمرے میں لوٹ آیا - یہ تاویل جو اس نے اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لئے گھڑی تھی - واقعی بے معنی تھی -

وہ کمرے میں بے چینی کے عالم میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی -

سگریٹ ہاتھ کے جھٹکے سے ایش ٹرے میں پھینک کر اس نے فون اٹھایا -

"ہیلو۔"

"شعیب صاحب۔"

"یس -"

"لاہور سے کال ہے سر ہولڈ کریں -"

شعیب سمجھ نہ سکا - قیافہ ہی لگا رہا تھا۔ کہ آواز آئی -

"بات کریں سر۔"

"ہیلو - شعیب نے کہا۔"

دوسری طرف سے اس کے تایا زاد بھائی کی آواز آئی -

"سلیمان بول رہا ہوں شعیب۔"

"کیا بات ہے اتنی سویرے سویرے -"

"بات کچھ ایسی ہی ہے - چچی جاں کی طبیعت کل رات خراب ہو گئی تھی -"

"ماں جی کی -"

"ہاں گھبراؤ نہیں - بس جلدی پہنچنے کی کوشش کرو - انہیں ہوسپٹل ایڈمٹ کروا دیا ہے - سروسز ہوسپٹل میں -"

"کیا؟"

"یار گھبراؤ نہیں - بس واپس آجاؤ - ہنی مون کے لئے پھر چلے جانا - تمہیں ہم دو بجے تک لاہور -"

"کیا وہ بہت سیریس ہیں- کیا ہوا ہے۔"

"برین ہیمرج -"

"اوہ خدایا -"

"شعیب پلیز حوصلہ رکھو - تم نے اتنا طویل سفر بھی کرنا ہے - کسی ڈرائیور کا بندوبست ہو سکے - تو بہتر ہو گا خود ڈرائیو -"

"میں ابھی چل پڑوں گا وہ بولا - ریسیور خدا حافظ کہنے کے بعد رکھدیا۔"

پھر شعیب نے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر کرسی کا سہارا لیا۔

اس سے کھڑا نہ ہوا جا سکا - کئی بے جان لمحے رینگ گئے -

بیرہ چائے لے آیا تھا۔

"سر چائے اس نے مودبانہ کہا -"

شعیب نے آنکھیں کھول دیں - اس نے اپنا حوصلہ آپ بندھایا - صورت حال کے لئے اسے تیار ہونا تھا۔"

"رکھ دو۔"

بیرہ چائے رکھ کر کمرے سے نکل گیا -

"سنو شعیب ایک دم اٹھ کر لپکا۔"

"یس سر۔"

"ناشتہ فوراً لے آؤ -"

"ابھی سر۔"

"ہاں۔"

"اچھا سر

وہ چلا گیا - تو شعیب فون کی طرف بڑھا - مینجر سے ضروری باتیں کیں - ڈرائیور کے متعلق بھی پوچھا - وہ اسے معقول اجرت دینے کو تیار تھا۔

وہ ساری رات سو نہ سکا تھا۔ ذہنی پریشانی پہلے ہی کیا کم تھی - اس پر ماں جی کی بیماری کی اطلاع - مری سے لاہور تک گاڑی ڈرائیو کرنا اپنی ذہنی حالت کے پیش نظر کچھ مشکل ہی نظر آرہا تھا۔

مینجر نے کچھ دیر بعد فون پر اطلاع دینے کی بات کی - اس کا خیال تھا کہ ڈرائیور مل جائے گا -

شعیب پلٹا - درمیانی ادھ کھلے دروازے کی طرف دیکھا -

پتہ نہیں نازیہ اٹھ گئی تھی - یا بستر ہی میں تھی - اب تو اس کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے بھی اسے خوف آرہا تھا۔

پھر بھی......

ماں جی کی بیماری کی اطلاع اور واپسی کی تیاری کا اسے کہنا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا -

نازیہ بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی - اس کی سڈول اور گوری گوری پنڈلیاں نائٹی کے

اٹھ جانے سے ننگی ہو رہی تھی - شانے بھی ننگے تھے۔ اور ان کی پھسلتی ڈھلانوں پر گلابی نائیلٹ کی ادھ کھلی ڈوریاں پھسل رہی تھیں -

کھلے گریبان سے اس کے سینے کے زیرو بم قیامت خیز لگ رہے تھے - شعیب نے اس پر نگاہ ڈالی -

" کاش - کاش یہ سب کچھ میرا ہوتا - ایک حسین سی لہر پریشانی اور انتشار کے عالم میں بھی ذہن میں جگہ بنا گئی -"

" چائے پی لو شعیب نے ہولے سے کہا -"

نازیہ نے ایک تلخ نگاہ اس پر ڈالی -"

" ہم ابھی واپس جا رہے ہیں - فون آیا ہے - ماں جی کا برین ہیمرج -"

نازیہ شاید اس پر تلخی اور قہر کی آگ انڈیلنے کو تھی - لیکن ماں جی کا سن کر چپ ہو گئی -

شال کندھوں پر ڈالی - پاؤں میں چپل اڑسے - اٹھتے ہوئے گمبھیر آواز میں بولی " ماں جی کی اطلاع -

وہ سر جھکائے جھکائے سوگوار سی مدھم آواز میں بولا " سلیمان بھائی نے ابھی ابھی فون کیا ہے - ماں جی ہوسپٹل میں ہیں۔ اور ہمیں جلد واپس آنے کی تاکید کی ہے - پتہ نہیں ماں جی - اس کی آواز گھٹ گئی -

چند لمحے چپ رہنے کے بعد آہستگی سے بولا - " ناشتہ بھی آرہا ہے - تم جلدی سے تیار ہو جاؤ - دیر نہیں کی جا سکتی پتہ نہیں ماں جی۔

نازیہ نے شعیب کی طرف دیکھا - پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کہ اس آدمی سے ہمدردی کا اظہار کرے - یا نفرت کی کھولتی آگ برسادے اس پر -

لیکن احساس کی اس لہر سے وہ بھی نہ بچ سکی - جو شعیب کو دیکھ کر من میں ابھری تھی - " کاش - کاش - یہ آدمی میرا مقدر ہوتا۔"

اس نے اس لہر کو بیدردی سے جھٹک دیا تھا۔ اور واپس مڑتے ہوئے باتھ روم میں چلی گئی تھی -

دس بجے کے قریب اس کا سامان گاڑی میں لد چکا تھا۔ نازیہ تیار ہو کر باہر آگئی تھی - شعیب بھی تیار ہو چکا تھا۔ ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا تھا۔

نازیہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے دروازہ کھولنے لگی -

" پیچھے بیٹھو - شعیب نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسل

دیا۔"

نازیہ تیکھی نگاہ اس پر ڈالی - ہونٹوں کو سکیڑا اور پھر نچلا ہونٹ ایک سرے سے دانتوں میں دبا لیا - دروازہ جھٹکے سے بند کر کے وہ پچھلی طرف آگئی۔

شعیب سمجھ گیا - جلدی سے بولا " ڈرائیور گاڑی لے جائے گا - مجھ سے پریشانی کے عالم میں ڈرائیونگ نہیں ہو سکے گی - ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا ہے -"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی -

ڈرائیور آگیا - شعیب سے ہاتھ ملایا - پھر چند باتیں کیں -

شعیب نے اسے سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پچھلا دروازہ کھولا -

نازیہ نے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ بے تعلق سی کھڑکی سے لگی بیٹھی تھی - شعیب چور نگاہوں سے اسے کبھی کبھی تک لیتا تھا۔ اور اپنی زیادتی پر اپنے آپ کو کوستے ہوئے دل ہی دل ہیں شرمندہ ہو رہا تھا۔

لیکن

اس کا دھیان ماں جی کی طرف بھی تھا۔ اس لئے جرم کے احساس سے زیادہ دو چار نہیں ہونا پڑا -

راستہ ڈوبتے ابھرتے کٹ ہی گیا۔

☆ ☆ ☆

سروسز ہوسپٹل کے ایک کمرے میں ماں جی بیڈ پر بے سدھ پڑی تھیں ۔ گلوکوز لگی ہوئی تھی ۔ اور آکسیجن کا ماسک ابھی ابھی ڈاکٹر اتار کر گیا تھا۔ حالت تشویش ناک تھی ۔

شاہدہ اور زاہدہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ رشتے دار عزیز دوست سبھی ماں جی کی اچانک بیماری سے پریشان تھے۔ باری باری احوال پرسی کو آ رہے تھے ۔ کمرے میں تو زیادہ لوگوں کو آنے جانے کی اجازت نہ تھی ۔ بیرونی برآمدوں ہی میں فکر مند کھڑے تھے ۔

کبھی زاہدہ اور کبھی شاہدہ ان لوگوں کے پاس آجاتیں ۔ آنسو بہاتیں اور خلوص کے موتی رولتیں ۔

ہر ایک تقریباً ایک جیسا ہی سوال کر رہا تھا۔

"ہوا کیا۔"

زاہدہ اور شاہدہ تفصیل سے سب کو بتا رہی تھیں ۔

ماں جی کی ایک جان سو بیماریوں کی جیسے آماجگاہ تھی ۔ بلڈ پریشر تو عرصے سے تھا۔ ایک گردہ بھی ٹھیک کام نہیں کرتا تھا۔ دل کا عارضہ بھی تھا۔ جب سے شوہر فوت ہوا تھا۔ بتیرے غم فکر اپنی اکیلی جان پہ جھیلے تھے ۔ لیکن بیماریوں کی پرواہ نہیں کرتی تھیں ۔ بیٹیاں اچھی جگہ بیاہ چکی تھی ۔ شاہدہ کے سسرال والے ذرا تیکھے لوگ تھے ۔ بات کا بتنگڑ بنا لیتے تھے ۔ لیکن داماد کی طرف سے سکون تھا۔ زاہدہ نند کے ہاں بیاہی تھی ۔ کویت ہی میں رہتی تھی ۔ دھن دولت کی کمی نہ تھی ۔ شوہر اچھا تھا۔ اس لئے ماں جی اس کی طرف سے مطمئن تھیں ۔

شعیب کی شادی بھی انہوں نے اپنی مرضی و پسند سے کی تھی ۔ بہت خوش تھیں ۔ جیسے ہواؤں کے دوش پر اڑتی پھرتی ہیں ۔ اچھا گھرانہ اور پیاری سی بہو پانا ان کی تمنا تھی ۔ یہ تمنا بھی پوری ہوگئی ۔

لیکن

چھ سات دن کے اندر ہی اندر وہ اپنے سارے بار جھٹک دینے کے بعد یوں کنارہ کشی

کر لیں گی ۔ کسے معلوم تھا۔ یوں لگتا تھا۔ اب تک وہ اپنے سارے روگ اندر ہی اندر چھپائے تھیں ۔ کہ بچوں کو ان کے صحیح مقام پر پہنچانے کی ذمہ داری شوہر کے مرنے پر ان پر عائد ہوئی تھی ۔ اسے نبھاہ رہی تھیں ۔

اور

اب

جب

ساری ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوگئی ۔ تو چپکے سے آنکھیں موند لیں ۔

چپکے ہی سے تو آنکھیں موند لی تھیں ۔ زاہدہ کو پتہ چلا تھا نہ شاہدہ کو۔

حالانکہ اس رات دونوں ہی ماں جی کے کمرے میں سوئی تھیں ۔ شادی کے بعد ابھی تک گھر مہمانوں سے خالی نہ ہوا تھا۔ ماں جی کی رشتہ کی ایک بیوہ بھانجی اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ یہیں تھی ۔ ایک معمر ماموں بھی تھے ۔ دو چار اور عزیز بھی تھے ۔

بھانجی کو تو ماں جی نے اپنی شفقتوں کے سایہ میں لے لیا تھا۔

"اب تم یہاں ہی رہو گی ۔ اوپر والا کمرہ تم لے لو۔ کہاں ماری ماری پھرو گی ۔ سسرال والوں نے نکال دیا ۔ ماں باپ کا در پہلے ہی بند ہے میں تمہاری خالہ ہوں مجھے ماں سمجھو ۔ شعیب تمہارا بھائی ہے اور پھر یقین مانو کہ تمہیں گھر رکھنے میں میری اپنی بھی غرض ہے ۔ بہو نق رہے گی نا ۔ بہو خیر سے آئی ہے ۔ وہ بھی تمہارے ہونے سے خوش ہوگی ۔ شعیب تو صبح گیا رات کو لوٹا۔ سارا دن تمہارے ساتھ گپ شپ لگایا کرے گی ۔

نائمہ نے سر جھکا دیا تھا۔ ماں جی کے لئے اس کے دل میں احترام و عقیدت کے جذبات امنڈ آئے تھے ۔ رفیق کے مرنے کے بعد وہ کتنی بے سہارا ہو گئی تھی ۔ ماں جی نے کتنے پیار سے اسے سہارا دیا تھا۔

اس طرح ماں جی نے اپنے معمر ماموں کو بھی بیرونی کمرہ دے دیا تھا۔

"ماما جی ۔ اب آپ یہاں ہی رہیں گے ۔ جب جی چاہا جا کر بال بچوں سے مل آئے"

ماں جی نے کہا تھا۔

ماموں تلخی سے بولے تھے ۔ "کون اداس ہے مجھ سے زہرہ بیگم بال بچوں کو اپنی پڑی ہے ۔ میں تو ان پر بار ہوں ۔

"اللہ نہ کرے ۔ آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھیں ۔ ماں جی نے کہا اور پھر اس ماموں سے بھی وہی بات کہی ۔" ماما جی آپ کو گھر رکھنے میں بھی سچ کہوں تو اپنی ہی غرض ہے ۔ [illegible]ب اکثر ملک سے باہر جاتا ہے وہاں کاروبار پھیلا رکھا ہے اس نے ۔ آپ جیسے بزرگ کا

گھر میں ہونا بابرکت بھی ہے ۔ اور تحفظ کا احساس بھی ہوتا ہے ۔

ماموں کی تو جیسے خدا نے سن لی تھی ۔ شعیب کے لئے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

یہ ماں جی کے رشتے میں ماموں تھے ۔ عمر میں شاید ان سے چھوٹے ہی ہوں گے لیکن سب ماما جی کہتے تھے ۔ اللہ اللہ کرنے والے بزرگ تھے ۔ ماں جی اک عبادت گزار شب بیدار انسان کو گھر رکھ کر شعیب کے لئے خیرو برکت حاصل کرنے کی خواہاں تھیں ۔

ماں جی شاید یہ سارے انتظامات اس لئے کر رہی تھیں ۔ کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے لاڈلے اور پیارے بیٹے کے گھر میں رونق و برکت رہے ۔ اس کی بیوی کو تنہائی کا احساس نہ ہو ۔ اور ایک نیک انسان کے گھر میں ہروقت موجود رہنے سے تحفظ کا احساس بھی ہو ۔

کل ہی ماں جی نے کوٹھی کی پشت پر بنے تینوں سرونٹ کوارٹر نوکروں میں تقسیم کئے ۔

ایک کوارٹر تو پوشی جو گھر کی پرانی ملازمہ تھی رہ رہی تھی ۔ دوسرے کوارٹر میں ماں جی نے اس کے بہو بیٹے کو فٹ کیا ۔ اور تیسرے میں ڈرائیور کا کنبہ بسایا ۔

تین کوارٹروں میں آٹھ دس مرد عورت اور بچے تھے ۔ تقریباً سبھی ماں جی کے بے دام غلام تھے ۔ اس زمانہ میں جدید طرز کے دو دو کمروں کے کوارٹر مل جانا بہت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا ۔ پھر ماں جی اور باقی گھر والوں کا رویہ جس قدر مشفقانہ تھا ۔ سب جان چھڑکتے تھے ۔

ان لوگوں سے بھی ماں جی نے یہی کہا " یہ تمہارے اپنے گھر ہیں اطمینان سے رہو ۔ شعیب کو اپنا آقا نہیں سرپرست اور بھائی سمجھنا ۔ بہو کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا ۔

وہ سب دل کی زبان سے اپنی خدمات ہمہ وقت پیش کرنے کا عہد کر رہے تھے ۔

اسی رات ماں جی بیمار ہو گئیں ۔

وہ تو شاہدہ اپنے بچے کے رونے اور چپ نہ ہونے پر اٹھی تو ماں جی کے حلق سے نکلتی عجیب و غریب سی آواز پر چونکی ۔ بچے کو بستر پر ہی پھینکا ۔ بتی جلائی اور ماں جی پر جھک گئی ۔

" ماں جی اس نے آواز دی ۔ "

پھر

یہ آوازیں مسلسل ہو گئیں ۔ اس نے ماں جی کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا ۔ کندھا ہلایا ۔

لیکن

ماں جی کی آنکھ نہ کھلی ۔

گھبرا کر اس نے زاہدہ کو جگایا ۔

دونوں ماں جی پر جھک گئیں ۔ ماں جی بے ہوش تھیں ۔ زاہدہ اور شاہدہ بے حد گھبرا گئیں ۔

زاہدہ نے دروازہ کھولا ۔ لاؤنج میں آئی اور سیڑھیوں کے قریب ہو کر ناظمہ کو آوازیں دینے لگی ۔

بیرونی کمرے میں شاید ماما جی تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے ۔ آوازیں سن کر بولے ۔

" کیا بات ہے بیٹا "

زاہدہ ادھر ہی دوڑی " ماما جی ۔ ماں جی کو جانے کیا ہو گیا ہے ۔ "

" کیا ۔ "

" بے ہوش ہیں ۔

" اوہو ۔ "

ماما جی زاہدہ کے ساتھ آئے ۔ ماں جی کو ہلایا جلایا ۔

زاہدہ نے آوازیں دیں ۔

شاہدہ نے چہرہ ادھر ادھر گھمایا ۔

ماں جی نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں ۔ لیکن پھر آنکھیں بند ہو گئیں ۔

وہ کچھ بتا نہ سکیں انہیں کیا ہو رہا ہے ۔

" ڈاکٹر کو بلانا چاہئے ۔ زاہدہ نے کہا ۔ "

اسوقت ڈاکٹر آجائے گا شاہدہ بولی ۔

" ڈاکٹر وقار کو فون کرتی ہوں ۔ شعیب کا دوست ہے ۔ آکر دیکھ تو جائے ۔ "

" ہاں اسے فون کرو ۔ "

زاہدہ لاؤنج کی طرف لپکی ۔ باتوں کا شور سن کر برابر والے کمرے میں سوئے تایا ابا اور تائی اماں بھی باہر آگئے ۔ بڑی ممانی دوسرے کمرے سے اٹھ آئیں ۔ شاہدہ کا دیور آج رات یہیں رہ گیا تھا ۔ مہمان خانے سے وہ بھی آگیا ۔

ماں جی بے سدھ پڑی تھیں ۔

زاہدہ نے ڈاکٹر وقار کے گھر رنگ کیا ۔ رات کے دو بجنے والے تھے اس وقت فون کرنا مناسب تو نہیں تھا ۔ لیکن کیا کیا جاتا ۔ ڈاکٹر کو بلانا ضروری تھا ۔

زاہدہ کو ڈاکٹر وقار سے بات کرنے کے لئے کئی منٹ انتظار کرنا پڑا ۔

لیکن

غنیمت تھا ۔ ڈاکٹر وقار نے فون ریسیو کیا ۔

زاہدہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی ۔

" پلیز وقار ۔ آپ ابھی آکر ماں جی کو دیکھ لیں ۔ سمجھ نہیں آتا کیا ہوگیا ہے انہیں ۔ شعیب بھی گھر پہ نہیں ہے ۔ وہ میاں بیوی میری گئے ہوئے ہیں ۔

وقار شعیب کا دوست تھا ۔ کوئی اور ہوتا ۔ تو شاید دیکھنے نہ آتا ۔ معذرت کر دیتا ۔

" ابھی آرہا ہوں ۔ آپ گھبرائیے نہیں ۔"

لیکن

گھبراہٹ تو گھر کے ہر فرد پر مسلط تھی ۔ ڈاکٹر کے آنے تک سارا گھر جاگ اٹھا تھا ۔ اور کوارٹروں سے نوکر چاکر بھی ادھر آگئے تھے ۔

اپنے طور پر ہر کوئی ماں جی کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا وقار آگیا ۔

اس نے ماں جی کو دیکھا ۔

اور

فوراً ہوسپٹل ایڈمٹ کروانے کا کہا ۔ وہ خود ہی انہیں اپنی گاڑی میں ڈال کر ہوسپٹل لے گیا ۔ جہاں فوراً داخلے کے بعد ڈاکٹری کاروائیاں شروع ہوگئیں ۔

زاہدہ شاہدہ اس کا دیور اور تایاجی بھی دوسری گاڑی میں ہوسپٹل پہنچ گئے ۔

صبح ہوتے ہی ماں کی بیماری کی خبر چاروں طرف پھیل گئی ۔ جس نے سنا دوڑا آیا ۔ ماں جی کی شخصیت ہمہ شفقت و محبت بھی تو تھی نا ۔

نازیہ کے ابو وحید اور ریحانہ بھی خبر سنتے ہی ہوسپٹل آن پہنچے ۔ ریحانہ نے ماں جی پر روپے وار کر صدقہ کے دیئے ۔ بکرا ذبح کروایا ۔ اور ان کی صحت کے لئے دعائیں کی ۔

شعیب اور نازیہ مری سے واپس آرہے تھے ۔ زاہدہ شاہدہ کو ماں جی کے پاس چھوڑ کر گھر آگئی ۔ گھر پہ ناظمہ بھی تھی ممانی اور تائی بھی ۔ لیکن وہ چلی آئی تھی ۔ جانتی تھی شعیب نے اس خبر سے کیسا اور کتنا اثر لیا ہوگا ۔ بڑی بہن تھی چھوٹے بھائی کی تسلی و تشفی بہرطور اسے ہی کرنا تھی ۔

☆☆☆

شعیب نے بے اختیار ہو کر سر ماں کے سینے پر رکھ دیا ۔ اور بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگا ۔ آج پورا ہفتہ ہوگیا تھا ۔ ماں جی ہوش میں نہ آرہی تھیں ۔ تین دفعہ آپریشن کیاجا چکا تھا ۔ سر کے جس حصے میں خون جمع ہوتا آپریشن کر کے نکال لیا جاتا ۔ لیکن پھر خون جمع ہونا شروع ہو جاتا ۔ اسی لئے بے ہوشی طاری تھی ۔

شعیب نے جتنے ڈاکٹروں سے رابطہ قائم ہو سکتا تھا کیا تھا ۔ علاج پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہا تھا ۔

لیکن

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والی بات تھی ۔ ماں جی نے آنکھیں موند لیں تھیں ۔ یہ تو سانس کا رشتہ تھا جو جسم سے قائم تھا ۔ ورنہ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ زندہ ہیں ۔

ماں جی تو جیسے اپنی زندگی کا مشن پورا کر کے اطمینان کی تان کر سوگئی تھیں ۔

شعیب کو اسی بات کا تو دکھ تھا کہ ماں نے آنکھ کھول کر بیٹے کو دیکھا نہیں تھا ۔ کوئی بات کی تھی نہ اشارتاً کچھ کہا تھا ۔

شعیب کا دل اپنے دکھوں ہی سے چور چور تھا ۔ اس پر یہ افتاد ۔ وہ تو حوصلہ ہی ہار بیٹھا تھا ۔ ان گنت زخم جو سینے میں چھپائے تھا ۔

" شعیب زاہدہ نے جی کڑا کر کے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھایا ۔

" زاہدہ آپا ۔ وہ بہن سے لپٹ گیا ۔

کمرے میں جتنے لوگ تھے آنسو بہا رہے تھے ۔ اک نازیہ تھی جو بت بنی ٹکر ٹکر ان سے کو تکے جا رہی تھی ۔

تایا ابو نے شعیب کو تسلی دی ۔

" بیٹے یوں حوصلہ نہیں ہارتے ۔ اپنی طرف سے تم ہر جتن کر رہے ہو ۔ خدا کی مرضی ہوئی تو زہرہ ٹھیک ہو جائے گی ۔

حمید ماموں نے بھی پیار کرتے ہوئے کہا ۔ " تم خوش نصیب ہو بیٹے ماں کی خدمت کر

رہے ہو۔۔ جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔ اس کی رضا کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔

ماما جی بھی شعیب کو پیار سے سمجھاتے رہے۔

" چلو تھوڑی دیر کے لئے گھر چلو۔ تایا زاد سلیمان نے شعیب سے کہا۔

" ہاں گھر جا کر آرام کرو تھوڑی دیر ہفتہ ہو گیا ہے تمہیں دن کو آرام کر رہے ہو نہ رات کو۔ ماما جی بولے۔

" نازیہ تم اسے گھر لے جاؤ۔ کوشش کر کے سلا دینا۔

نازیہ سر جھکا کر رہ گئی۔

" باہر سمیر ہے۔ وہ تم دونوں کو گھر چھوڑ آئے گا۔ چلو اٹھو شعیب۔

زاہدہ نے زبردستی اسے اٹھایا۔ اور کمرے سے باہر لے گئی۔ تائی اماں نے نازیہ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ظاہر داری کے رشتے کو نبھانا کتنا مشکل تھا۔ یہ شعیب اور نازیہ دونوں ہی جانتے تھے۔ لیکن یہ بھی ان کے حق میں اچھا ہی ہوا تھا کہ ماں جی بیمار پڑ گئی تھیں۔ اور ان کی بیماری کی پریشانی میں ان کی پریشانیاں چھپ گئی تھیں۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔ کہ کم از کم شعیب کو ماں جی کی بیماری نے اتنا پریشان کر دیا تھا۔ کہ اپنی پریشانیاں اسے بھول ہی گئی تھیں۔

ماں جی پورے پانچ ہفتے موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا رہیں۔ علاج معالجے اور دیکھ بھال میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ انسانی بس میں جو کچھ تھا کیا گیا۔ بیٹے اور بیٹیوں نے دن دیکھا نہ رات بے لوث خدمت کی۔ ان کی تو اپنے کیا بیگانوں نے بھی خدمت کرنے میں اللہ کی خوشنودی سمجھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ جو منظور تھا وہی ہوا۔ وہ اک ڈوبتی رات تھی۔ ماں جی کے بیڈ کے قریب دو تین ڈاکٹر کھڑے اپنی اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔ سانس کی ڈوری الجھ رہی تھی۔ اور وہ اس کا تسلسل بحال کرنے کے لئے جتن کر رہے تھے۔

لیکن

یہ الجھی ڈوری سلجھنے کی بجائے الجھ رہی تھی۔ گلے میں خرخراہٹ شروع ہو چکی تھی۔ نبض ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ اور ابھر ابھر کر ڈوب رہی تھی۔

ڈاکٹروں نے جب حیات کی ناؤ ڈوبتے دیکھی تو گلوکوز اتار دی۔ آکسیجن ماسک بھی ہٹا دیا۔

خود سر جھکا کر چند لمحے کھڑے رہے پھر آہستہ آہستہ کمرے سے نکل گئے۔ کمرہ پہلے ہی لوگوں سے بھرا تھا۔ اب برآمدے میں کھڑے عزیز بھی اندر آ گئے۔ زاہدہ اور شاہدہ اور

شعیب کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ ماں جی کی طرف دیکھیں کوئی دم چراغ زیست گل ہوا چاہتا تھا۔

نازیہ کی امی ریحانہ ان کے سرہانے سورہ یٰسین کی تلاوت بڑی دلگداز آواز میں کر رہی تھی۔ زیر لب کلمہ شہادت بھی کچھ لوگ پڑھ رہے تھے۔ پورے کمرے پر اک سوگوار سکوت اور اک دل ہلا دینے والی خاموشی کا تسلط تھا۔ اس خاموشی میں ریحانہ کی آواز اور کلمہ شہادت کی صدائیں دل ہلا رہی تھیں۔

پھر

ماں جی نے ایک لمبی سی گہری سانس لی۔ سب ان پر جھک گئے۔ یہ سانس سینے کے اندر ہی اندر گم ہو گئی۔ ان کی آنکھوں سے دو آنسو ڈھلک کر رخساروں پر بہہ گئے۔ اور پھر آخری ہچکی آئی۔ اور انہوں نے جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔

اک کہرام مچ گیا۔ دونوں بہنیں شعیب سے لپٹ گئیں مرد سر جھکا کر باہر نکل گئے۔ عورتیں آنسو بہاتے ہوئے ماں جی کے جسد خاکی کو تکنے لگیں۔

ریحانہ نے کلام پاک بند کر دیا۔ نازیہ بھی ایک طرف بت بن کر کھڑی ہو گئی۔ سب رو رہے تھے۔ وہ بھی رو رہی تھی۔

خاندان کے نوجوانوں نے میت کو گھر لے جانے کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ دوڑ دھوپ میں لگ گئے۔ حمید ماموں نے ممانی اور تائی کو گھر بھجوایا۔ تاکہ گھر ٹھیک ٹھاک کر دیں نازیہ بھی ان کے ہمراہ گئی۔

زاہدہ شاہدہ اور شعیب کو بھی اجمل اپنی گاڑی میں زبردستی بٹھا کر گھر لے گیا ہوسپٹل میں رونے دھونے سے دوسرے مریض ڈسٹرب ہوتے تھے۔ اس لئے تینوں کو فوری طور پر گھر لے جانے کا خیال اجمل کو ہی آیا۔

میت گھر آئی تو کہرام مچ گیا۔ ڈیڑھ ماہ پہلے جس گھر میں شہنائیاں بج رہی تھیں۔ وہاں ماتم ہو رہا تھا۔ گھر والوں کو تو رونے دھونے میں ہی کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ ہاں عورتیں دبی دبی زبان میں باتیں کر رہی تھیں۔

" شادی راس نہیں آئی اس گھر کو۔

" بہو نے آتے ہی ساس کو لیا

" ماں ہی کچھ تو خوشیاں دیکھ لیتیں بیٹے کو بیاہنے کی۔

" اللہ اور خیر کرے۔ لڑکی کا قدم کچھ اچھا نہیں پڑا۔

یہ دبی دبی سرگوشیاں نازیہ بھی سن رہی تھی۔ ریحانہ بھی اور ان کی اور رشتہ دار بھی۔

نازیہ کو کیا فرق پڑتا تھا۔ اس گھر کی بہو ہوتے ہوئے بھی وہ کونسا بہو تھی ۔ ہاں ریحانہ کو بڑی تشویش ہو رہی تھی ۔ کہ لوگ اس کی بیٹی کا قدم منحوس سمجھتے ہیں ۔

صبح دس بجے ماں جی کا جنازہ اٹھا......

اور

اک دھوم سے اٹھا ۔

بچوں عزیزوں رشتہ داروں کو روتے دھوتے چھوڑ کر وہ اپنے شوہر کے پہلو میں لمبی نیند جا سوئیں ۔

☆ ☆ ☆

اچانک اس کے ذہن میں ہیں تاریخ کے رابطے سے اک خیال آیا ۔

اور

وہ سرتاپا کانپ گئی ۔

گھبرا کر سر نفی کے انداز میں ادھر ادھر مارا ۔ لیکن تاریخ کا آسیب جو ذہن سے چپک گیا تھا اسے جھٹک نہ سکی ۔

جلدی سے اس نے انگلیوں پر دن گنے پورے ستائیس دن اوپر ہو چکے تھے ۔ اس کا دماغ چکرا گیا ۔

دو تین دن سے اسے صبح اٹھتے ہی متلی سی ہونے لگتی ۔ دل خراب ہوتا ۔ لیکن اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ ۔ کہ ۔ اس کی کوکھ میں تخلیق کا عمل جاری ہو چکا ہے ۔

گھر میں مہمان ابھی تھے ۔ گو سوئم کے بعد کافی لوگ چلے گئے تھے ۔ پھر بھی قریبی رشتہ دار ابھی یہیں براجمان تھے ۔ ماتم پرسی کو لوگ روزانہ آتے تھے ۔ جس جس کو ماں جی کے مرنے کا پتہ چلتا ۔ افسوس کے لئے آجاتا ۔

پہلے بیماری اس کے بعد فوتیدگی ۔ آنے جانے والوں کا تو تانتا ہی بندھا ہوا تھا ۔ اس افراتفری اور دوڑ دھوپ میں اپنا آپ تو بھول ہی گیا تھا ۔ نازیہ گھر کی بہو کی طرح ہی سارے فرائض کی انجام دہی کر رہی تھی ۔

اور

اسی مصروفیت اور بھاگ دوڑ ہی میں تو اسے پتہ نہ چلا ۔ کہ پورے ستائیس دن اوپر ہو گئے ہیں ۔

اور

اس کی کوکھ میں تخلیق کا عمل جاری ہو چکا ہے ۔

آج لاؤنج میں گھر کے افراد بیٹھے ماں جی کے دسویں کا دن اور تاریخ مقرر کر رہے تھے

- ناشتے کے بعد یہی فیصلہ کر رہے تھے - کہ دسواں کس دن ہو -

جمعرات بیس کو پڑتی تھی -

اس لئے زاہدہ اور قمر پھپھو کا خیال تھا- دسواں جمعرات ہی کو کیا جائے -

" بالکل ٹھیک " حمید ماموں نے کہا تھا- " ویسے تو دس دن جمعہ کے ہوں گے - لیکن ختم جمعرات ہی کو دلانا اچھا ہو گا- "

" ہاں " تائی نے بھی سرہلایا تھا " جمعرات کو بیس تاریخ ہے-"

اور

بیس تاریخ کے حوالے سے صوفے کے قریب ٹیک لگائے قالین پر شاہدہ کے سامنے بیٹھی نازیہ کا دل دھک سے رہ گیا -

جلدی سے وہ انگلیوں پر دن گننے لگی - پورے - پورے ستائیس دن اوپر ہو چکے تھے -

وہ بے طرح گھبرا گئی -

"کیا ہوا نازیہ-" شاہدہ نے بڑے پیار سے پوچھا - "

" آں - جی - "

" کیا بات ہے بہت گھبرائی لگ رہی ہو- "

ناظمہ پاس ہی بیٹھی تھی - نازیہ کا چہرہ دیکھ کر بولی- " اس بیچاری کو بھی آرام کا ایک لمحہ نصیب نہیں ہوا - "

" واقعی " ہما نے کہا -

" رنگ کس قدر میلا پڑ گیا ہے - آنکھوں کے گرد حلقے تو دیکھو - "

نسرین بولی -

" رنگ میلا کسی اور وجہ سے بھی تو پڑ سکتا ہے-" ہما نے شوخی سے اس کی طرف دیکھا -

" اوہ واقعی " ذکیہ نے جلدی سے کہا- " آنکھوں کے حلقے غمازی کر رہے ہیں-"

"کیا - کیا " شاہدہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا -

پھر

ہما نے نازیہ کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں پوچھا- " جی تو خراب نہیں ہوتا - "

نازیہ بنا کچھ سوچے سر جھکا کر بولی- " دو تین دن سے ہو رہا ہے - "

" متلی ہوتی ہے - " شاہدہ نے کہا -

اس نے سرہلا دیا -

سب چپکے چپکے مسکرانے لگیں -

ہما نے ہولے سے کہا- " شعیب کو مبارک دو بھئی - "

نازیہ ڈر گئی -

" جی - "

وہ ہونقوں کی طرح ان کا منہ تکنے لگی -

وہ سب مسکرا رہی تھیں - ماتم والا گھر نہ ہوتا - تو جانے کیسے کیسے فلک شگاف قہقہے بلند ہوتے -

ان کی مسکراہٹیں بھی تو ڈھکی چھپی نہ تھیں - تائی ماں کے قریب بیٹھی زاہدہ نے آنکھوں آنکھوں میں ہما سے پوچھا- "کیا ہوا-"

ہما نے اسے قریب بلایا-

اور

پھر کان میں سرگوشی کی- " مبارک ہو - نازیہ - "

ہما نے آنکھوں کو شوخی سے گھمایا - زاہدہ نے پیار بھری مسکراہٹ سے نازیہ کی طرف دیکھا -

نازیہ بے حد گھبرا رہی تھی -

وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی -

اسکے جانے کے بعد یہ سب کھسر پھسر کرنے لگیں - خوشخبری بہت بڑی تھی - ہما اور ذکیہ تو اسے شعیب کے گوش گزار کرنا چاہتی تھیں -

لیکن

زاہدہ نے روک دیا -

" بھئی - اسے بھی بتا دینا - پہلے تسلی تو کر لو - "

" انہیں خود ہی پتہ ہوگا " سیما بولی - " بچے تھوڑا ہی ہیں - "

" یہ بات تو ٹھیک ہے - لیکن " ہما چند لمحے رک کر بولی " اسے چھیڑنے میں جو مزہ آئے گا - "

" چھیڑ چھاڑ ابھی نہ کرنا اس سے " زاہدہ نے کہا " اس نے تو ماں جی کے مرنے کا بہت ہی اثر لیا ہے - "

"ہاں" شاہدہ نے گہری سانس لی - پھر بولی "کاش ماں جی یہ خوشخبری سن پاتیں - کتنا ارمان تھا انہیں -"

"پوتے کھلانے کا -" ذکیہ نے کہا- "بڑے پیار سے شعیب کے بچوں کا ذکر کیا کرتی تھیں -"

"نصیب میں نہیں تھا-"

"اچھا جی - خدا خیریت رکھے - پوتے ہوں گے تو ان ہی کا نام زندہ ہو گا" دور بیٹھی ممانی بولیں -

"کس کے پوتے ہوں گے ؟"

"ماں جی کے" ہما نے مسکرا کر کہا - پھر آنکھوں سے کچھ شوخ اشارے کیئے -

"اچھا -" ممانی بھی مسکرانے لگیں -

"کیا بات ہے-" حمید ماموں دلچسپی لیتے ہوئے بولے -

"آپ دسویں کی تاریخ مقرر کریں - جمعرات ٹھیک ہے نا-" ممانی نے ان کا دھیان بٹا دیا -

"ہاں زاہدہ بیٹے" ماموں نے پوچھا-

"جی-"

"کیا خیال ہے دسویں کے متعلق -"

"ممانی ہیں - تائی اماں ہیں - قمر پھپھو بیٹھی ہیں - آپ سب صلاح کر لیں-"

"کھانا دیا جائے بھئی" تائی اماں بولیں "ہماری بہن خدانخواستہ کنگال ہو کر تو فوت نہیں ہوئیں - ماشاء اللہ لاکھوں کے پھیر ہیں -"

"پیسے کی کوئی بات نہیں تائی اماں -" شاہدہ نے کہا "شعیب کو آپ جیسے کہیں گی کرے گا -"

"بہت خدمت کی ہے اس نے ماں کی - اب دسواں چالیسواں بھی دھوم دھام سے کرے گا" ممانی بولی -

پھر سب اپنی اپنی رائے دینے لگے - معمر عورتیں اور مرد چاہتے تھے دسویں اور چالیسویں پر کنبے برادری کا کھانا ہو - چالیسویں پر تو کئی دیگیں اتروانے کی بات ہو رہی تھی -

ہاں جوان خواتین کا خیال تھا کہا بے جا اسراف نہ کیا جائے کھانوں پر روپیہ لٹانے کی بجائے ماں جی کے نام پر یا ان کی روح کے ثواب کے لئے کوئی تعمیری کام کیا جائے - جتنا پیسہ ان خرافات پر اڑایا جاتا ہے وہ کسی سکول کالج یا ہو سپٹل میں دے دیا جائے - غریب طلباء

کو وظائف اور کتابوں کی صورت میں اور مریضوں کو دوا دارو کے لئے اگر یہی پیسہ دے دیا جائے تو ماں جی کی روح کو بھی اطمینان ملے گا اور کتنے حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی -

لیکن

معمر لوگوں خاص کر عورتوں کو کون سمجھاتا - وہ تو زور و شور سے اس بات کی مخالفت کرنے لگیں -

"غرباء کی مدد اپنی جگہ-" تائی بولیں "لیکن دسویں چالیسویں کا ختم اپنی جگہ - کیا جگ ہنسائی کروانی ہے - شعیب کو دنیا کی باتوں کا موضوع بنانا ہے-"

تائی اور ممانی تو پیچھے ہی پڑ گئیں - نوجوان خواتین کو خاموش ہو جانا پڑا - شعیب کے پاس روپے پیسے کی کمی نہ تھی - وہ غرباء کی مدد بھی کر سکتا تھا اور چالیسویں دسویں کی رسوم بھی دھوم دھام سے ادا کرنے کی ہمت تھی -

فیصلہ بزرگوں نے فیصلے کے حق میں ہو گیا - دسویں کی تیاریاں ہونے لگیں-

گھر میں گہما گہمی شروع ہو گئی - کہیں چاول چھانے پھٹکے جا رہے ہیں کہیں دیگوں کے مصالحوں کا حساب ہو رہا ہے کہیں ماں جی کی روح کے ایصال و ثواب کے لئے جوڑے بنائے جا رہے ہیں - زاہدہ شاہدہ ذکیہ ہما سبھی پیش پیش تھیں-

ہاں

نازیہ پر جیسے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے - سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے اس نئی افتاد سے کیسے چھٹکارا حاصل کرے کیسے گلو خلاصی کرائے - اس نے تو رو رو کر برا حال کر لیا تھا-

☆ ☆ ☆

"ادھر آ۔"

"کیوں۔"

"ایک بات بتانی ہے تجھے۔"

"مجھے۔؟"

"ہاں ہاں۔"

"کیا بات ہے۔"

"ہو سکتا ہے تجھے پتہ بھی ہو۔ پر۔"

"پر......"

"پر ہم تجھے بتائیں گے۔ نیگ لیں گے۔ منہ میٹھا کریں گے۔"

"جی۔"

"بچہ بنتا ہے نا۔"

"دودھ پیتا۔"

"بھئی ہما بھابی میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔"

"ذکیہ کی سمجھتے ہو۔"

"نہیں کسی کی بھی نہیں سمجھا۔"

"نازیہ نے بتایا نہیں۔"

شعیب کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ اپنی تین بھابیوں کے گھیرے میں کھڑا تھا۔ جو اسے شوخی سے چھیڑ رہی تھیں۔ کچھ بتانا چاہ رہی تھیں۔ نازیہ کا نام سنتے ہی وہ پریشان ہو گیا۔ اپنے اور نازیہ کے تعلقات کا بھرم رکھنے کی وہ کتنی کوشش کر رہا تھا۔ نہیں چاہتا تھا۔ کہ کسی کو کچھ پتہ چلے۔ رسوائیوں کا خوف بھی تھا۔ اور اپنے کئے کی ندامت بھی۔ گناہ کا بار بھی کندھوں پر لادے تھا۔ اس لئے نازیہ کے حوالے سے جو ہما نے بات کی تو دل دھک دھک کرنے لگا۔

"پتہ ہو گا اسے" ذکیہ نے اس کا کان کھینچا۔

"لیکن مٹھائی تو کھلائے ناہمیں۔" حمیرا نے کہا۔

"وہ تو کھلائے گا ہی۔ خوشخبری تو سنا دیں ہم۔ چاہے جانتا بھی ہو۔"

"ہما بھابی۔" وہ سب کی باتیں سن کر بولا "میں نہیں جانتا آپ کیا کہنے والی ہیں۔ لیکن۔"

"نازیہ نے واقعی نہیں بتایا۔"

"اوف......"

"اچھا سنو۔"

"کان ادھر کرو۔"

"نہیں بھئی ادھر۔"

"اوں ہوں۔ میں سناؤں گی۔"

"جی فرمائیے۔" شعیب ڈٹ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سب نے ملا جلا قہقہہ لگایا۔ پھر ہما نے پہل کی اور بولی۔ "مبارک ہو۔ ابا بننے والے ہو۔"

"کیا؟؟" شعیب سکتے میں آگیا۔

سب نے قہقہہ لگایا۔

"میں مذاق نہیں....."

"اے ہے مذاق کیسا۔ مبارک ہو۔ چلو منہ میٹھا کراؤ۔ منگواؤ مٹھائی ماشاء اللہ دوسرا مہینہ ختم ہو رہا ہے۔ سات ماہ بعد۔"

"بھابی......"

"ہراساں کیوں ہو گئے۔ شادی کا پھل جلدی مل گیا ہے اس لئے۔"

"لیکن۔"

شعیب کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلیمان آگیا۔ کچھ لوگ آئے تھے فاتحہ کے لئے۔

شعیب جان چھڑا کر سلیمان کے ساتھ بیرونی ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے کاروباری دوست آئے تھے۔ داؤد کراچی میں تھا۔ اور تقی جدہ سے آیا تو ماں جی کا پتہ چلا۔ دونوں سلیم اور تابش کے ساتھ آئے تھے۔

شعیب ان سے ملا۔ لیکن جیسے حواس میں نہیں تھا۔ دماغ سن ہوا جا رہا تھا۔ کوئی بات سلیقے سے کی جا رہی تھی نہ کسی کا جواب صحیح طور پہ دیا جا رہا تھا۔

صدمے کا اثر سمجھ کر ان لوگوں نے درگزر کیا - اسے بہت تسلی دی - اور دھیان کاروبار کی طرف لگانے کا مشورہ دیا -

رات شعیب کمرے میں آیا - تو سخت پریشان تھا- نازیہ اور وہ دونوں اسی کمرے میں ہوتے تھے - شعیب بیڈ پر سوتا تھا اور نازیہ بڑی میٹرس جو قالین پر پڑی ہوتی تھی اس پر دونوں بالکل بے تعلق اجنبی اور بیگانے تھے - کبھی کبھار رسمی سی باتوں کا تبادلہ ہو جاتا - ورنہ گھمبیر خاموشی دونوں کے درمیان حائل رہتی - جب سے مری سے لوٹے تھی - شعیب ندامت کا بوجھ اٹھائے تھا- اب نازیہ پر غصہ اتارنا اور طعن و تشنیع کرنا چھوڑ دیا تھا- بلکہ کبھی کبھی تو اسے نازیہ بڑی عظیم لگتی تھی - اس نے گناہ سے بچنے کے لئے نکاح تو کیا تھا -

لیکن

وہ خود

خود کتنا پست ہو گیا تھا- جانتے بوجھتے ہوئے بھی جذبات کے بہکاوے میں آگیا تھا- وہ اسی بات سے نادم و پریشان رہتا تھا-

لیکن

آج

آج پریشانی کی نوعیت اور تھی - نازیہ امید سے ہو گئی تھی - اک ناجائز بچے کا وجود تخلیق ہونے لگا تھا-

وہ کیا کرے ؟ ؟

کیا کرے ؟

سوچ سوچ کر دماغ ماؤف ہو رہا تھا-

وہ کمرے میں بڑی دیر ٹہلتا رہا - سگریٹوں پر سگریٹ پھونکے - کبھی صوفے پر آبیٹھتا کبھی بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹ جاتا -

نازیہ جو فوم کے موٹے گدے پر نرم تکیوں میں منہ دیئے پڑی تھی اس کی حرکات دیکھ رہی تھی -

"کہیں اس کی نیت پھر خراب تو نہیں ہو رہی-" اس نے ڈرتے ڈرتے سوچا اور کمبل میں سمٹ گئی -

" نازیہ- " شعیب کی گھمبیر آواز گونجی - .

" ہوں " اس نے صرف اسی قدر آواز نکالی -

وہ چپ ہو گیا-

لیکن

چند لمحوں بعد بولا- " مجھے ہما بھابی نے بتایا ہے -کہ - "

وہ رک گیا-

کئی لمحے بیت گئے -

وہ بات پوری نہ کر سکا-

نازیہ اس کی بات سمجھ گئی -

" تو اسے پتہ چل گیا ہے-" نازیہ نے سوچا- پھر اس کا جی چاہا کہ چیخ اٹھے -

لیکن وہ چیخی نہیں - ہاں تکیوں میں منہ چھپا کر رونے لگی -

حالات یہ رخ اختیار کر جائیں گے اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا- اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے کتنا سہل طریقہ سوچا تھا- شادی کر کے طلاق لے لینے کا-

لیکن یہ اس کی ناسمجھی ناعاقبت اندیشی اور بہت حد تک بے وقوفی تھی - اس کا خمیازہ اسے بھگتنا ہی تھا- اسے بھی اب شعیب پر غصہ نہیں آرہا تھا- اپنے آپ پر البتہ بہت طیش آتا تھا- وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی - اس کی حالت اس قیدی کی سی تھی - جسے ایسی چاردیواری میں قید کر دیا گیا ہو - جس میں کوئی روزن ہو نہ دروازہ - فرار ہونے کا سوچا بھی نہ جا سکتا ہو - چاردیواری کی سنگین اور خاموش دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مرجانا ہی مقدر ہو گیا ہو -

ادھر شعیب سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا- اسے بھی تو فرار کی راہ نظر نہ آرہی تھی -

طلاق دے نازیہ کو الگ کر دے ؟

یہ بھی موجودہ صورت حال سے نپٹنے کی راہ نہ تھی -

لے دے کے یہی راستہ نظر آتا تھا- کہ تخلیق کا عمل رک جائے - جیسے بھی ہو نازیہ اس مصیبت سے گلو خلاصی کرالے -

وہ یہی بات نازیہ سے کہنے کو تھا......

لیکن

نازیہ کے آنسوؤں اور ہچکیوں نے اس کی ہمت پست کر دی - اور ندامت کا بار اس کے ذہن پر بوجھل ہو گیا-

پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا - منتشر خیالات و احساسات کو یکجا کیا- بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے نازیہ سے مخاطب ہو کر بولا " ہمیں سوچ سمجھ سے کام لینا چاہئے - جو

کچھ ہو چکا ہے اس کے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں - تم نے جعلی شادی کا ڈھونگ رچا کر غلطی کی اور میں نے - میں نے غلطی کر کے برا کیا - بہرحال اب ہمیں آئندہ کے متعلق سوچنا ہے "

نازیہ چپ ہو گئی - دوپٹے کے کنارے سے آنسو پونچھتے ہوئے سر جھکا کر بیٹھ گئی - ویسے اسے ایک لحاظ سے تسکین بھی مل رہی تھی - اس کا تو خیال تھا۔ شادی کے دوسرے دن ہی طلاق نامہ ہاتھ میں پکڑ واپس آجائے گی -

لیکن

ماں جی کی بیماری فوتیدگی اور اب اس کے بعد اس افتاد سے شادی اور طلاق کا درمیانی فاصلہ بڑھ گیا تھا۔

سگریٹ کو ایش ٹرے میں پھینکنے کے بعد شعیب نے ایک گہری سانس لی اور پھر آہستگی سے بولا - " یہ - یہ بچہ - نہیں ہونا چاہئے - "

نازیہ کا سر اور جھک گیا۔ اور وہ عالم اضطراب میں اپنے ہاتھ مسلنے لگی -

" تم - کسی ڈاکٹر سے مل کر - میرا مطلب سمجھ گئی ہونا - بچہ کسی صورت نہیں ہونا چاہئے - "

نازیہ کچھ نہیں بولی - بچہ ضائع کروانے کے متعلق تو وہ خود بھی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی - اک ناجائز بچے کو جنم دے کر عمر بھر کی پریشانی و پشیمانی مول نہیں لے سکتی تھی - یہی خیال شعیب کا بھی تھا۔ اپنے گناہوں کی عملی تصویر وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس نے نازیہ کو یہی کہا - کہ یہ بچہ کسی طور نہیں ہونا چاہئے - جس طرح بھی ہو - اس سے چھٹکارا پالے -

نازیہ چپ رہی - اس نے کوئی جواب نہیں دیا - انکار کیا نہ حامی بھری وہ تو خود پریشان تھی - نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ کیا کرے - کون اس مشکل کو حل کرے گا - اسے علم نہ تھا۔

ماں جی کے چالیسویں تک کچھ کیا نہیں جاسکتا تھا۔ اس اقدام کی کون مخالفت نہیں کرے گا - بات چیت سے لوگوں کو پتہ چل چکا تھا۔ وہ سب تو خوش تھے -

خود اس کی امی کو بھی پتہ چل گیا تھا۔ ہما بھابی ہی نے سب کو بتایا تھا - امی کتنی خوش ہوئی تھیں - اس کی پیشانی چوم لی تھی - صحت و سلامتی کے لئے دعا کی تھی -

☆ ☆ ☆

" بی بی - "

" جی - "

" آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے - "

" تیسرا مہینہ جا رہا ہے - "

" تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے - آپ کو تو خوش ہونا چاہئے - "

" نہیں ڈاکٹر - بچہ نہیں ہونا چاہئے - "

" اب تو ہوگیا - رپورٹ پازیٹو ہے - "

" کچھ کیجئے نا - "

" حماقت کی باتیں نہ کرو - "

" میں کہتی ہوں - یہ بچہ ضائع - "

" دماغ تو ٹھیک ہے - اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یہ - "

" لیکن - "

" لیکن ویکن کچھ نہیں - میں کوئی غیر قانونی اور غیر شرعی کام کرتی ہوں نہ کرنے کا مشورہ دیتی ہوں - آپ ماشاء اللہ جوان ہیں - صحت مند ہیں - شادی ہو چکی ہے پھر بچے کی پیدائش - "

" مجھے نہیں چاہئے بچہ - "

" تو پلیز میرے کلینک سے چلی جایئے - میں ایسی باتیں سننا نہیں چاہتی - "

نازی ڈاکٹر سارہ کے کلینک میں آئی تھی - بیگ میں نوٹوں کی گڈی تھی - خیال تھا بہت سے پیسے دے کر وہ اس سے اپنا کام نکلوائے گی -

لیکن سارہ ڈاکٹر تھی - ایسا غیر قانونی اور غیر شرعی کام کرنے کے حق میں نہیں تھی -

اس نے صاف جواب دے دیا -

نازیہ رونے لگی -

سارہ کو سمجھ نہ آیا تھا۔ کہ وہ بچہ ضائع کرنے پر بضد کیوں ہے ۔

اس نے اسے بہت سمجھایا ۔ پیار سے غصے سے ۔ لیکن وہ یہی کہے گئی کہ اسے بچہ نہیں چاہئے ۔

" تم اپنے خاوند کو میرے پاس بھیجو ۔ میں انہیں سمجھاؤں گی ۔ یہ ناشکرا پن ہے ۔ خوش بختی کو لات مارنا ہے ۔ ان لوگوں کو دیکھو ۔ جو اولاد کے لئے ترستے ہیں ۔ اور پھر معمولی بات تو نہیں ۔ نہ ہی آسان کام ہے اس میں تمہاری جان بھی جا سکتی ہے ۔ تمہیں ہمیشہ کے لئے اولاد سے محرومی کے ساتھ دوچار بھی کر سکتی ہے ۔ "

ڈاکٹر سارہ نے بار بار کہا۔ " اپنے شوہر کو یہاں لاؤ میں اس کے کان کھینچوں گی اسے سمجھاؤں گی ۔ "

نازیہ کوئی جواب نہ دے سکی ۔ بس روئے گئی ۔ اس کی جان شکنجے میں آئی تھی ۔ ڈاکٹر کو کیا بتاتی ۔ کس شوہر کو اس کے پاس لاتی ۔ "

ماں جی کے چالیسویں کے بعد نازیہ گھر سے نکلی تھی ۔ اور بنا کسی کو بتائے ڈاکٹر سارہ کے کلینک میں آگئی تھی ۔

شعیب کو سعودی عرب اچانک ہی جانا پڑا تھا۔ وہاں سے اس کے مینجر کے ٹیلکس آئے تھے ۔ اس کی غیر حاضری سے کام خاصہ چوپٹ ہو گیا تھا۔ اس کا جانا بے حد ضروری تھا۔

ویسے بھی اب شادی اور ماں جی کی فوتیدگی کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ دو تین مہینے سے وہ کام کی طرف دھیان نہ دے رہا تھا۔

جانے سے پہلے اس نے نازیہ سے یہی کہا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ ڈاکٹر پیسے کے لالچ میں بہ آسانی یہ کام کر دے گی ۔

ڈاکٹر سارہ سے مایوس ہو کر وہ ڈاکٹر راشدہ ملک کے پاس گئی ۔ اس کا جواب بھی سارہ سے مختلف نہ تھا۔ بلکہ ڈاکٹر راشدہ ملک نے تو اسے بری طرح ڈانٹ بھی دیا تھا۔ معمر ڈاکٹر کو تو یہ بات سننا بھی گوارہ نہ تھی ۔

نازیہ اپنے طور پر کئی ڈاکٹروں سے ملی ۔ تجربہ کار نہ تھی ۔ اس لئے جو زنانہ کلینک نظر آتا وہاں جا پہنچتی ۔

لیکن جتنی ڈاکٹروں سے بھی ملی انہوں نے یہی مخلصانہ مشورہ دیا ۔ کہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے ۔ اور جان کا خطرہ مول نہ لے ۔ یہ غیر قانونی کام کچھ پیشہ ور نام نہاد ڈاکٹر نما نرسیں اور مڈوائفیں کرتی تھیں ۔ نازیہ کو بھلا کیسے پتہ چلتا کسی سے کھل کر بات بھی تو نہیں کر سکتی تھی ۔

وہ چند دنوں سے امی کے ہاں آئی ہوئی تھی ۔ امی نے ہمہ وقت پریشان دیکھا تو ایک دن پوچھ ہی بیٹھیں ۔

" کیا بات ہے نازیہ ۔ ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی ہو ۔ شعیب یاد آتا ہے ؟ "

وہ ماں کی بات سن کر کچھ اور افسردہ ہوگئی ۔

" کیا بات ہے بیٹی " امی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا ۔

" امی " وہ بے اختیار ہوگئی ۔

" نازیہ " ریحانہ گھبراگئی ۔

نازیہ کو رو دینے کے سوا کوئی راہ نظر نہ آئی ۔

ریحانہ بے طرح گھبراگئی ۔ " نازیہ ۔ کیا ہوا نازیہ ۔ کچھ بتاؤ بھی۔"

وہ کیا بتاتی ۔

ریحانہ نے خود ہی کہا " کسی نے کچھ کہا ہے ۔ "

لیکن کسی نے کیا کہنا تھا۔ کچھ کہنے والا تھا ہی کون ۔ شعیب باہر گیا ہوا تھا زاہدہ کویت جا چکی تھی ۔ اور شاہدہ اپنے سسرال سدھاری تھی ۔

ریحانہ رونے کی وجہ جاننے کے لئے بے تاب ہوگئی " نازیہ کچھ کہو مجھے بھی بتاؤ ۔ کیوں رو رہی ہو ۔ "

" امی ۔ " وہ ماں سے لپٹ گئی ۔ اسے یوں روتے دیکھ کر ریحانہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں ۔ دل ہول کھانے لگا ۔ پھر بھی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے رونے کی وجہ پوچھنے لگی ۔

لیکن

جب بات پتہ چلی تو ہنس کر بولی۔ " پگلی کہیں کی ۔ میرا تو دل ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس میں بھلا رونے کی کیا بات ہے ۔ خوش ہو ۔ خدا کا شکر ادا کرو ۔ صحت و سلامتی سے فارغ ہونے کی دعا مانگو ۔ "

" نہیں ۔ نہیں ۔ نہیں امی ۔ " وہ ہزیانی کیفیت سے دوچار تھی ۔

" نازیہ ۔ " امی نے ڈانٹا ۔ " یہ خیال تیرے دل میں آیا کیوں ۔ تیری انوکھی شادی ہوئی ہے ۔ شادی ہوگئی ۔ خیر سے بچے بھی ہوں گے ۔"

کیا ہوا جو جلدی ہوگیا۔ خبردار جو تو نے آنسو بہائے ۔ اور خبردار جو آئندہ فال بد منہ سے نکالی ۔ "

نازیہ سر جھکائے ماں کی باتیں سنتی رہی .....

جس عذاب میں وہ مبتلا تھی ماں کو کیونکر بتاتی۔

ریحانہ کو اب غصہ آنے لگا۔ بیٹی کو ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔ "کیا شعیب کی بھی یہی مرضی ہے۔"

نازیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"حد ہو گئی ہے۔ فیشن کی بھی۔ بچے نہیں ہونے چاہئیں۔ کوئی بات ہے بھلا۔ اتنا ہی لونڈا بنے پھرنے کی ضرورت تھی۔ تو شادی ہی نہ کرتا۔"

ریحانہ بیٹی اور داماد کو کوسنے لگی۔

نازیہ چپ ہو گئی۔ چپ رہنے ہی میں مصلحت تھی۔ زیادہ جذباتی ہو کر کہیں راز ہی افشاں نہ کر بیٹھے۔ یہ بھی تو دھڑکا لگا تھا۔

امی کے ہاں چند دن رہ کر وہ واپس آ گئی۔ ناظمہ اسے لینے آ گئی تھی۔ سونا اور اکیلا گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔

ناظمہ پوشی اور گھر کے دوسرے خدمت گار پیش پیش تھے۔ بہو کا پاؤں بھاری تھا۔ اس لئے خدمت خاطر اور بھی ضروری ہو گئی تھی۔

لیکن

ان سب خلوص اور خدمتوں سے بھی جو پریشانی تھی رفع نہ ہو سکتی تھی۔

شعیب کا دو دفعہ فون آ چکا تھا۔ اس نے ہر دفعہ ایک ہی بات پوچھی تھی۔ جس کا جواب نفی میں پا کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جدہ ایرپورٹ پر رش تھا۔ کئی پروازیں بیک وقت آنے اور جانے والی تھیں۔ کسی پرواز کے مسافر چیک ان ہو رہے تھے۔ کوئی ضروری کاغذات کی پڑتال میں مصروف تھا۔ کچھ وقت سے پہلے آ گئے تھے۔ اور اب انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر ٹہل ٹہل کر وقت دھکیل رہے تھے۔

شعیب چند منٹ ہوئے لاؤنج میں آیا تھا۔ بریف کیس اور اٹیچی ایک طرف رکھ کر اس نے سگریٹ نکالا۔"

وہ آج سترہ دن بعد پاکستان واپس جا رہا تھا۔ ریاض میں وہ پندرہ دن رہ کر کام دیکھا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں جو ہرج ہوا تھا۔ اسے درست کیا تھا۔ اور مینیجر کو ضروری ہدایات دے کر واپس جا رہا تھا۔ مصیبت تو یہ تھی کہ پاکستان میں بھی اس کا ہونا ضروری تھا۔ ایکسپورٹ کا مال تیار کروانا اور پھر اس کی ترسیل اسی کی زیر نگرانی ہوتی تھی۔ یہ جو دو تین ماہ وہ پوری توجہ نہ دے سکا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہاں مال معیار کے مطابق نہیں پہنچا تھا اور جس کمپنی سے معاہدہ تھا اس نے مال واپس کر دینے کی دھمکی دی تھی۔

شعیب موقع پر پہنچ گیا تھا۔ اور خود سارا مال چیک کیا تھا۔ جو مال معیاری نہیں تھا۔ اسے واپس لے لیا تھا۔ یوں تھوڑا سا تو نقصان ہوا لیکن وہ بہت بھاری نقصان سے بچ گیا۔ اور کنٹریکٹ بحال رکھنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

یہ دن اس نے بڑی دوڑ دھوپ اور ذہنی اذیت میں گزارے تھے۔ لیکن سارا کام بخیرو خوبی انجام پایا۔ شکرانے کے لئے وہ عمرہ کرنے گیا تھا۔

اسے صرف یہی مالی پریشانی تو نہ تھی۔ اس کے ذہن پر تو جو پریشانیاں مسلط تھیں۔ وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا۔

ہاں

صرف ایک ہی ہستی تھی۔ جسے وہ اپنا دکھ اپنی پریشانی اپنی ندامتیں دکھا کر سنا کر معافی کا طلب گار ہو سکتا تھا۔

اور

وہ تھی خدائے بزرگ و برتر کی ذات۔

اسی ذات کے سامنے وہ گڑگڑایا تھا۔ رویا تھا۔ اور اپنی پریشانیوں سے نجات پانے کی دعائیں کی تھیں - عمرہ کرنے کے بعد اسے یوں محسوس ہو رہا تھا - جیسے اس کے بہت سے دکھ بٹ گئے ہیں - بڑے ہلکے ہوگئے ہیں - گو ابھی تک وہ اپنی مشکل کا حل نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔ پھر بھی اس کی چھٹی حس اسے اطمینان دلا رہی تھی -

بعض باتیں ہمارے فہم سے بالا تر ہوتی ہیں - لیکن ہم انہیں بڑے ہی غیر محسوس طریق سے جان لیتے ہیں - ان کو تسلیم کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجوہ نہیں ہوتیں دلیل نہیں ہوتی - پھر بھی ان کا وجود تسلیم کرلینا پڑتا ہے

شعیب سگریٹ سلگا کر لائیٹر جیب میں ڈال رہا تھا- کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا -

" ہیلو - "

شعیب ایک دم گھوم گیا-

اور

اپنے سامنے کھڑے اک بزرگ مرد کو دیکھا-

جسے پہچاننے میں اسے دیر نہ لگی -

" انکل- " وہ بے اختیارانہ ان کی طرف بڑھا-

یہ انکل رشید تھے - جنہیں پورے نوسال بعد وہ دیکھ رہا تھا- ان نوسالوں نے ان پر کچھ اثر لیا تھا- لیکن اتنا نہیں کہ پہنچان بھی بے جس ہو جائے -

انکل رشید نے لپٹا لیا -

دونوں بڑے والہانہ انداز میں گلے مل رہے تھے -

" کیا حال ہے شعیب - " انکل نے اس سے الگ ہونے کے بعد اس کا ہاتھ تھام لی -

" آپ سنائیں انکل - آنٹی کہاں ہیں - آپ یہاں کیسے آئے ہیں - اور سب تو خیریت ہے نا - "

شعیب کے ذزباتی انداز پر انکل رشید مسکرائے - دور ایک طرف صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے -" وہ تمہاری آنٹی بیٹھی ہیں - آؤ ان کے پاس چل کر بیٹھیں - دراصل انہی نے تمہیں اندر آتے دیکھا اور پہچانا - " انکل رشید نے کہا- " ان کے گھٹنوں میں تکلیف ہے آؤ ان کے پاس-"

شعیب اسی والہانہ بے تابی سے آنٹی کی طرف بڑھا- اتنے پیارے اور عزیز دوست یوں اچانک مل گئے تھے - اس کی خوشی دیدنی تھی - ان لوگوں کے سہارے ہی تو اس نے میدان عمل میں قدم رکھا تھا- آج وہ جس مقام پر تھا- اس کی بنیاد انہوں ہی نے رکھی تھی - وہ اس کے دوست بھی تھے - بزرگ بھی اور محسن بھی -

وہ آٹھ سال سے سٹیٹس میں اپنے بیٹوں کے پاس تھے - پاکستان صرف ایک دفعہ آئے تھے- لیکن شعیب ان دنوں اپنا ریاض کا آفس سیٹ کر رہا تھا- اس لئے ملک سے باہر تھا ملاقات نہ ہوسکی تھی -

آج اچانک مل جانے کی خوشی ہی اور تھی - اپنی ساری الجھنیں ساری پریشانیاں بھول کر وہ خوشی کے جذبے سے سرشار ہو کر آنٹی کی طرف لپکا -

ماہ و سال نے آنٹی پر کچھ زیادہ ہی اثر کیا تھا- بالوں کی کئی لٹیں سفید ہوگئی تھیں - آنکھوں پر موٹے شیشے کا چشمہ تھا- اور گالوں پر وقت کے بہتے دھاروں کے نشان بڑے واضح تھے -

لیکن

شعیب نے انہیں پہچان لیا - وہ تھوڑا سا گھٹنوں پر زور ڈال کر اٹھنے کو تھیں کہ شعیب جھک گیا- دوزانو ہوتے ہوئے اس نے آنٹی کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا -

" جیتے رہو بیٹے " آنٹی آصفہ نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا-

" کیسی ہیں آنٹی - " اس نے دونوں ہاتھوں میں ان کے ہاتھ گرمجوشی سے پکڑ لئے -

" دیکھ لو - " آنٹی بولیں -

" کتنی خوشی ہو رہی ہے مجھے - " وہ بے تابی سے بولا -

" کیا کرتے ہو آجکل " بے تابی کو تاب ملی تو انکل رشید نے آنٹی کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا-

" یہاں بیٹھو میرے پاس- " آنٹی نے اسے اپنے قریب بٹھالیا - پھر اسے غور سے تکتے ہوئے بڑے پیار سے بولیں " ماشاء اللہ کتنے بڑے ہوگئے ہو - کاروبار کیسا ہے ماں جی کا کیا حال ہے - "

شعیب ان کے پہلو میں بیٹھتے ہو گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولا-

" وہ فوت ہوگئیں - "

" کب ؟ "

شعیب انہیں تفصیل بتانے لگا -

"چلو تمہاری شادی کی خوشی تو دیکھ لی ماں جی نے" آنٹی آصفہ بولیں۔

"بیٹے کا عروج دیکھا ہے خوش بخت تھیں۔ خدا مغفرت کرے۔"

رشید صاحب نے کہا۔

دونوں میاں بیوی ماں جی کو یاد کرنے لگے۔ ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا۔ شعیب سر جھکائے بیٹھا رہا۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ یہ لوگ شادی اور اس کی بیوی کے متعلق بھی ضرور سوال کریں گے وہ کیا جواب دے گا؟ یہی سوچ رہا تھا۔

"کس فیملی میں شادی ہوئی ہے تمہاری۔" آصفہ بولیں "اپنوں ہی میں ہوئی ہوگی۔"

اس نے نفی میں سرہلاتے ہوئے بڑے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔

"آنٹی بڑے معتبر اور معزز گھرانے میں ہوئی ہے میری شادی۔"

آنٹی اور انکل نے طنز پر دھیان نہ دیا۔ آصفہ بولیں۔ "تمہاری ماں جی کی یہی خواہش تھی۔ پر بیچاری۔"

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ شعیب کے کاروبار کے پھیلاؤ کا سن کر ان دونوں کو بے حد خوشی ہوئی۔

خلوص کے رشتے بھی کتنے پاکیزہ ہوتے ہیں کچھ لینا نہ دینا۔ لیکن کتنی خوشی کا موجب بن رہے تھے۔

"آپ نے وطن چھوڑ ہی دیا۔" شعیب نے کہا۔

"جہاں بچے ہیں۔ ہمارے لئے وہ جگہ ہی پیاری ہے ویسے وطن چھٹ نہیں پاتا بیٹے۔ پردیس میں رہ کر ہی تو دیس کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔"

"آپ کے بیٹے واپس آنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہوں گے۔"

"نہیں۔ بڑا بیٹا سمیر تو واپس آنے کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہا ہے اس کی بچیاں اب جوان ہو رہی ہیں۔ ان کے لئے واپس آنا ہی پڑے گا۔ اس اجنبی دیس اور اجنبی ماحول میں ہم لوگ پنپ نہیں سکتے۔"

"خدا کرے آپ سب جلد وطن لوٹ آئیں۔"

رشید اور آنٹی مسکرانے لگے۔

رشید اور آنٹی عمرے کے لئے آئے تھے اب انہوں نے لندن جانا تھا۔ لندن کے حوالے سے شعیب کو سمہ کا خیال آگیا۔ اس کا خیال تو جب سے شادی ہوئی تھی بار بار آیا تھا۔

اس نے دبی دبی زبان میں اس کے متعلق آنٹی سے پوچھا۔ تو وہ بولیں۔ "ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے بھی لندن میں اسی کے پاس ٹھہرے تھے۔"

شعیب چاہ رہا تھا۔ کہ اس کے متعلق کھل کر پوچھے۔ لیکن خاموش رہا۔

آنٹی نے خود ہی اس کے متعلق بتانے لگیں۔

سمہ اب تک شادی نہیں کی تھی۔ وہ وہاں جاب کر رہی تھی۔ اب کافی سینئر تھی۔ گھر اپنا تھا اور اس گھر میں تین چار بچے ایسے پل رہے تھے جن کی پاکستانی مائیں اپنے شوہروں سے علیحدگی کے بعد دوسری شادی رچا بیٹھی تھیں۔ یا رنگ رلیا منا رہی تھیں۔ اور جن کے باپ بھی ان کا بوجھ اٹھانے سے گریزاں تھے۔ ایسے راندہ درگاہ بچوں کے لئے وہ شفقت و محبت کا ایسا حصار تھی۔ جن میں وہ اپنی زندگی بڑے سکون سے گزر رہے تھے۔

"وہ بہت عظیم ہے بہت بڑا مشن ہے اس کا۔" آنٹی کہہ رہی تھیں۔ "بیٹے اپنے لئے تو ہر کوئی زندہ رہتا ہے۔ زندگی تو یہ ہے کہ دوسروں کو جینے دیا جائے۔ دوسروں کے لئے زندگی کی راہیں ہموار کی جائیں۔"

شعیب چپ چاپ سنتا رہا۔ ایسی عظیم ہستی کو ٹھکرانے کی سزا وہ پا رہا تھا۔ کاش اس وقت وہ اتنا سمجھدار ہوتا کہ پوری قوت اور ہمت سے اسے پالینے کے لئے بڑھتا۔

شعیب کی پرواز کا وقت ہو رہا تھا۔ چیک ان کے لئے مسافر جا رہے تھے انکل اور آنٹی سے وہ مل کر وہ دوسری طرح آگیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے شاندار آفس کی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا بے تحاشہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔ وال کلاک پر ساڑھے دس بج چکے تھے ۔ اس کا پی اے کچھ کپڑوں کے سیمپل دکھا کر آفس سے تھوڑی دیر پہلے نکل گیا تھا۔

اب شعیب تنہا تھا۔ لیکن یہ تنہائی بڑی کرب انگیز تھی ۔

بڑی مشکلوں سے اس نے ایک ایسی پیشہ ور عورت کا پتہ نکالا تھا۔ جو نازیہ کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتی تھی ۔

وہ خود اس سے ملا تھا۔ اور ایک خاصی معقول رقم دینے کا وعدہ کر کے اسے رضامند کیا تھا۔

لیکن نازیہ کا وقت زیادہ ہو چکا تھا۔ اس مہینے میں آپریشن موت کا پیغام بھی بن سکتا تھا۔ وہ کمزور بھی بہت ہو گئی تھی ۔

" آپ کو پہلے آنا چاہیے تھا۔ " وہ عورت رضامند نہ ہو رہی تھی ۔

شعیب نے منت کی تھی ۔ پیسے کا لالچ دیا تھا۔ تو وہ آمادہ ہو گئی تھی ۔

لیکن ساتھ ہی یہ کہا تھا۔ " اگر عورت کی جان گئی تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گی ۔ یہ آپ کو لکھ کر دینا ہو گا ۔

شعیب مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ اس نے تحریر لکھ دی ۔

" ٹھیک گیارہ بجے تک آپ لے آئیں انہیں ۔" اس عورت نے کہا تھا۔

" لے آؤں گا۔ " شعیب نے عجلت میں کہا تھا۔

وہاں سے وہ سیدھا آفس آیا تھا۔ گھر فون کر کے نازیہ کو تیار رہنے کا کہہ دیا تھا۔

" میں ساڑھے دس بجے تک آؤں گا ۔

" اچھا۔"

" تیار رہنا ۔ گیارہ بجے کا ٹائم دیا ہے اس نے ۔"

" جی اچھا ۔"

اب ساڑھے دس بج رہے تھے ۔ شعیب نے نازیہ کو لے کر اس عورت کے پاس جانا تھا۔ مشکل کا یہی حل تھا۔ مصیبت سے اسی طور چھٹکارا مل سکتا تھا۔

لیکن ......

دوسری طرف موت و زندگی کا مسئلہ بھی پریشان کن تھا۔ اگر نازیہ کو کچھ ہو گیا تو کیا وہ اپنے آپ کو معاف کر سکے گا ؟

اس کا قاتل نہیں ہو گا وہ ؟

سوچ کا یہ پہلو بڑا ہی اذیت ناک تھا۔ وہ مضطرب اور بے چین تھا۔ بے شمار سگریٹ پھونک ڈالے تھے ۔ اپنے آپ کو بری الزمہ ٹھہرانے کے لئے کئی تاویلیں گھڑی تھی ۔ لیکن سچائی بے باک ہوتی ہے کوئی تاویل سچائی کے تھپیڑوں کے سامنے نہ ٹھہر رہی تھی ۔

وہ کرب و اذیت کے طوفانوں میں اک تنکے کی طرح بہا جا رہا تھا۔ روح کچوکے کھا رہی تھی ۔ ذہن میں تھپیڑوں کی گونج تھی ۔ اسے نہیں پتہ چل رہا تھا کہ کیا کرے ۔

" سر۔ " دروازہ آہستگی سے کھول کر چپراسی اندر جھانکا ۔

شعیب نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر اسے دیکھا ۔

" ڈاک ہے سر۔"

" رکھ دو ۔"

چپراسی مودبانہ اندر داخل ہوا ۔ اور چند چھوٹے بڑے لفافے اس کے سامنے رکھ دیئے ۔

" جاؤں سر۔" وہ مودبانہ بولا ۔

" ہوں "

چپراسی کمرے سے نکل گیا۔

شعیب کا ذہن اسی معمے اور مسئلے کو حل کرنے میں لگا تھا۔ ڈاک کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

وال کلاک کی طرف دیکھا گھڑی کی سوئیاں سرک رہی تھیں ۔

نازیہ یقیناً تیار بیٹھی ہو گی ۔

اور......

وہ عورت بھی......

منٹوں کے فاصلے باقی تھے ۔

لیکن ان کے سمٹنے پر کیا کچھ ہو سکتا تھا۔

اسے جھرجھری سی آگئی ۔

اور......

بلا ارادہ ڈاک دیکھنے لگا ۔

کاروباری خط تھے ۔ صرف لفافوں پر نظر ڈال کر وہ انہیں دوسری طرف رکھ رہا تھا۔

لیکن

اک لفافہ اٹھایا ۔

اسے دوسری طرف نہیں ڈالا ۔

وہ جلدی سے آگے جھکا ۔ پتہ پڑھا ۔ الٹ پلٹ کر دیکھا ۔

پھر

اپنے سامنے ہی میز پر رکھ دیا ۔

وہ اب بھی لفافہ دیکھ رہا تھا۔ پیلے رنگ کا لمبا لفافہ تھا۔

لفافے پر نازیہ کا نام تھا۔

پہلا پتہ کاٹ کر لفافہ ری ڈائریکٹ کیا گیا تھا۔

اس نے کٹا پتہ پڑھا ۔

ٹونی واجد کی معرفت نازیہ کے نام تھا۔ یہ لفافہ ۔

"ٹونی۔" اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ نام لہرایا ۔ نازیہ نے اپنے ماضی کے جو اوراق شعیب کے سامنے پلٹے تھے ان میں یہ نام خاصہ اہم تھا۔

وہ اس لفافے کو گھورتے ہوئے بہت کچھ سوچنے لگا ۔

ٹونی کے پتہ پر یہ لفافہ بھیجنے والا یقیناً نازیہ کا کوئی واقف کار تھا۔ پھر یہ خط یقیناً ایسے شخص کا ہے جو ٹونی کی وساطت سے نازیہ کو جانتا ہے ورنہ یہ خط نازیہ کے گھر کے پتہ پر بھی آسکتا تھا۔

اپنی دلائل اسے کافی وزنی لگیں ۔

اور پھر اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا......

"ہو سکتا ہے یہ خط نازیہ کے عاشق کا ہو ۔ جس سے وہ نکاح کے بندھن باندھ چکی ہے ۔"

یہ خیال آتے ہی اس نے لفافہ اٹھایا ۔ آنکھیں بند کرکے اس نے صدق دل سے دعا کی خدایا ۔ اس میں میری مشکلوں کا حل ہو ۔

اس نے لفافہ چاک کرنے سے پہلے سوچا۔ کہ یہ نازیہ کو پہنچا دینا چاہیے...... اس کا خط

پڑھنا اخلاقی پستی تھی...... لیکن وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے لفافہ چاک کرنے لگا

اس کے ہاتھ لرز رہے تھے ۔ اور دل کی دھک دھک صاف سنائی دے رہی تھی ۔

لفافے میں دو کاغذ تھے ۔

ایک عام پیڈ کا......

اور......

دوسرا کوئی چھپا ہوا فارم تھا۔

شعیب نے خط پڑھنے سے پہلے فارم نما کاغذ کھولا ۔ کچھ سمجھ نہ پایا ۔ اس فارم پر تین جگہ نازیہ وحید لکھا تھا۔ نیچے تاریخ درج تھی ۔ یہ دستخط آج سے تقریباً سات مہینے پہلے کئے گئے تھے ۔ فارم نما کاغذ کسی سکول کے حاضری رجسٹر سے لیا گیا تھا۔

اس نے فارم الٹ پلٹ کر دیکھا۔ سوائے تین جگہ تاریخ کے ساتھ نازیہ کے دستخطوں کے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔

اس نے فارم میز پر رکھ دیا اور دوسرا کاغذ اٹھالیا...... جسے بغیر القاب و خطاب کے لکھا گیا تھا۔

شعیب کی نظریں تیزی سے سطروں پر رینگنے لگیں ۔

اس نے پورا خط چند سیکنڈوں میں پڑھ لیا ۔

خط پڑھا اور سمجھا......

لیکن......

یہ احساس ہوا کہ جو کچھ پڑھا ہے سمجھا نہیں ۔ اسی لئے اس نے جلدی سے دوبارہ خط پڑھا...... مخاطب نازیہ کو ہی کیا گیا تھا۔ اور خطاب کرنے والا وہی تھا۔ جسے وہ اپنا شوہر سمجھے بیٹھی تھی ۔

اس نے سہ بارہ خط پڑھا ۔

پھر......

فارم اٹھا کر دیکھا...... الٹا پلٹا ۔

اور......

دونوں چیزیں میز پر ڈال کر سر کرسی کی پشت پر ٹیک دیا ۔

ساری بات سمجھ میں آجانے کے باوجود سمجھ سے بالا تر لگ رہی تھی ۔

کئی لمحے رینگ گئے ۔

شعیب نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا آگے کو جھکا اور پھر دونوں کاغذ اٹھا لئے۔

طمانیت کی ایک تیز لہر اس کے شعور میں اٹھ رہی تھی۔ بے یقینی کو یقین دلانے کے لئے وہ ایک بار پھر دونوں کاغذ دیکھ رہا تھا۔

یقین آتے ہی بنی...... اس نے ایک گہری سکون بھری سانس چھوڑی۔

"خدایا تیرا شکر ہے"۔

اس کے لبوں سے نکلا۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی...... نازیہ شاید انتظار میں بیٹھی تھک گئی تھی...... وہ ابھی تک گھر جو نہیں پہنچا تھا...... گیارہ بجے اسے اس پیشہ ور عورت کے پاس جانا تھا۔

نازیہ نے استفسار کیا۔

تو......

جواب میں شعیب نے صرف اتنا کہا۔

"اب وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔"

☆ ☆ ☆

شعیب نے دانستہ کئی دن اس خط کا ذکر نازیہ سے نہیں کیا۔

معاملہ ہی ایسا تھا۔

وہ اپنے طور پر تحقیق میں لگا رہا۔ دو جید عالموں سے ملاقات کی جب پوری تسلی ہو گئی...... تو سکون کا سانس لیا۔ اب نازیہ کو خط دے دینے میں کوئی ہرج نہیں تھا...... وہ جانتا تھا۔ یہ خط اس پر وزنی بم کی طرح گرے گا۔ اعتماد کے پرخچے اڑیں گے اور وہ جو اب تک اپنے آپ کو گناہ و ثواب کے چکروں میں الجھائے بیٹھی ہے...... اس انکشاف سے بوکھلا جائے گی۔ آبرومند اور آبروباختہ کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے...... یہ حقیقت اس پر کھلے گی تو ندامت کا دل پارہ پارہ ہو جائے گا۔

لیکن......

جو کچھ بھی تھا۔

یہ خط اسے دینا ہی تھا۔

وہ رات بڑی صبر آزما تھی۔

نازیہ نے میٹرس پر چادر ٹھیک کی تکئے رکھے اور کمبل کھول کر لیٹنے ہی کو تھی۔

کہ......

شعیب بیڈ پر سے اٹھا الماری کھولی اور لفافہ نازیہ کی طرف پھینک دیا۔

نازیہ نے پہلے لفافے کو دیکھا پھر شعیب کو۔

"کیا ہے۔" وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"تمہارا اعمال نامہ۔ شعیب نے طنز و تمسخر سے کہا۔

وہ گنگ سی ہو گئی۔ خوف کی پرچھائیاں آنکھوں میں لہرانے لگیں۔

اس نے لفافہ اٹھایا۔ لرزتے ہاتھوں سے الٹا پلٹا...... پتے پر نگاہ گئی۔

ٹوٹی واجد کاٹنے کے باوجود پڑھا جا سکتا تھا۔

نازیہ بالکل زرد پڑ گئی۔

لفافہ کھولنے کی ہمت ہی نہ کر سکی۔

"کھولو اسے۔ نکالو کاغذ۔" شعیب بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس میں کیا ہو سکتا ہے۔" وہ سوچ رہی تھی...... دل کانپ کانپ جاتا تھا اور ہاتھوں کی لرزش بڑھ رہی تھی...... آنکھوں کے آگے نیلے پیلے لال گلابی دھبے سے رقصاں تھے۔

"میں مدد کروں" شعیب نے زہریلے انداز میں کہا۔

وہ آنکھیں حیرانگی سے پھیلائے اسے تکنے لگی۔

"کھولو اسے پڑھو۔ شعیب نے پھر تحکمانہ انداز میں کہا۔

وہ سرح زدہ سی لفافہ کھول کر کاغذ نکالنے لگی۔ ٹھنڈ کے باوجود اسے پسینے آرہے تھے۔ اور دل تھم جانے کی حد تک دھڑک رہا تھا۔

لفافے میں سے خط اور فارم نما کاغذ نکلا۔

اس نے پہلے فارم ہی کھولا۔

اسے دیکھتے ہی چکرا گئی...... اپنے دستخط پہچان لینا مشکل نہ تھا تینوں دستخط اور تاریخ اس دن کی ذہن میں لہرا گئی...... جس دن اس نے نکاح نامے پر دستخط کئے تھے۔

"پہچانتی ہو اس فارم کو" شعیب نے پوچھا۔

اس نے سر جھکا کر ہولے سے ہلایا۔

یہی کاغذ تھا۔ جس پر تم نے دستخط کئے تھے۔"

"ہاں۔"

فارم کو پہلے دیکھا تھا۔"

"نہیں۔"

"دستخط کیسے کئے تھے۔"

اس نے اک رکتی ہوئی سانس لی...... سپاٹ اور ویران آنکھوں سے شعیب کو دیکھا۔

شعیب پھر اپنا سوال دھرایا۔ تو وہ مری مری سی آواز میں بولی۔

"دونوں گواہوں نے کہا تھا۔

"کیا۔

"تین جگہ دستخط کرنے کو۔"

"یہ فارم دیکھا ہے۔"

نازیہ نے فارم پر نگاہ ڈالی۔

"یہ کیا ہے؟" شعیب نے پوچھا۔

"نکاح نامہ۔" وہ مری مری آواز میں بولی۔

"ہونہہ۔" وہ تلخی سے ہنسا۔ نازیہ نے فارم کو پھر دیکھا۔ دل ایک لمحہ کو تھم ہی تو گیا

فارم کسی سکول کے حاضری رجسٹر کا تھا...... جس پر اس نے تین جگہ دستخط کئے ہوئے تھے۔ اس طرکوئی اور دستخط نہ تحریر...... مانی کے سائن بھی نہ تھے۔

فارم اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے سانس لیتے ہوئے بے حال سی نظر آئی۔

"اب خط بھی پڑھ لو۔ اپنے شوہر نامدار کا۔" کاٹدار لہجے میں شعیب بولا۔

کئی لمحوں کی سنگین سی چپ کے بعد نازیہ نے خط اٹھایا...... ہمت مجتمع کی اور اس کی نظریں سطروں پر رینگنے لگیں۔

خط مانی کا تھا۔

اس خط میں اس نے اپنے دھوکے اور فریب کا بڑی دیدہ دلیری سے اعتراف کیا ہوا تھا۔ نکاح کا ڈھونگ رچانے پر معذرت کی ہوئی تھی۔ وہ ملک سے باہر جا چکا تھا۔ پچھلے ماہ آنا ہوا تو لونی سے نازیہ کے شادی کا پتہ چلا۔

"یقیناً تم اپنی شادی کو ناجائز سمجھ رہی ہو گی۔

اس لئے کہ اپنی دانست میں تم مجھ سے نکاح کر چکی ہو۔

نکاح کا ڈھونگ تھا۔ تمہاری سادگی پر ترس آرہا ہے۔

اس لئے یہ نام نہاد نکاح نامہ بھجوا رہا ہوں میں۔

نے بہت سی لڑکیوں کو بے وقوف بنایا۔ لیکن تمہارے معاملے میں ضمیر ملامت کر رہا ہے۔ یہ اقدام اسی لئے کیا ہے۔"

خط وہ پورا بھی نہ پڑھ سکی۔ کہ آنکھوں میں اندھیرے اتر آئے...... اس کے منہ سے اک خوفزدہ سی سسکی نکلی اور وہ بستر پر گر گئی۔

کئی لمحے بیت گئے۔

شعیب اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں...... شاید جانتا تھا۔ کہ رد عمل یہی ہو گا...... سوچوں میں خود بھی کھویا ہوا تھا۔ لیکن صورت حال کی سنگینی کو سمیٹنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ تھا۔ اتنے دن سوچ بچار ہی تو کرتا رہا تھا۔

ذہنی کش مکش اور کرب انگیز تذبذب میں مبتلا رہا تھا۔ کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا تھا...... دکھ اور غصہ اپنی جگہ عفو اور درگزر اپنی جگہ تھے۔

نازیہ اس کی منکوحہ تھی۔ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس حقیقت کے ساتھ یہ المیہ بھی تھا۔ کہ وہ اس کی زوجیت میں آنے سے پہلے ہی جوہر عصمت لٹا چکی تھی۔ اس میں اس کی سادگی کم عقلی اور گھریلو سختی سے فرار کی کوشش کا دخل تھا۔ پھر بھی سچائی اٹل تھی۔ اور ایک ایسی لڑکی کو دل و جان سے قبول کر لینا اسے اپنے بس کی بات نہ لگتی تھی۔

شش و پنج کا اک نیا دور تھا...... جس نے اسے منتشر کر دیا تھا۔

وہ سوچتا......

نازیہ کو طلاق دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔

لیکن......

ساتھ ہی اس بچے کا خیال آجاتا...... جو ابھی اس دنیا میں قدم بھی نہیں رکھ پایا تھا...... کہ بدنصیبی اس کے ماتھے پر چسپاں کی جارہی تھی۔

ایک دو تو وہ بہت ہی مضمحل اور پریشان ہو گیا تھا۔ اپنے آپ سے الجھتے ہوئے اس نے اپنے آپ ہی سے سوال کیا تھا۔

"تو میں کیا کروں۔؟"

اس کا جواب اسے ملا تھا...... دل کے اندر ہی سے ایک پاکیزہ اور خوبصورت آواز ابھری تھی۔ اسے یوں لگا تھا۔ جیسے دل کے عقیدت و احترام کے سنگھاسن پر بیٹھی سمہ اسے راہ دکھا رہی ہے...... اس بچے کے مستقبل کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو اس کا اپنا ہے...... جسے ابھی دنیا میں آنا ہے۔ جسے باپ کے ساتھ ماں کی شفقتوں اور نگہداشتوں کی بھی ضرورت ہے۔ جو ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں بکھر سکتا ہے جس کی شخصیت مسخ ہو سکتی ہے

انٹی اور انکل کی باتوں کے حوالے سے سمہ کی باتیں اس کے ذہن میں قطرہ قطرہ ٹپکتی رہیں۔ اسے راہ دکھاتی رہیں۔

اور

آج جب اس نے جینے کی راہ متعین کرلی تھی تب ہی تو نازیہ کو وہ لفافہ دیا تھا......

غصہ آج بھی آیا تھا...... طنز و تشنیع سے آج بھی کام لے رہا تھا۔

لیکن......

اس نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔

نازیہ کی حالت دگرگوں تھی...... ردعمل یہی ہونا تھا۔ شعیب کو توقع تھی۔

شعیب اسے اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا...... نازیہ جس ذہنی کوفت اور صدمے سے دوچار تھی۔ اسے اکیلا ہی چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

شعیب باہر آیا۔ چند منٹ ٹی وی آن کر کے دیکھتا رہا۔

پھر......

اٹھا......

اور باہر نکل گیا۔

وہ گاڑی میں آبیٹھا...... اور پھر گاڑی گیٹ سے نکال کر سڑک پر آگیا۔ کئی گھنٹے وہ بے

معنی ویران سڑکوں کی بادیہ پیمائی کرتا رہا۔

رات کی تاریکیاں دبیز ہو چکی تھیں۔ اور فضا میں سکوت رچ بس گیا تھا۔ کہیں کہیں سے گاڑیوں کی چرچراہٹوں کی آواز آجاتی تھی۔ اور کبھی کوئی کتا بھونکنے لگتا۔

شعیب واپس آیا تو رات بلند و پست پر پھیلی اونگھ رہی تھی۔ اس نے گاڑی گیراج میں رکھی۔ اور دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

اس کا خیال تھا۔ نازیہ اب تک جاگ رہی ہوگی۔

اور

یہ خیال غلط بھی نہیں تھا۔

وہ جاگ رہی تھی...... حقیقت سامنے آچکی تھی...... جو دھوکہ کھایا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اپنے جذبات پر اب کچھ قابو پا لیا تھا۔

اپنی جرم کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ شکست خوردہ۔ لٹ پٹی وہ وہیں بیٹھی تھی جہاں شعیب چھوڑ کر گیا تھا۔ ہاں سرخ متورم آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خوب روئی ہے...... رونا تو تھا ہی۔ داغ عصیاں جو نادانی سے ہی دامن پہ لگ گیا تھا۔ اسے دھونے کے لئے تو عمر بھر آنسو بہانا تھا۔

شعیب کمرے میں آیا۔

پھر......

ڈریسنگ روم میں چلا گیا...... کپڑے تبدیل کئے...... باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا بالوں میں برش کیا...... قدرے تازہ دم ہو کر وہ پھر کمرے میں آگیا۔

نازیہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی جرات نہ کر سکی۔

شعیب بیڈ کے قریب آکر بولا۔ "سمجھ میں آگئی ساری بات۔"

نازیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن بہزار کوشش وہ سینے میں ٹوٹتی ہچکی کو قابو نہ کر سکی...... اس کے وجود کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔

شعیب نے اس پر اک بھرپور نگاہ ڈالی پھر پوچھا۔ "اب کیا خیال ہے۔"

نازیہ بے چین ہوگئی۔ تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر ندامت سے سر جھکا کر بولی۔ "آپ۔ کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔"

شعیب نے گھمبیر انداز میں پوچھا۔ "کیا یہ سمجھتی ہو کہ میرا فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔"

وہ چند لمحے چپ رہی۔

پھر......

ختم شد

سر اٹھا کر بے بسی سے شعیب کو دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔
شعیب کو اس لمحے اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے دھیمے لہجے میں بولا۔
" میرا فیصلہ۔ تمہارے حق میں ہے۔
بڑی بے یقینی سے نازیہ نے پوری آنکھیں کھول کر شعیب کو دیکھا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ یقین اور بے یقینی کے درمیانی خلا میں بھٹکتے ہوئے وہ آنکھیں کھولے اسے تکے گئی۔
شعیب نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ اس کے چہرے پر ٹھوس اور برودت بھری سنجیدگی تھی۔
سگریٹ کا کش لے کر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔
" میں تمہیں تمہارے جرم و گناہ کے بدلے طلاق بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔"
" شعیب۔" نازیہ کے لبوں سے بے اختیارانہ نکلا۔
شعیب نے اسی پر فیلے لہجے میں کہا۔
" یہ اس لئے نہیں۔ کہ مجھے تم سے پیار ہو گیا ہے۔ صرف اور صرف اس لئے کہ تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔ اور میں اس معصوم کو سزا دینا نہیں چاہتا۔ "
" شعیب۔" نازیہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھی اور شعیب کے قدموں میں گر گئی۔
اس نے اس کے دونوں پاؤں پکڑ لئے ......
اور
آنسوؤں کا سیلاب اور ہچکیوں کا طوفان امنڈ آیا۔
وہ رو رو کر بے حال ہو گئی۔ اسے کہاں یقین تھا کہ شعیب اس کے گناہ کی پردہ پوشی کرے گا۔ عفو درگزر سے کام لے گا۔ قلب کی وسعتیں اتنی ہوں گی۔ کہ وہ اسے معاف کر دے گا۔
شعیب کئی لمحے پتھر کا بت بنا رہا۔ نازیہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔
پھر ...... پھر ...... شعیب جھکا ......
اور اس نے نازیہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔
" شعیب۔ آپ انسان۔ نہیں فرشتہ ہیں۔" ہچکیوں کے درمیان نازیہ اس کے سینے پر سر رکھے کہہ رہی تھی۔
شعیب نے اسے سہارا دیا بیڈ کی طرف لایا۔
اس سہارا دینے میں محبت کی آنچ نہیں تھی۔ لیکن فرض کا تنو مند احساس ضرور تھا۔